ابن صفی
26
جاسوسی دنیا
79- چاندنی کا دھواں
80- سینکڑوں ہمشکل
81- لڑاکوں کی بستی

پیشرس

چاندنی کا دھواں تھوڑی تاخیر سے حاضر ہے! تاخیر کی وجہ نہ پوچھئے ورنہ آپ کہیں گے کہ اسے "علالت" کے علاوہ آتا ہی کیا ہے۔ اور وہ بھی خصوصیت سے خاص نمبر پیش کرنے کے مواقع پر! مگر میں خود اسے کیا کہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا:.... پیر کی ایک معمولی سی خراش سپٹک بن گئی۔ بخار ہوا تو ذہن ہی ناکارہ ہو کر رہ گیا۔ غرضیکہ خاص نمبر لیٹ....!

مگر خیر مجھے خوشی ہے کہ اس بار کی کہانی آپ کے بڑھتے ہوئے انتظار اور اضطراب کے شایان شان بھی ہے۔ آپ اسے ہر اعتبار سے پسند کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ کیپٹن حمید کو انسپکٹر آصف کے ماتحت کی حیثیت سے دیکھ کر آپ متحیر بھی ہوں گے اور آپ کو ہنسی بھی آئے گی۔ یہ خود کرنل فریدی کی تجویز تھی کہ حمید انسپکٹر آصف کے ماتحت کی حیثیت سے کام کرے لیکن اس افسری اور ماتحتی نے جو گل کھلائے ہیں ان کی مہک آپ اپنے قہقہوں میں ہی محسوس کر سکیں گے.... جی ہاں۔ قاسم صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں ان کا تو چلن ہی اور ہے۔ سدا کے سادہ لوح ہیں۔ ان پر گزرنے والے حادثات بھی انہی کی طرح انوکھے ہوتے ہیں۔

فریدی ایک ایسی پُر اسرار عورت کے تعاقب میں نظر آئے گا جسے ایک مصور نے کبھی دیکھا نہیں تھا لیکن جس کے برش کے جنبش ہمیشہ اُسی کی شکل بناتی تھیں۔

مصور اُسے آسیب سمجھتا ہے! لیکن پھر بھی مصور کی تصویر بین الاقوامی مقابلے میں اول آتی ہے اور یہیں سے کرنل فریدی کی مصروفیات بڑھ جاتی ہیں۔

وادیٔ کاجیک میں چمکدار دھوئیں کا منارہ زمین سے آسمان تک بلند ہوتا چلا جاتا ہے.... مگر وہ ایک مجبوری تھی۔ اگر وہ مجبوری نہ ہوتی تو شاید کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی کہ وادی کاجیک میں کیا ہو رہا ہے۔ بڑی عجیب بات تھی.... مصور نے اس کی تصویر بنائی اور اُسے ایک آسیب سمجھتا رہا۔ کیپٹن حمید اُسے ایک بھٹکی ہوئی روح سمجھتا ہے اور کیوں نہ سمجھتا جبکہ اُس نے اُسے چھو کر دیکھا تھا۔ پھر فریدی کو کیا ہو گیا تھا۔ وہ اس کے لئے ہتھکڑیاں لئے کیوں پھرتا ہے۔

روح اسے شکست دینا چاہتی تھی۔ اُسے احساس بے بسی میں مبتلا کرنا چاہتی تھی۔ لیکن فریدی نے کسی طرح اُسے خود اُسی کی نظروں سے گرا دیا۔ آپ دیکھیں گے اور فریدی کی ذہانت کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں گے! خون کا ایک قطرہ گرائے بغیر وہ اس مغرور کو احساس بے بسی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

ابن صفی

آسیب

جیلانی نے برش رکھ دیا۔ تھوڑی دیر تک اپنی بنائی ہوئی تصویر کو خوفزدہ نظروں سے دیکھتا رہا پھر دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر آرام کرسی میں گر گیا۔

اس کا سر چکرا رہا تھا۔ آنکھوں میں دھند سی چھا رہی تھی۔ اُس دھند میں چنگاریاں بھی تھیں جو لاتعداد جگنوؤں کی طرح ٹمٹماتی پھر رہی تھیں.... پھر یہ دھند آہستہ آہستہ گہری تاریکی میں تبدیل ہوتی گئی اور کچھ دیر بعد اس تاریکی میں رہ رہ کر تیز روشنی کے جھماکے ہونے لگے۔

ان جھماکوں میں پل بھر کے لئے کبھی گرجوں کی چوٹیاں کبھی مسجدوں کے منارے اور کبھی اونچی اونچی عمارتوں کی چھتیں نظر آتیں اور پھر تاریکی میں کھو جاتیں! یہ روشنی کے جھماکے اس کے ذہن پر ٹھوکریں سی مارتے اور اس کا سارا جسم جھنجھنا اٹھتا۔

یہ کیفیت نئی نہیں تھی۔ جب بھی اس کے برش سے وہ مخصوص چہرہ ابھرتا تھا اُس کے ذہن کی یہی حالت ہو جاتی تھی۔ وہ ایک اچھا مصور تھا اب تک کئی قومی مقابلوں میں حصہ لے چکا تھا۔ نیشنل آرٹ گیلری میں اس کی بنائی ہوئی تصاویر کو بھی جگہ ملا کرتی تھی.... لیکن پچھلے تین سال سے اس نے انسانی تصاویر بنانا چھوڑ دیا تھا.... اب صرف جانوروں پرندوں اور مناظر کی تصویر کشی کرتا تھا۔ ایسا کیوں ہوا تھا؟ اس کی وجہ وہ تصویر تھی جو اس وقت بھی ایزل پر موجود تھی اور جس کے خوف سے اس نے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔

مگر یہ تو کسی دلکش عورت کی تصویر تھی۔ ایسی کہ ایک بار دیکھنے کے بعد اس پر سے نظر ہٹانے ہی کو دل نہ چاہے۔ آدھ کھلی خوابناک آنکھیں۔ خفیف سے کھلے ہوئے بھرے بھرے سے ہونٹ جن کے درمیان چمکدار دانتوں کی ہلکی سی جھلک بھی دکھائی دیتی تھی۔

مگر وہ اُس سے خائف تھا۔ کیونکہ وہ جب بھی کوئی انسانی چہرہ بناتا تھا بالکل یہی خط و خال اُس کے برش سے نکلتے تھے۔ یہی صورت ہوتی تھی۔ وہ کوشش کرتا کہ کوئی دوسری شکل بنائے لیکن اس مخصوص چہرے سے پیچھا نہ چھڑا سکتا۔ شروع شروع میں یہ چہرہ اُسے بے حد پیارا لگا تھا۔ لیکن جب یہ کسی بھوت کی طرح اُس کے برشوں سے چمٹ گیا تو اسے الجھن ہونے لگی۔ اُس کے تصور ہی سے اختلاج ہونے لگا اور اس نے تھک ہار کر انسانی تصاویر بنانا ہی ترک کر دیا۔

اس کے خطوط میں بڑی زندگی تھی۔ وہ جہاں بھی وہ رنگ لگا دیتا بس بول ہی پڑتا تھا۔ اس کے ہم عصر پختہ کار اور عمر رسیدہ مصور بھی اُسے رشک کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ جیلانی کی عمر اٹھائیس سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن اُس کے بارے میں کہنہ مشق اور تجربہ کار مصوروں کا خیال تھا کہ وہ ماں کے پیٹ ہی سے ہاتھ میں برش دبائے آیا ہوگا۔

اُس کی شناسا عورتیں سوچتی تھیں کہ وہ خود بھی آرٹسٹک ہے۔ قدیم یونانی کے کسی ماہر فنکار کا تراشا ہوا مجسمہ، نزاکت اور قوت کا حسین ترین امتزاج! آج سے تین سال قبل دولت مند گھرانوں کی رنگین مزاج عورتیں محض اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے اُسے پوز دیا کرتی تھیں۔ گھنٹوں اُس کے قریب بیٹھی رہتیں اور وہ اُن کی تصاویر میں رنگ بھرا کرتا۔

انہیں دنوں کی بات ہے وہ ایک بار ایک اچھے گھرانے کی عورت کی تصویر بنا رہا تھا....

عورت پوز دے رہی تھی جب وہ اس دن کا کام ختم کر چکا تو عورت اٹھ کر ایزل کے قریب آئی۔ تصویر کو نزدیک سے دیکھا اور اس پر برس پڑی کہ خواہ مخواہ اس کا اتنا وقت برباد ہوا۔ عورت کھرے مزاج کی تھی۔ جیلانی کو اس کے خیال دلانے پر ہوش سا آ گیا اور اب اس نے بھی غور سے دیکھا تو وہ اس عورت کی تصویر ہرگز نہیں تھی۔ اُس نے عورت سے معذرت طلب کی اور اب تک کی محنت پر سفیدہ پھیر دیا۔ تصویر از سر نو شروع ہوئی.... لیکن پھر وہی خط و خال ابھر آئے جو اس سے پہلے عورت کی برفروختگی کا باعث بنے تھے اس بار وہ خفا ہو کر اسٹوڈیو سے چلی ہی گئی تھی۔

پھر جیلانی کو سکون نہ مل سکا۔ وہ چہرہ کسی بھوت کی طرح اُس سے چمٹ کر رہ گیا تھا۔ جب بھی کوئی تصویر بنانے بیٹھتا برش کی جنبش وہی خط و خال ابھار کر رکھ دیتیں اور اس کا سر چکرانے لگتا آخر تھک ہار کر اُس نے انسانی تصاویر بنانی ہی چھوڑ دیں۔

مگر چونکہ مشاق فنکار تھا اس لئے دوسری راہوں میں بھی اُس نے اپنی انفرادیت کے

جھنڈے گاڑ دیئے اب بھی اس کی شہرت کا وہی عالم تھا۔ لیکن اب ان عورتوں کی بھیڑ اس کے گرد نہیں رہتی تھی جو تصویر بنوانے کے بہانے ہی اُس سے قریب ہونا چاہتی تھیں۔ اس سے اس کی مالی حالت پر بڑا اثر پڑا تھا اور ایک سال کے اندر ہی اندر اُسے وہ خوبصورت بنگلہ چھوڑ دینا پڑا تھا جس میں وہ کافی سازو سامان کے ساتھ رہتا تھا۔ کیونکہ اب وہ اتنا مالدار نہیں رہا تھا کہ ڈھائی صد روپے ماہوار کرایہ ادا کر سکتا۔

اُسے ایک چھوٹے موٹے مکان کی تلاش تھی۔ لیکن اکیلے آدمیوں کو چھوٹے موٹے مکان کہاں ملنے لگے۔ وہ دن رات اُن محلوں کے چکر لگاتا رہتا جہاں متوسط طبقہ کے لوگ آباد تھے کئی مکان خالی ملے بھی لیکن شرط تھی پورے خاندان کی یعنی "گھر والی" کے بغیر مکان ملنا ناممکن تھا۔

"میری گھر والی کا نام شامت ہے۔" وہ مسکرا کر مالک مکان سے کہتا اور آگے بڑھ جاتا۔

ایک دن وہ ایک بستی میں پہنچا جہاں کے متعلق اُسے معلوم ہوا تھا کہ مکان مل ہی جائے گا! کیونکہ وہاں زیادہ تر آزاد خیال قسم کے متوسط گھرانے آباد تھے۔ وہاں ایک دو منزلہ مکان ایسا مل بھی گیا جن میں اوپری منزل پر خود مالک مکان رہتا تھا اور نچلی منزل کرائے کے لئے خالی تھی۔

مالک مکان نے اُسے اپنے ڈرائنگ روم میں ریسیور کیا۔

وہاں کچھ اور لوگ پہلے ہی سے موجود تھے۔ چند خواتین بھی تھیں۔

مالک مکان نے سب سے پہلے اُس سے سوال کیا کہ اُس کے پاس کار بھی ہے یا نہیں! کبھی ہوا کرتی تھی کار بھی لیکن.... مالی بدحالی کی وجہ سے اُسے بھی فروخت کر دینا پڑا تھا۔ اس لئے جیلانی سے نفی میں جواب پا کر اُس نے کہا نچلی منزل میں گیراج بھی ہے اس لئے وہ کسی کار والے ہی کے لئے مناسب رہے گا اور اس طرح کرائے میں اضافہ بھی کیا جا سکے گا۔

جیلانی کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اتنے میں ایک صاحبہ نے اس سے سوال کیا کہ کیا وہ خود اپنے لئے مکان تلاش کر رہا ہے۔ جیلانی سے اثبات میں جواب سن کر ان کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے تھے۔ مگر وہ کچھ بولی نہیں تھیں۔ پھر جب جیلانی چلنے لگا تھا تو دفعتاً انہوں نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔ "کل شام کو اس پتہ پر تشریف لائیے میرا خیال ہے کہ میں آپ کو ایک مکان دلوا سکوں گی۔"

جیلانی اُن کا شکریہ ادا کر کے اٹھ آیا تھا۔ یہ ادھیڑ عمر کی ایک پُر وقار اور سنجیدہ خاتون تھیں۔

بیگم تنویر۔ ایک مقامی گرلز کالج میں پرنسپل تھیں۔ جیلانی دوسرے دن اُن کے یہاں پہنچ گیا تھا۔

"میں آپ سے بخوبی واقف ہوں۔" بیگم تنویر نے کہا۔ "آپ جیلانی صاحب ہیں۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ آپ چھوٹے موٹے مکان کی تلاش میں کیوں ہیں۔ جب کہ آپ کے پاس اتنا شاندار بنگلہ ہے اور آپ کی یہ بات بھی درست نہیں آپ کے پاس کار نہیں ہے۔"

"میرے پاس بنگلہ بھی تھا.... اور کار بھی۔ لیکن محترمہ اب کچھ بھی نہیں ہے اب مجھے ایک معمولی سا مکان چاہیئے۔ جس کا کرایہ میری قلیل آمدنی برداشت کر سکے۔"

"مجھے حیرت ہے....!"

"جب تک زمین گردش کر رہی ہے سب کچھ ممکن ہے محترمہ....!"

"خیر....!" بیگم تنویر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میرے مکان کی اوپری منزل خالی ہے۔ اگر آپ کے کسی کام آسکے۔"

"میں بے حد مشکور ہوں گا محترمہ.... میں صرف ایک کمرے سے بھی کام چلا سکتا ہوں۔"

بس پھر وہ دوسرے ہی دن تنویر منزل میں اٹھ آیا تھا۔ بیگم تنویر بیوہ تھیں اور اس عمارت میں تنہا ہی رہتی تھیں۔ بہر حال یہاں کا ماحول بہت پُر سکون تھا اور یہی چیز جیلانی کے لئے سب سے زیادہ اہم تھی۔ کیونکہ وہ ایسی ہی فضا میں جم کر کام کر سکتا تھا۔

لیکن اس کا یہ سکون زیادہ دنوں تک برقرار نہ رہ سکا۔ تنویر منزل میں وہ لڑکی نہیں آئی تھی بلکہ زلزلہ آگیا تھا۔ وہ طوفان بدتمیزی برپا رہتا کہ خدا کی پناہ۔ صوفیہ بیگم تنویر کی کوئی عزیز تھی کسی دوسرے شہر سے اس نے میٹرک پاس کیا اور اب اعلیٰ تعلیم کے لئے بیگم تنویر کے پاس چلی آئی تھی۔ عمر اٹھارہ سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ سنجیدگی شاید اُس کے قریب سے بھی نہیں گذری تھی۔ ہر وقت ہنستے ہنساتے رہنا اس کا محبوب ترین مشغلہ تھا اور جیلانی کو تو وہ "شامت" ہی کی طرح گھیرے رہتی تھی۔

جیلانی اس سے بھاگنا چاہتا تھا لیکن بھاگنے کی صورت میں سر سے چھت کا سایہ بھی جاتا۔ مجبوراً اب اسی ہنگامہ پرور ماحول ہی میں بسر کرنی پڑتی۔

موجودہ الجھن کا باعث بھی یہی لڑکی بنی تھی۔ اُس نے اُسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ انٹرنیشنل آرٹ ایگزیبیشن کے لئے کوئی انسانی تصویر بنائے ورنہ وہ تو ایگزیبیشن کے لئے ایک منظر پینٹ

کر رہا تھا.... یہ شفق کی چھاؤں میں ساحل کی ریت پر پڑے ہوئے تین گھونگھے تھے۔ صوفیہ نے یہ تصویر دیکھ کر ایک چھت شگاف قہقہہ لگایا تھا اور بولی تھی۔ "جیلانی صاحب اگر اس منظر میں چوتھے آپ بھی شامل ہو جائیں تو تصویر بڑی جاندار ہو جائے گی۔"

اس دلچسپ جملے پر وہ بھی دل کھول کر ہنسا تھا۔ مگر پھر تو وہ سر ہی ہو گئی۔ اس منظر پر سفیدے کا برش پھروا کر ہی دم لیا۔

آخر جیلانی نے جھلا کر کہا تھا۔ "بیٹھو میں تمہاری ہی تصویر بناؤں گا۔"

اُس نے سوچا تھا کہ سر اس کا اور دھڑ بندر کا بنا کر لمبی سی دم کھینچ دے گا۔ وہ بھی تاؤ میں آکر بیٹھ گئی تھی۔ اور وہ اس کے چہرے کا اسکیچ لینے لگا تھا۔ تین سال بعد انسانی خط و خال پر اس کی پنسل دوڑی تھی۔ وہ بڑے انہماک کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہا۔ اُسے یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ صوفیہ کب اپنی جگہ سے اٹھ کر اُس کے پیچھے آکھڑی ہوئی تھی۔

دفعتاً وہ اس کے قہقہے پر چونک کر مڑا۔

"اب اتنے مشاق بھی نہیں معلوم ہوتے کہ کھڑے گھاٹ کسی کی تصویر بنا ڈالو۔" اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"واہ.... کیا خوب۔ یہ میری تصویر ہے۔ ابھی آپ کو مشق کی ضرورت ہے جیلانی صاحب۔"

جیلانی نے تصویر پر دوبارہ نظر ڈالی تھی اور اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ کیونکہ یہ تو وہی تصویر تھی.... وہی آسیب تھا جس نے تین سال پہلے نہ صرف اُسے بلکہ اُس کے فن کو بھی دوسری راہوں پر ڈال دیا تھا۔

وہی آدھ کھلی آنکھیں وہی خفیف سے کھلے ہوئے ہونٹوں سے جھانکنے والے تین دانت۔

"مگر تصویر ہے.... بڑی پیاری....!" صوفیہ نے کہا تھا۔

"جاؤ....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "مجھے تنہا چھوڑ دو۔ میرا سر چکرا رہا ہے.... میں شاید بیمار ہو جاؤں....!" پھر وہ نڈھال سا ہو کر آرام کرسی میں گر گیا تھا۔

صوفیہ اُس کے کمرے سے چلی گئی تھی۔

اس دن سے جیلانی پر جنون سا طاری ہو گیا تھا۔ وہ چہرے بنا بنا کر بگاڑتا رہتا ان چہروں میں بال برابر بھی فرق نہ ہوتا۔ بعض اوقات وہ تہیہ کر کے بیٹھتا کہ اُس چہرے کا کارٹون ہی بنا کر رکھ

دے گا۔ لیکن برش کی پہلی ہی جنبش کے ساتھ اُس کا ذہن ہاتھ سے دور بھاگنے لگتا اور نتیجہ وہی ہوتا.... یعنی وہ تصویر....

صوفیہ تو آج ہی اُس سے اس کے چہرے کے متعلق پوچھ بیٹھی تھی۔ لیکن اُس نے اسے تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا کہ وہ تصویر محض تخیلی ہے۔

"اچھا چلو یہی سہی کہ میں اس عورت کو جانتا ہوں.... پھر....!"

"وہ بہت بُری طرح تمہارے ذہن پر چھائی ہوئی ہے۔"

"چلو.... یہ بھی تسلیم ہے پھر....!"

"پھر کیا! کچھ بھی نہیں۔" صوفیہ کی آواز میں اضمحلال تھا۔

پھر وہ اس کے کمرے سے چلی گئی تھی۔

آج اس نے آخری بار برش اٹھایا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ کوئی دوسرا چہرہ نکالنے کی کوشش کی جائے۔ اگر نکل سکا تو ٹھیک ہی ہوگا اور اگر وہی چہرہ بنا تو پھر اب وہی تصاویر کی بین الاقوامی نمائش میں بھیجا جائے گا۔

مگر وہ کسی طرح بھی دوسرا چہرہ نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکا.... ویسے ایک عجیب سی بات یہ تھی کہ برش ہاتھ میں لیتے ہی اس کا ذہن قابو میں نہیں رہ جاتا تھا۔ اگر انسانی تصویر بنانے کا ارادہ ہوتا۔ بہر حال اس کا یہ آخری فیصلہ بھی برش کی مخصوص جنبشوں میں کوئی تبدیلی نہ کر سکا۔ پھر وہی چہرہ تیار تھا۔

کچھ دیر تک اُس کے ذہن پر ہیجانی کیفیت طاری رہی پھر آہستہ آہستہ پرسکون ہوتا گیا۔

"اب یہی تصویر جائے گی.... اب یہی تصویر جائے گی....!" وہ دفعتاً مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا اور کینوس پر بنے ہوئے چہرے کو گھورتا ہوا بولا۔ تم مجھے خوفزدہ نہیں کر سکتیں میں اب تمہیں بازار میں لاؤں گا.... بازار میں لاؤں گا۔ سمجھیں! میں جانتا ہوں تم کوئی بُری روح ہو۔ میرے ہاتھوں سے چمٹ کر رہ گئی ہو.... لیکن اب میں تم سے نہیں ڈروں گا، تمہیں بھی سکون نہیں لینے دوں گا.... سور کی بچی تم نے مجھے تباہ کر کے رکھ دیا۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ اس چہرے کو کسی منظر میں کھپانا چاہئے.... اوہ ٹھیک ہے چرواہی.... ایک چیتھڑے لگائے ہوئے.... چرواہی.... مفلوک الحال.... بیابانوں کی خاک

چھاننے والی.... بھوک اور پیاس سے نڈھال....!

یہ تو کچھ بھی نہیں ہے.... ہاہاہا.... اُس نے قہقہہ لگایا۔ "میں تمہیں کتوں سے نچواؤں گا.... جتنا ذلیل کر سکتا ہوں کروں گا.... دیکھوں گا کہ تم میرا کیا بگاڑ لیتی ہو۔"

خاموش ہو کر اس نے برش اٹھائے اور رنگوں کی ٹرے پر نظر دوڑانے لگا۔

اتنے میں صوفیہ آ گئی اس کی نظر کینواس پر تھی۔

"اوہ.... پھر وہی۔" اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ہاں پھر وہی....!" جیلانی مسکرا کر بولا۔ اُس کی آنکھیں سرخ اور خوفناک تھیں۔

"تم اس کے علاوہ اور کسی قسم کا چہرہ بنا ہی نہیں سکتے۔" صوفیہ نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"بہتیرے مصوروں میں یہ کمزوری ہوتی ہے.... پتہ نہیں تمہیں بین الاقوامی نمائش کے لئے کیسے دعوت مل گئی۔"

"ہاں میں بالکل گدھا ہوں.... پھر تم سے کیا.... جاؤ یہاں سے۔"

"نہیں جاؤں گی...." وہ اطمینان سے ایک آرام کرسی میں نیم دراز ہوتی ہوئی بولی۔ "تم ایک اچھے کمرشل آرٹسٹ بن سکتے ہو۔ کیوں خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔"

کمرشل آرٹ جیلانی کے لئے گالی تھی۔ وہ تلملا کر رہ گیا۔ لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔

کل کی چھوکری جسے مصوری کی اے۔ بی۔ سی سے بھی واقفیت نہیں تھی اُسے مشورہ دینے چلی تھی جو اپنا نچلا ہونٹ چباتا ہوا تصویر پر کام کرنے لگا۔

"میرے ایک کزن آرٹسٹ ہیں....!" وہ کچھ دیر بعد بولی۔ "واہ.... کیا تصویریں بناتے ہیں۔ بس دیکھتے ہی رہ جاؤ۔ تصویریں بول پڑتی ہیں۔ ایک دن انہوں نے اپنی بوڑھی ماما سے کہا چل تجھے ملکہ بنا دوں۔ بس اس کی تصویر بنا کر ملکہ وکٹوریہ کے کپڑے پہنا دیئے۔"

"میں نے کئی جگہ ایسے بھی دیکھے ہیں جو اپنے پیٹ سے درجنوں لوہے کے گولے نکال پھینکتے ہیں۔" جیلانی نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"مگر افسوس تمہارے جھولے میں صرف یہی ایک تماشہ ہے۔" وہ کینواس کی طرف انگلی اٹھا کر بولی۔

"میں کہتا ہوں تم جاؤ یہاں سے۔ مجھے کام کرنے دو۔" جیلانی دانت پیس کر بولا۔

"نہ میں تمہارے کاندھے پر سوار ہوں اور نہ میں نے تمہارے کان پکڑ رکھے ہیں۔ سچے آرٹسٹ کی یہ بھی پہچان ہے کہ کام کرتے وقت اُسے گردوپیش کی خبر نہ ہو.... وہ تو اپنے آرٹ میں ڈوبا رہتا ہے۔ اُسے کیا پتہ کہ آس پاس کیا ہو رہا ہے۔"

"دیکھو! مجھے پریشان مت کرو۔" جیلانی نے بے بسی سے کہا۔

"خدا کی پناہ.... کتنی دور بیٹھی ہوں تم سے۔"

"میں بیگم تنویر سے شکایت کروں گا۔"

"اوں.... ہوں....!" وہ سر ہلا کر سنجیدگی سے بولی۔ "ان کے قریب بھی مت جانا ورنہ وہ چیخ مار کر بھاگیں گی۔"

"کیوں....؟"

"ان کا خیال ہے کہ تمہارا دماغ الٹ گیا ہے۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"میں کیا جانوں.... وہ خود ہی کہہ رہی تھیں۔"

"کیا کہہ رہی تھیں۔"

"ارے بھئی انہوں نے کئی بار تمہیں تصویروں سے گفتگو کرتے اپنے بال نوچتے اور سر پر گھونسے مارتے دیکھا ہے۔"

"سب تمہاری شرارت ہے صوفیہ.... آخر تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔"

"میں کب کہتی ہوں کہ تم نے بگاڑا ہے۔ مگر میں کیوں تمہارے پیچھے پڑنے لگی۔"

"پتہ نہیں یہ تم ہی جانتی ہو گی....!" جیلانی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر تھوڑی دیر بعد وہ بولی۔ "میں کچھ پوچھ سکتی ہوں۔"

"اس چہرے کے علاوہ.... میں کتنی بار کہوں کہ میں نے آج تک ایسی کوئی عورت نہیں دیکھی۔"

"یہ ناممکن ہے۔ میں اسے بھی تسلیم نہ کروں گی! یہ اس بُری طرح تمہارے ذہن پر چھا گئی ہے کہ اب تمہارے ہاتھوں سے کوئی دوسرا چہرہ بن ہی نہیں سکتا۔"

"کچھ بھی ہو! میری یاد داشت میں ایسی کوئی عورت نہیں ہے! کبھی نہیں تھی۔ یہ ایک

آسیب ہے جس نے میری زندگی برباد کر دی۔ مجھے تباہ کر دیا۔ اسی کی بدولت جیلانی اس حال کو پہنچا ہے اب اُسے ڈر ہے کہ کہیں وہ اس چھت کے سائے سے بھی محروم نہ ہو جائے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"میں بھی نہیں سمجھا۔ اتنا نہیں سمجھا کہ تمہیں بھی سمجھا سکوں۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو! صوفیہ مجھ پر رحم کرو۔"

"یہ اکثر تمہیں خواب میں بھی نظر آتی ہو گی۔ اگر آسیب ہے۔"

"اکثر....! وہ.... میں کیا کروں۔" جیلانی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

"یوسف زلیخا.... میں نے بھی پڑھی ہے۔" وہ ہنس پڑی۔

"جاؤ....!" وہ گھونسہ اٹھا کر اس کی طرف دوڑا اور وہ آرام کرسی سے اٹھ کر دروازے کی جانب بھاگی۔

پھر دروازہ بند ہونے کی تیز آواز کمرے میں گونج کر رہ گئی۔

جیلانی دیوار سے لگا کھڑا ہانپ رہا تھا اور اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

انوکھی ٹیم

محکمہ سراغ رسانی کے کمرہ مشاورت میں وادیٔ کاجیک کا مسئلہ زیر بحث تھا۔ وادیٔ کاجیک کے اوپر والے سرحدی علاقے میں ایک حیرت انگیز اطلاع ملی تھی! چونکہ یہ اطلاع ایک سرحدی حفاظتی چوکی سے آئی تھی اس لئے اس پر سنجیدگی سے غور کیا جا رہا تھا۔

"وادیٔ کاجیک کا محل وقوع....!" سپرنٹنڈنٹ دوسرے آفیسروں سے کہہ رہا تھا۔ "ایسا ہے کہ وادی دشوار گذار بن کر رہ گئی ہے۔ کیا آپ لوگوں میں سے کسی صاحب کو اُدھر جانے کا اتفاق ہوا ہے۔"

کسی نے بھی اس سوال کا جواب نہ دیا۔

"بہر حال....!" سپرنٹنڈنٹ کچھ سوچتا ہوا اپنا بایاں گال کھجا کر بولا۔

"ہیلی کوپٹر کے علاوہ اور کوئی چیز نیچے نہیں لے جا سکتی۔ ہزاروں فٹ کی گہرائی میں یہ وادی

واقع ہے۔ اور نیچے بڑے گھنے جنگل پھیلے ہوئے ہیں۔"

وہ پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"تو یہ دھوئیں کا مینار.....!" اُس کے ایک نائب نے ٹوکا۔

"میری دانست میں یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے۔ دیکھنے والا اُس وقت تنہا تھا۔ چاندنی رات تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ نشے میں رہا ہو۔"

کئی لوگوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آئی.... حمید بھی مسکرایا تھا۔ مگر کرنل فریدی کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔

"کچھ بھی ہو۔" سپرنٹنڈنٹ پھر بولا۔ "ہمیں بہر حال دیکھنا ہی پڑے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی مناسب آدمی یا ٹیم اس سلسلے میں چھان بین کرے۔"

"لال بجھکڑ آصف کے علاوہ اور کون مناسب ہوگا۔" انسپکٹر صاحب نے آہستہ سے کہا۔ مخاطب کوئی بھی نہیں تھا۔

وہ سبھی جانتے تھے کہ کرنل فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں بھیجا جائے گا۔

دفعتاً سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔ "ہاں کرنل فریدی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو ٹیم میں منتخب کر دوں۔" فریدی نے اٹھ کر کہا۔

"آپ مجھے ایک الجھن سے بچالیں گے۔" سوپر مسکرایا۔

"انسپکٹر آصف اور کیپٹن حمید۔" کرنل فریدی نے کہا اور حاضرین کے چہروں پر حیرت کے آثار صاف نظر آنے لگے۔ آصف تو خصوصیت سے کچھ اس انداز میں فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے کسی نے اچانک فریدی کے پاگل ہو جانے کی اطلاع دی ہو۔ حمید نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے تھے، اس کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک لہرا رہی تھی۔

"اس انتخاب کی وجہ.....!" سوپر بھی مسکرایا۔

"آصف صاحب تجربہ کار ہیں اور حمید کسی چیتے کی طرح پھرتیلا ہے۔"

آصف کی ٹھوڑی کے نیچے کا گوشت لٹک آیا۔ کیونکہ اُس نے بڑی سختی سے گردن اکڑائی تھی۔ سوپر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد سر ہلا کر بولا۔ "ٹھیک ہے کیپٹن حمید مسٹر آصف کو اسسٹ کریں گے۔"

"بہت مناسب ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور حمید کی کھوپڑی بھک سے اڑ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی اُسے گدھوں کا اسسٹنٹ بننے پر بھی مجبور کرے گا۔ دوسری طرف آصف اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو دیکھ رہا تھا جیسے اُسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا ہو۔ یہ مسئلہ اس طرح طے ہو گیا۔"

میٹنگ برخواست ہونے پر وہ سب کامن روم میں اکٹھا ہوئے اور یہ انتخاب موضوع بحث بن گیا۔ آصف بہت خوش نظر آرہا تھا اس نے کرنل سے کہا۔

"یار تم نے خواہ مخواہ مجھے پھنسا دیا۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ ہم سب سے سینئر ہیں۔" فریدی نے جواب دیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر اب مجھ سے دوڑ دھوپ نہیں ہوتی۔"

"حمید آپ کو غیر ضروری دوڑ دھوپ سے بچائے گا۔"

"مگر میں بیہودگیاں نہیں پسند کرتا۔"

"اس میں ہمت نہیں ہے کہ اپنے آفیسروں کے سامنے بیہودگیاں پھیلا سکے۔"

"وہ مجھے آفیسر کب سمجھتا ہے.....!"

"لیکن اس مخصوص موقعہ پر وہ آپ کو اسسٹ کرے گا وہ سوپر کی طرف سے آپ کی ماتحتی میں دیا گیا ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے اس افواہ کے متعلق۔"

"ہو سکتا ہے کہ افواہ حقیقت ہی ثابت ہو۔"

"بات کیا بنے گی۔" آصف نے سوچتے ہوئے کہا۔ "دھوئیں کا مینار میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔"

"کیا کبھی کسی فلم میں بھی راکٹ کی اڑان دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"ارے راکٹ تو ترچھے اڑتے ہیں۔"

"ضروری نہیں ہے کسی خاص نشانے پر پھینکے جانے والے راکٹ ترچھے اڑتے ہیں۔ لیکن اُن راکٹوں کی اڑان سیدھی ہی تھی جو مصنوعی سیارے لے کر فضائے بسیط میں گئے تھے۔"

"تو تمہارا خیال ہے کہ وہ چمکدار منارہ کسی راکٹ سے خارج ہونے والی گیس ہو گی۔"

"اس کا امکان ہے۔ فی الحال اس سلسلے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔"

حمید ایک گوشے میں خاموش بیٹھا پائپ پی رہا تھا۔ ان دونوں کو یکجا دیکھ کر وہ سانپ کی طرح پھنکارتا ہوا اٹھا۔ نہ جانے کیوں آصف نے اسے آتا دیکھ کر کھسک جانا ہی مناسب سمجھا تھا۔

"ہاں تو میں کسی چیتے کی طرح پھرتیلا ہوں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر دردناک لہجے میں کہا۔ "اور وہ کسی سالخوردہ گدھے کی طرح اداس.... ار.... مطلب یہ کہ تجربہ کار ہے۔"

"پھر تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" فریدی نے خشک لہجہ میں پوچھا۔

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ کہیں آصف کے کفن دفن کا بار آپ ہی پر نہ آپڑے۔"

"میں کہتا ہوں تمہیں اُسے اسسٹ کرنا ہی پڑے گا۔"

"میں نے انکار تو نہیں کیا۔ البتہ آپ کو ایک خطرے سے ضرور آگاہ کیا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ تمہیں کل صبح ٹرین سے روانہ ہونا ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں آخر اس جدت کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"وقتی ضرورت.... اگر میں یہ تجویز پیش نہ کرتا تو تان مجھ پر ہی ٹوٹتی، لیکن میں آج کل شہر نہیں چھوڑ سکتا۔"

"کیوں....؟"

"کچھ لوگوں کی خواہش ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔"

"آپ ہمیشہ سنسنی خیز خبریں سناتے ہیں۔ خیر میں تفصیل نہیں پوچھوں گا۔ فی الحال تو آپ اس معاملے کی گفتگو کیجئے۔"

"سنو! ہو سکتا ہے کہ یہ محض افواہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ صداقت پر مبنی ہو۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم آصف کو اسسٹ کرو۔ بات بھی بن جائے گی اور میں شہر ہی میں رہوں گا۔"

"آخر کون آپ کو یہاں سے ہٹانا چاہتا ہے۔"

"ہے ایک آدمی۔ وہ مجھے اپنے ایک نجی کام سے جنوبی امریکہ بھیجنا چاہتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ مجھے چھ ماہ کی چھٹی بھی دلوادے گا۔"

"اوہ....!" حمید کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "کیا آپ نے انکار کر دیا ہے۔"

"قطعی طور پر....!"

"تب تو یہ افواہ بھی ہو سکتی ہے.... مگر مجھے تو پوری بات بھی نہیں معلوم.... کیا قصہ تھا۔

میں ذرا دیر سے پہنچا تھا۔"

"وادی کاجیک میں اِدھر کئی دنوں سے چمکدار دھوئیں کا منارہ سا دیکھا جا رہا ہے جو زمین کی سطح سے نامعلوم بلندیوں تک اٹھتا چلا جاتا ہے۔ کچھ دیر تک دھوئیں کا حجم جامد سا رہتا ہے پھر بڑھنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کا پھیلاؤ تاریکی میں مدغم ہو جاتا ہے۔"

"راکٹ....!"

"ہو سکتا ہے۔"

"چاندنی وغیرہ کی بات تھی۔"

"بتانے والے نے تھوڑی سی شاعری کر ڈالی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے چاندنی سمٹ کر دھوئیں کی شکل میں تبدیل ہو گئی ہو۔"

"چاندنی کا دھواں.... واقعی بڑا شاعرانہ خیال ہے۔ کسی حیرت انگیز کہانی کا عنوان بھی بن سکتا ہے۔"

"بس تو تم آصف کے ساتھ جاؤ گے۔"

"لیکن یا وہ مجھے واپس لائے گا یا میں اُسے واپس لاؤں گا۔"

"بے تکی باتیں نہ کرو۔"

"وہ ویسے ہی مجھ پر اپنی سنیارٹی جتانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔"

"میں تمہیں خالص گدھا سمجھوں گا اگر تم اُسے ہینڈل نہ کر سکو۔"

"یہ بات ہے۔" حمید آستین چڑھاتا ہوا بولا۔

"قطعی! تمہاری صلاحیتوں کا امتحان بھی مقصود ہے۔ میں دیکھوں گا کہ میری محنت کس حد تک بار آور ہوتی ہے۔"

"بار ہی بار.... آور ہی آور.... دیکھ لیجئے گا۔"

اس غیر متوقع ٹیم پر دن بھر چہ میگوئیاں ہوتی رہیں۔

انسپکٹر مزومدار نے آصف کو کینٹین میں جا پکڑا.... آصف دوسرے چند انسپکٹروں کو انٹرٹین کر رہا تھا۔ اور لیفٹیننٹ سعید کا خیال تھا کہ آج وہ لوگ پتھر میں جونک لگانے میں کامیاب ہو گئے ہیں! ورنہ آصف اور کینٹین! اس کی کنجوسی دور دور تک مشہور تھی۔

"یار یہ کیسے ہوگیا۔" مزومدار نے آصف سے پوچھا۔

"ارے.... واہ آؤ آؤ.... تم کہاں رہ گئے تھے۔" آصف نے ہنس کر کہا۔ "آج یہ صاحبزادے سعید صاحب چائے پلا رہے ہیں۔"

"چچاؤں کی موجودگی میں بھتیجے ایسی جسارت نہیں کر سکتے۔" سعید بولا۔

"خیر.... خیر.... دیکھا جائے گا۔" آصف بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا۔

"مگر سنو تو سہی۔" مزومدار بولا۔ "کیا یہ حمید تمہاری سنے گا۔"

"اُس کے فرشتے بھی سنیں گے۔" آصف کی آنکھیں نکل پڑیں۔

"مجھے تو کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔" مزومدار نے معنی خیز انداز میں اپنی آنکھوں کو گردش دی۔ "آخر فریدی ہی نے یہ تجویز کیوں پیش کی تھی۔ تم اکثر اسے جلی کٹی سناتے رہتے ہو۔ کہیں وہ تمہیں سبق نہ دینا چاہتا ہو۔"

"مر گئے سبق دینے والے۔" آصف ہاتھ ہلا کر بولا۔ "کل کے لونڈے مجھے سبق دیں گے۔"

"سبق تو وہ پورے محکمے کو دیتا رہتا ہے۔" مزومدار نے کہا۔

"چھوڑو یار! خواہ مخواہ موڈ نہ خراب کرو۔ میں بھی اتنا سمجھتا ہوں۔" آصف نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں صرف اتنا ہی چاہتا ہوں کہ ہوشیار رہنا۔ کہیں سارے ہی سینئر آفیسروں کی بے عزتی نہ کرا بیٹھو۔"

"یار بس ختم۔" آصف جھلا گیا۔ "ویسے اگر میرا یہاں بیٹھنا گراں گزر رہا ہو تو اٹھ جاؤں۔"

"ارے نہیں.... ارے نہیں....!" سبھوں نے بیک وقت کہا۔ مگر آصف کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

وہ لوگ چائے پیتے رہے۔ لیکن پھر کسی نے اس مسئلے کو نہیں چھیڑا! دوسری صبح کیپٹن حمید ریلوے اسٹیشن پر آصف کا منتظر تھا۔ آصف آیا اور حمید سے معمولی اور رسمی گفتگو کے بعد ٹرین کا انتظار کرنے لگا۔

حمید اس کی حماقت آمیز سنجیدگی پر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ آصف خواہ مخواہ بن رہا ہے۔ زبردستی خود پر آفیسرانہ رعب دلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کی شکل اس وقت

حمید کو بڑی مضحکہ خیز لگ رہی تھی۔ مگر وہ خاموش ہی رہا۔ اس طرح دم دبائے اُس کے پیچھے پھرتا رہا جیسے یہ وقتی ماتحتی کی بجائے پشتینی غلامی ہو۔

اچانک اُسے قاسم دکھائی دیا جس کے ساتھ سامان بھی تھا اور اب حمید کو اپنی غلطی کا احساس ہوا.... بات یہ تھی کہ ٹیکم گڈھ جانے کا یہ سرکاری پروگرام اچانک بنا تھا اور اُس نے حمید کے نجی پروگراموں پر خاک ڈال دی تھی۔ آج کے لئے قاسم سے وعدہ تھا کہ دونوں ایگل بیچ جائیں گے اور دو دن وہاں گرین ہٹ میں گزاریں گے۔ لیکن پچھلی ہی شام اُسے قاسم کو فون پر اطلاع دینی پڑی کہ وہ ایگل بیچ نہ جا سکے گا۔ قاسم نے وجہ پوچھی تو غیر ارادی طور پر زبان سے نکل گیا کہ ایک سرکاری کام سے ٹیکم گڈھ جانا ہے۔ اُدھر قاسم کا ایمان تھا کہ اگر دنیا ہی میں جنت کے "مجے" لوٹنے ہوں تو "حمید بھائی" کے ساتھ سفر کرو۔ لہٰذا یہ معلوم کر کے کہ حمید ٹیکم گڈھ جانے والا ہے اس کی کھوپڑی کی برف کا پگھلنا ضروری تھا۔

حمید نے اُسے دیکھا اور ٹھٹک گیا۔ آصف تو ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ اس کی شان کے خلاف تھا کہ حمید کو رکتے دیکھ کر وہ بھی رک جاتا۔ وہ پلیٹ فارم کے دوسرے سرے کی طرف جا رہا تھا۔

"پیچھا نہیں چھوڑوں گا پیارے۔" قاسم انگلی اٹھا کر ہنسا۔ "یا ایگل بیچ یا ٹیکم گڈھ۔"

"میں سرکاری کام سے جا رہا ہوں...." حمید کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"میں غیر سرکاری کام سے جا رہا ہوں.... ہی ہی ہی۔"

"تم میرے ساتھ نہیں رہ سکو گے۔"

"اماں.... کیا میں تمہاری گود میں بیٹھا جا رہا ہوں۔" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

"کچھ بھی ہو! تم مجھ سے دور ہی رہو گے۔"

"کتنے میل کے فاصلے پر....!" قاسم نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

"بیکار باتیں نہ کرو۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کے خلاف نہ کرنا۔"

"اماں کہو جلدی سے۔"

"کسی دوسرے کمپارٹمنٹ میں بیٹھنا ورنہ میرے ساتھی کو اعتراض ہوگا۔"

"اے جاؤ کرنل صاحب تم سے زیادہ خیال کرتے ہیں میرا۔"

"ساتھی سے مراد کرنل نہیں ہیں۔"

"پھر قون سالا ہے۔"

"ایک دوسرا آفیسر....!"

"مجھے اُلّو نہ بناؤ.... پیارے.... میں سب سمجھتا ہوں۔" قاسم آنکھ مارنے کی کوشش کرتا ہوا مسکرایا اور اس کی شکل بے حد مضحکہ خیز ہوگئی۔

"میری بات سنو۔"

"سناؤ نا۔"

"ہمارا سفر ایک ہی کمپارٹمنٹ میں نہیں ہوگا۔ ٹیکم گڈھ کی بات وہیں چل کر طے ہوگی۔"

"اسے کوئی مجھے لڑکی کی شادی کرنا ہے کہ نواب صاحب بات طے کرنے بیٹھیں گے۔" قاسم جل کر بولا۔

"میرے پاس وقت نہیں ہے۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

قاسم وہیں کھڑا طرح طرح کے منہ بناتا رہا.... حمید اسی سمت جارہا تھا جدھر آصف گیا تھا۔ تھوڑی دیر چل کر ہی اس نے جالیا۔

"یہ کون تھا جس سے تم گفتگو کر رہے تھے۔" آصف نے پوچھا۔

"میرا ایک دوست! کیوں کیا اس میں بھی کوئی حرج....!"

"کیپٹن حمید تم سے جو کچھ پوچھا جائے صرف اسی کا جواب دیا کرو۔"

"بہت بہتر....!" حمید نے اظہار سعادت مندی کے سابقہ ریکارڈ توڑ دیئے۔

اس کے رویہ پر کبھی کبھی آصف متحیر بھی رہ جاتا۔

ٹرین آئی اور وہ ایک کمپارٹمنٹ میں جم گئے۔ قاسم نے بھی حمید کے مشورے سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ کسی دوسرے ہی کمپارٹمنٹ کو ترجیح دی تھی۔

ٹرین روانہ ہوگئی.... حمید کا رویہ سعادتمندانہ ہی رہا۔ آصف بار بار اُسے گھورنے لگتا تھا۔ یہ آصف بھی عجیب ہی آدمی تھا۔ اب حمید کی سنجیدگی اُسے کھلنے لگی تھی۔ دراصل وہ فطرتاً "تم تو مجھے چھیڑو گے!" قسم کا آدمی سمجھا جاسکتا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ کوئی اُسے چھیڑے اور وہ ہاتھوں میں پتھر لئے اُسے دوڑاتا پھرے۔

آخر کچھ دیر بعد جب اُسے چین نہ پڑا تو اس نے حمید کو مخاطب کیا۔

"کیوں.... تمہارا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے۔"

"بہت دیر سے پائپ نہیں پیا۔" حمید نے مضمحل آواز میں جواب دیا۔

"کیوں.... کیا تمباکو ختم ہوگیا۔"

"تمباکو ہے۔"

"پھر پیتے کیوں نہیں۔"

"میں نے سوچا ممکن ہے آپ کو ناگوار گزرے.... بہتیرے آفیسر اپنے ماتحتوں کی تمباکو نوشی پسند نہیں کرتے۔"

"ارے کیا چرخہ نکال بیٹھے ہو آفیسری ماتحتی کا...." آصف ہاتھ ہلا کر بولا۔ "پیئو....!"

"شکریہ....!" حمید نے سعادتمندانہ انداز میں کہہ کر پائپ نکالا اور اس میں تمباکو بھرنے لگا۔

"تم کئی بار پہلے بھی ٹیکم گڈھ جاچکے ہو۔" آصف نے کہا۔

"کئی بار۔ بڑی پُر فضا جگہ ہے۔ آج کل تو جنت کا نمونہ بنا ہوا ہوگا۔"

"وہاں سے وادیٔ کاغان کا جیک والی سرحدی چوکی کتنی دور ہوگی۔"

"زیادہ سے زیادہ دس میل۔ لیکن پہاڑی علاقوں کے دس میل ہزار میل معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ہم قیام کہاں کریں گے۔"

"بھئی! میں کیا جانوں۔ میں تو پہلی بار اُس علاقے کی طرف جارہا ہوں۔"

"مناسب یہی ہوگا کہ ہم ٹیکم گڈھ میں قیام کریں.... فزارو وہاں کا سب سے زیادہ شاندار ہوٹل ہے۔ وہیں قیام کریں گے.... آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ منیجر تو مرد ملے گا ورنہ سارے کام عورتیں انجام دیتی ہیں۔ پکانے والی عورتیں.... سرو کرنے والی عورتیں۔"

"عورتیں یا لڑکیاں....!" آصف نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

"آپ نے تو مجھے پریشانی میں مبتلا کر دیا۔"

"کیوں....؟"

"قسم لے لیجئے جو آج تک عورت اور لڑکی کا فرق میری سمجھ میں آیا ہو۔"

"بس انہیں ساری شیطنتوں کی وجہ سے تم سے دور ہی دور رہنے کو دل چاہتا ہے۔"

"اگر یہ فرق سمجھ میں نہ آئے تو اسے شیطنت کہیں گے۔" حمید نے بھولے پن سے پوچھا۔

"چلو ختم کرو.....!" آصف نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

شاہکار

"چھن.... چھن.... چھن.....!"

برابر والے کمرے میں گھنگھروؤں کی جھنکار گونج رہی تھی۔ جیلانی نے بہت بُرا سا منہ بنا کر دروازے کی طرف دیکھا لیکن چپ چاپ بیٹھا ہی رہا۔

"ایک دو.... تین چار.... پانچ.... چھن چھن.... چھن چھن.... چھن.....!"

دوسرے کمرے میں صوفیہ ناچ رہی تھی۔ ناچ کیا رہی تھی اُسے تاؤ دلا رہی تھی۔ جیلانی نے کہا تھا کہ وہ آج کل سکون چاہتا ہے۔ اس کی ذہنی حالت اس قابل نہیں ہے کہ وہ کسی قسم کا ہیجان برداشت کر سکے۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ اسے چھیڑتی ہی رہتی تھی۔

اس وقت بھی صرف اُسے تاؤ لانے کے لئے گھونگرو باندھ کر برابر والے کمرے میں اچھلنا کودنا شروع کر دیا تھا جیلانی تھوڑی دیر تک دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا رہا۔ پھر اٹھا اور دیوانوں کی طرح دروازہ پیٹنے لگا۔

گھونگھروؤں کی جھنکار تھم گئی۔ دروازہ جھٹکے کے ساتھ کھلا اور صوفیہ صرف ہونٹ کھول کر رہ گئی۔ اُسے جیلانی کی آنکھوں سے خوف معلوم ہو رہا تھا۔

"تم نہیں مانو گی.....!" جیلانی غرایا۔

"بڑی مصیبت ہے۔" اس نے خود پر قابو پا کر کہا۔ "نیچے آنٹی جان کو آ جاتی ہیں اور اوپر تم موجود ہو۔ پھر میں کہاں مشق کروں۔"

"تم مجھے پریشان کرنا چاہتی ہو۔" جیلانی آنکھیں نکال کر بولا۔

"نہیں قسم لے لو.... میں کیا جانتی تھی کہ تمہیں میرا ناچنا اتنا گراں گزرے گا۔ ورنہ میں کبھی ادھر نہ آتی۔"

"ہوں.....!" جیلانی چند لمحے.... کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "آؤ.... یہاں آؤ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں.... میرا دماغ پک رہا ہے۔"

وہ چھن چھن کرتی ہوئی اس کے کمرے میں چلی آئی۔

"بیٹھ جاؤ.....!" جیلانی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"لو بیٹھ گئی۔" صوفیہ بیٹھتی ہوئی مسکرائی۔

"تم مجھے کیا سمجھتی ہو۔"

"ایک مغرور مگر اناڑی مصور.....!"

"تمہارے دونوں ہی خیال لغو ہیں۔"

"یہ بھی محض خیال ہے.....!"

"میں مغرور نہیں ہوں.... میں اناڑی نہیں ہوں۔"

"اگر آدمی کو خود ہی اپنی خامیوں کا احساس ہو جائے تو وہ اُن خامیوں کو باقی ہی کیوں رہنے دے۔"

"تم نہیں سمجھ سکتیں۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔" جیلانی نے بے بسی سے کہا۔

"کیا سمجھانا چاہتے ہو۔" دفعتاً صوفیہ کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی۔ جیلانی کچھ سوچنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

"کیا تمہارے ذہن میں کبھی دھماکے ہوتے ہیں۔"

"ذہن میں دھماکے.... میں نہیں سمجھی۔"

"تم دھماکے بھی نہیں سمجھتیں.....!" جیلانی جھنجھلا گیا۔

"دھماکے تو سمجھتی ہوں لیکن ذہنی دھماکہ میرے لئے ایک بالکل نئی چیز ہے۔"

"اچھا کبھی تمہارے ذہن میں بجلی سی کوندتی ہے۔"

"جب میں حلق تک کھانا ٹھونس لیتی ہوں تو آنکھیں بند ہونے لگتی ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ذہن میں بجلیاں سی کوندتی پھر رہی ہوں۔"

"میرا مذاق نہ اڑاؤ۔" جیلانی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"خدایا میں بیچارے آرٹسٹ کو کیسے سمجھاؤں.....!"

"بس اب جاؤ۔ میں جانتا ہوں کہ تم لوگ مجھے مکان سے نکالنا چاہتے ہو۔"

"بے تکی باتیں نہ کرو۔"

"میری وجہ سے سب کو تکلیف ہوتی ہے۔"

"خیر یہ مسئلہ تو آنٹی کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔"

"ان سے کہو کہ میرا سامان سڑک پر پھینکوا دیں۔"

"آخر کیوں۔"

"میں شاید کچھ دنوں بعد اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھوں! پھر تکلیف دہ ہو جاؤں گا تم لوگوں کیلئے۔"

"لیکن ذہنی توازن کیوں کھو بیٹھو گے۔ آخر کسی ڈاکٹر سے مشورہ کیوں نہیں لیتے۔"

"وہ بھی میرا مضحکہ اڑائے گا۔ جب میں اُسے بتاؤں گا کہ میرے ذہن میں دھماکے سے ہوتے ہیں اور بجلیاں سی کوندتی ہیں۔"

"آنٹی کہہ رہی تھیں کہ تمہیں کچھ دنوں تک مکمل آرام کرنا چاہئے....!"

"آرام.... نہیں مجھے صرف ذہنی سکون چاہئے۔ کوئی ایسی جگہ چاہئے جہاں ہوا کی سرسراہٹ بھی میرے کانوں سے نہ ٹکرا سکے۔ مگر تمہیں مشق کرنی ہے تمہیں حلق پھاڑنا ہے.... خیر صبح تم مجھے یہاں نہیں دیکھو گی۔ شام تک اپنا سامان لے جاؤں گا۔"

"یعنی صرف اس لئے جاؤ گے کہ میں....!"

"اوہ....!" صوفیہ کے چہرے سے اضمحلال ظاہر ہونے لگا۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو اب میں تمہیں پریشان نہیں کروں گی.... مجھے افسوس ہے۔ مجھے افسوس ہے۔"

وہ تھوڑی دیر تک خاموش کھڑی رہی پھر جانے کے لئے مڑی ہی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی.... یہ بیگم تنویر کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔

"آ جائیے....!" جیلانی نے کہا۔

دروازہ کھول کر مسز تنویر اندر آئیں.... اُن کے ہاتھ میں کوئی اخبار تھا اور وہ بے حد خوش نظر آ رہی تھیں۔

"ارے.... جیلانی تم کیسے آدمی ہو۔ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو۔ کچھ باہر کی بھی خبر ہے....!" انہوں نے صوفیہ کی طرف دھیان دیئے بغیر کہا۔

"باہر کیا ہو رہا ہے....!" جیلانی نے حیرت سے کہا۔

"ذرا بالکنی پر جا کر دیکھو۔" ان کے لہجے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"کیا دیکھوں....!" بیگم تنویر نے اخبار اس کے سامنے پھیلا دیا۔ ایک مقامی اخبار کا ضمیمہ

تھا۔ پہلے ہی صفحے پر جلی حرفوں میں تحریر تھا۔

"عظیم فنکار جیلانی کو سلام"

صوفیہ بھی اخبار پر جھک پڑی تھی وہ بلند آواز میں آگے کی تحریر پڑھنے لگی۔

"بین الاقوامی مصوری کی نمائش کی شاہکار تصویر "چرواہی" ججوں کی مجلس کا متفقہ فیصلہ.... چرواہی اس سال کی بہترین تصویر ہے۔ یہ فیصلہ مسٹر جیلانی کی عدم موجودگی میں سنایا گیا.... ہمیں اطلاع ملی ہے کہ مسٹر جیلانی اس دوران میں ایک بار بھی نیشنل آرٹ گیلری میں نہیں دیکھے گئے۔ پچھلی رات جب مختلف اقوام کے بڑے مصور گیلری میں تصاویر کا انتخاب کر رہے تھے اُس وقت بھی جیلانی صاحب اپنی تصویر کے قریب موجود نہیں تھے۔ نمائش کے پہلے ہی دن ہمارے نمائندے کو اُن سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا تھا.... انہوں نے اُسے بتایا تھا کہ وہ اُس مقابلے میں بہت بے دلی سے شریک ہوئے تھے۔ بس انہیں زبردستی گھسیٹا گیا تھا۔ اپنی تصویر کے بارے میں انہوں نے خیال ظاہر کیا تھا وہ بھی یوں ہی سی ہے۔ انہوں نے اس پر خاص توجہ نہیں دی.... یہ جیلانی صاحب کی کسر نفسی تھی.... ورنہ پہلے ہی دن سے ان کی تصویر کے قریب اژدھام نظر آتا رہا ہے.... واضح رہے کہ جیلانی صاحب نے تین سال میں صرف یہی ایک انسانی تصویر بنائی ہے۔" صوفیہ خاموش ہو کر سیدھی کھڑی ہو گئی۔ وہ متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہی تھی۔

"اب تم مجھے بتاؤ کہ میں لوگوں کو کہاں بٹھاؤں....!" بیگم تنویر نے پوچھا۔

"کن لوگوں کو....!"

"پریس رپورٹروں اور آٹوگراف لینے والوں کا ایک جم غفیر باہر موجود ہے۔"

"میرے خدا....!" جیلانی نے خوفزدہ آواز میں کہا۔ "مگر میں تو بیمار ہوں۔ مجھے بھیڑ بھاڑ سے وحشت ہوتی ہے۔ خدا کے لئے انہیں کسی طرح ٹال دیجئے۔"

"میرے بس سے باہر ہے۔" بیگم تنویر اُسے متحیرانہ نظروں سے گھورتی ہوئی بولیں۔ "میں دیکھتی ہوں کہ تم پر اس خبر کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوا.... کیا تمہیں پہلے ہی سے معلوم تھا۔"

"نہیں....!" جیلانی کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ نظر آئی۔ "یہ فیصلہ کسی قسم کی جانبداری کا نتیجہ نہیں ہے۔"

"ارے.... یہ مطلب نہیں تھا.... میرا۔"

"بس انہیں کسی طرح ٹال دیجئے۔ میرا سر چکرا رہا ہے.....!"

بیگم تنویر کی آنکھوں میں تشویش صاف پڑھی جاسکتی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہیں پھر واپس چلی گئیں۔ صوفیہ اب بھی وہیں کھڑی تھی۔

"جاؤ..... تم بھی بیگم صاحبہ کی مدد کرو۔" جیلانی نے اس سے کہا۔

"تم ساری دنیا کو بیوقوف بنا رہے ہو۔" صوفیہ کا لہجہ زہریلا تھا۔

"میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتی ہو۔" جیلانی نے حیرت سے کہا۔

"تم اب تک ہزاروں آدمیوں سے یہی کہہ چکے ہو کہ وہ تصویر تخیلی ہے۔"

"میں جانتی ہوں کہ تمہارے سامنے کوئی ماڈل موجود نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی میں اُسے تخیلی نہیں تصور کرسکتی۔"

"مت کرو! جاؤ میرے کان نہ کھاؤ۔ ہاں میں دنیا کو دھوکا دے رہا ہوں۔ پھر..... میرا کیا بگڑے گا.... اگر وہ اس سال کی شاہکار تصویر نہ قرار پاتی تو کیا ہوتا۔ کیا میں جیلانی کی بجائے گیلانی ہوجاتا۔"

"تم مغرور اور چڑچڑے ہو۔ تم میں آرٹسٹوں کی سی کوئی بات نہیں ملتی۔"

"میں لکڑہارا ہوں۔ جاؤ بور نہ کرو۔"

"میں تمہیں اتنا بور کروں گی کہ تم دیوار سے سر ٹکراتے پھرو گے۔"

"سچ کہتا ہوں۔ تمہیں مایوسی ہوگی۔" جیلانی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"میں تمہاری عدم موجودگی میں اپنے ہی ہاتھوں اپنا گلا گھونٹ سکتا ہوں۔ لیکن تمہیں اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہیں دے سکتا۔"

"میری ضد میں.... کیوں؟"

"ہاں تمہاری ضد میں۔" جیلانی کی مسکراہٹ برقرار رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس مسکراہٹ کے لئے اپنے ذہن سے جنگ کرنی پڑ رہی ہو۔

"آخر تمہیں مجھ سے کیوں ضد ہے؟" صوفیہ نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"پتہ نہیں کیوں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم نے پچھلے جنم میں میری مرغیاں چرائی ہوں....!" صوفیہ کو جیلانی کی سنجیدگی پر ہنسی آگئی۔

"تم تو آواگون کے بھی قائل معلوم ہوتے ہو۔" اس نے کچھ دیر بعد ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"کیوں نہ قائل ہوں۔ مجھے اس سے کون روک سکتا ہے۔"

"اگر لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ تم ایسے اعتقادات رکھتے ہو تو.....!"

"آج ہی سے اس کی پبلسٹی بھی شروع کردو۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح میں جیلانی سے گیلانی بن جاؤں۔ لیکن نہ تو میری شکل تبدیل ہوگی اور نہ میں چھوٹا آرٹسٹ کہلاؤں گا۔"

"اور یہ سب کچھ میری ضد میں ہوگا.... کیوں؟" صوفیہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"بالکل....!"

"تو تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارے سامنے نہ آیا کروں۔"

"ہاں میں یہی چاہتا ہوں۔ حتیٰ کہ میری خواہش تو یہ ہے کہ تمہاری آواز بھی میرے کانوں میں نہ پڑنے پائے....!"

"تم میری توہین کررہے ہو۔" صوفیہ نے جھینپے ہوئے لہجے میں کہا۔

ٹھیک اسی وقت بیگم تنویر.... دوبارہ کمرے میں داخل ہوئیں۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس بار کوئی بہت بُری خبر لائی ہو۔

ان دونوں نے استفہامیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ ادھر بیگم تنویر جیلانی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھیں جیسے وہ ان کے لئے کوئی اجنبی ہو!

"کیا بات ہے آنٹی؟" صوفیہ نے سکوت توڑا۔

"اوں....!" بیگم تنویر اس طرح چونک پڑیں جیسے اونگھتی رہی ہوں۔ پھر انہوں نے جیلانی سے کہا۔ "سب لوگ جاچکے ہیں لیکن ایک آدمی اب بھی نشست کے کمرے میں موجود ہے۔"

"کون ہے؟"

"محکمہ سراغرسانی کا ایک آفیسر کرنل فریدی۔"

"کرنل فریدی۔" صوفیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر وہ مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتی ہوئی بولی۔ "اوہ آنٹی یقین نہیں آتا کہ کرنل فریدی ہمارے مکان میں.... میں انہیں دیکھنا چاہتی ہوں.... مگر آنٹی اُن کا یہاں کیا کام....!"

"یہی میں جیلانی سے پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"میں کیا جانوں۔" جیلانی نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"میں نے اس سے بھی یہی کہا تھا کہ تم بیمار ہو۔ نیچے نہیں آسکتے۔ اس پر اس نے کہا کہ میں اُن سے بستر مرگ پر بھی چند سوالات کے جواب حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"وہ مجھ سے کیا پوچھے گا۔"

"یہ تو وہی بتا سکے گا۔ یا تم جانتے ہو گے۔" بیگم تنویر کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔

"میں... میں کیا جانوں کہ وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔ بھلا محکمہ سراغ رسانی کے کسی آفیسر کو مجھ سے کیا سروکار.... خیر چلئے میں دیکھتا ہوں۔"

"تم جاؤ گے....!" بیگم تنویر نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں! اب تو جانا ہی پڑے گا۔ پتہ نہیں وہ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتا ہے۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ جیلانی.... مجھے پریشان نہ کرو۔ ارے میں اُس سے کہہ چکی ہوں کہ آج کل تم پر ہارٹ اٹیک ہو رہے ہیں اور تم بستر سے نہیں اٹھ سکتے۔"

"اونہہ! میں کہہ دوں گا کہ میں نے پریس رپورٹروں سے جان چھڑانے کیلئے کہلوا دیا تھا۔"

"نہیں! تم ایسا نہیں کر سکتے۔ تمہیں بستر پر لیٹنا پڑے گا اور میں اُسے یہیں لاؤں گی۔"

"میں پولیس والوں کو دھوکے میں رکھنا اچھا نہیں سمجھتا۔"

"لیکن میں سرکاری ملازم ہوں....!" بیگم تنویر بولیں۔ "پولیس سے میری غلط بیانی میرے لئے مضر ثابت ہوگی۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں مردہ تک بن سکتا ہوں۔ جائیے اُسے یہیں لائیے۔"

"مگر جیلانی بیٹے۔ آخر وہ تم سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔"

"میں کیا بتا سکتا ہوں۔ مجھے خود ہی اس پر حیرت ہے۔"

"دیکھو! اگر تم نے کوئی غیر قانونی حرکت کی ہے تو اس کا اثر مجھ پر بھی پڑ سکتا ہے۔"

"اپنی دانست میں تو میں نے آج تک کوئی غیر قانونی حرکت نہیں کی۔"

"خیر میں اُسے لا رہی ہوں.... خدا میرے حال پر رحم کرے۔"

بیگم تنویر چلی گئیں اور جیلانی بستر پر آلیٹا۔ سینے تک چادر کھینچ لی۔

"مجھ سے بتا دو۔" صوفیہ نے آہستہ سے کہا اور جیلانی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں قاتل ہوں....!" اُس نے کہا۔

"نہیں....؟" صوفیہ دو چار قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"یقین کرو....!"

"تم جھوٹے ہو۔" اُس نے زبردستی ہنس کر کہا۔

"ابھی تم دیکھ ہی لو گی.... وہ ہتھکڑیاں لگا کر مجھے یہاں سے لے جائے گا۔"

"خدا کے لئے بے تکی باتیں نہ کرو....!" وہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

"کیوں تمہیں کیا۔"

"بحث نہ کرو.... تم جھوٹے ہو....!"

"اسی لئے میرے پیر مجھے پھانسی کے تختے کی طرف لے جائیں گے۔ اتنے دنوں میں بہت بچا رہا۔" جیلانی مسکرایا۔

"نہیں.... نہیں.... نہیں....!" وہ بے تحاشہ اس پر جھک پڑی اور اس کے شانے پکڑ کر جھنجھوڑتی ہوئی روہانسی آواز میں بولی۔ تم جھوٹے ہو.... تم جھوٹے ہو.... تم سب کچھ ہو سکتے ہو لیکن قاتل.... ہرگز نہیں۔"

"خاموش رہو۔ شاید وہ آ رہا ہے...." جیلانی نے کہا اور خاموش ہو کر آنکھیں بند کرلیں۔ صوفیہ میز پر جا ٹکی.... اُس کا دل دھڑک رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں خود اسی پر دل کے دورے نہ پڑنے لگیں۔

تھوڑی دیر بعد بیگم تنویر اور ایک ایسا آدمی کمرے میں داخل ہوئے جس کے چہرے پر کم از کم صوفیہ کی نظریں تو نہیں ٹھہر سکتیں تھیں۔ صرف ایک ہی بار دونوں کی نظریں غیر ارادی طور پر ملی تھیں اور صوفیہ کو ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اس کا سارا جسم جھنجھنا اٹھا ہو۔ بہت دنوں پہلے ایک بار اُسے ہلکا سا الیکٹرک شاک لگا تھا۔ جسم کی جو کیفیت اس وقت ہوئی تھی موجودہ سچویشن نے اس کی یاد تازہ کر دی.... جیلانی نے اٹھنا چاہا۔

"نہیں! آپ لیٹے رہیے۔" کرنل فریدی نے کہا اور صوفیہ کو ایسا لگا جیسے کوئی انہونی بات ہوئی ہو۔ فریدی کا لہجہ اس کے لئے غیر متوقع تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایسے خونخوار آدمی کا لہجہ اتنی نرمی اور اتنی شائستگی رکھتا ہوگا۔ اس نے کرنل کے بہتیرے دل ہلا دینے والے

کارنامے سن رکھے تھے۔

"اپنی شاہکار تصویر پر مبارک باد قبول فرمائیے۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

"شکریہ.... جناب....!" جیلانی کی آواز میں اضمحلال تھا۔

"غالباً یہ کوئی موڈل تھا۔" فریدی نے کہا۔

"جی نہیں! وہ سو فیصدی تخیلی تصویر ہے۔" جیلانی بولا۔

صوفیہ نے فریدی کی آنکھوں میں بے اعتباری کی جھلک دیکھی۔

"میں کیسے یقین کرلوں مسٹر جیلانی.... جب کہ....!" فریدی کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

"جب کہ....؟" جیلانی استفہامیہ انداز میں مسکرایا۔

"جب کہ میں اس عورت کو اچھی طرح جانتا ہوں۔" فریدی نے اخبار کی طرف اشارہ کیا۔

اس اخبار میں جیلانی کی شاہکار تصویر "چرواہی" کا عکس شائع ہوا تھا۔ دن بھر کی تھکی ہوئی چرواہی زمین پر کہنی ٹیکے نیم دراز تھی۔ قریب ہی چند بھیڑیں چر رہی تھیں اور سورج دور کی دو پہاڑیوں میں جھک رہا تھا۔ پتہ نہیں نیم باز آنکھیں اس منظر سے ہم آہنگ تھیں یا پھر آدھ کھلے ہونٹوں سے جھانکنے والے شفاف دانتوں میں اس منظر سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت موجود تھی۔

کان میں سگریٹ

ٹیکم گڈھ کا موسم ان دنوں بہت اچھا تھا۔ پہاڑی نالے پانی اچھالتے ہوئے بہہ رہے تھے۔ خود رو پھولوں سے چٹانیں ڈھکی ہوئی تھیں اور اُس سے بھی زیادہ اچھی بات یہ تھی کہ اس بار حمید کو فزارو میں قریب قریب سبھی ملازم لڑکیاں نئی نظر آئی تھیں۔ سارا عملہ بدلا ہوا تھا۔ اس لئے اب اس کی بھی پرواہ نہیں رہ گئی تھی کہ وہ وہاں پہچان لیا جائے گا۔ البتہ اُسے قاسم کی ذات سے خدشہ لاحق تھا۔ وہ تو فزارو کے گاہکوں کو بھی یاد ہوگا۔ اگر کسی پرانے گاہک کی نظر پڑ گئی تو خود وہ بھی پہچان لیا جائے گا۔ اسی خیال کے تحت حمید نے قاسم کو مشورہ دیا تھا کہ وہ فزارو میں ٹھہرنے کی بجائے کسی دوسرے ہوٹل میں ٹھہرے....

قاسم پر چونکہ تفریح کا بھوت سوار تھا اس لئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ حمید کے

مشوروں پر کان دبا کر عمل کرے۔

حمید اور آصف فزارو ہی میں مقیم تھے۔ یہاں آصف کا نام رجسٹر میں سیٹھ ہاشم درج کیا گیا تھا اور حمید اُس کے سیکریٹری کی حیثیت رکھتا تھا۔ اگر وہ ذرا سا بھی چوکتے تو انہیں کسی دوسرے ہوٹل کا رخ کرنا پڑتا کیونکہ اتفاق سے بس ایک کمرہ خالی رہ گیا تھا! ورنہ موسم بہار میں فزارو کا کوئی کمرہ صرف ان لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جو تین یا چار ماہ پہلے ہی بکنگ کرا لیتے ہیں۔ ضروری نہیں تھا کہ ان کا قیام سیزن بھر کے لئے ہوتا لیکن پھر بھی حمید نے کمرہ پورے سیزن کے لئے بک کرا لیا تھا! اس کے لئے بھی اُسے کلرک کو رشوت دینی پڑی تھی۔

اس وقت وہ دونوں ڈائننگ ہال میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ آصف سرو کرنے والی لڑکیوں کو گھور رہا تھا۔ دفعتاً حمید نے اپنی میز پر ویٹ کرنے والی یوریشین لڑکی سے کہا۔ "سیٹھ صاحب کے لئے.... وہ چاہئے۔"

"کیا جناب....!"

"وہ جس سے دانتوں کے ریشے نکالتے ہیں۔"

"خلال جناب....!"

"وہی.... وہی....!" حمید اُسے آنکھ مار کر مسکرایا۔

"ہوں.... ہوں....!" آصف بدبدایا۔ لڑکی جا چکی تھی۔

"اے تم عجیب آدمی ہو۔" آصف آنکھیں نکال کر بولا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"تم نے اسے آنکھ ماری تھی....!"

"ہاں کچھ کچھ یاد تو پڑتا ہے....!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ فرض شاید میں نے آپ کے لئے انجام دیا تھا۔"

"کیا مطلب....!"

"میں نہیں چاہتا کہ یہ لوگ ہمیں بدماغ سمجھیں۔"

"کیا بات ہوئی۔"

"یہاں اسی طرح اپنائیت اور بے تکلفی کا اظہار کیا جاتا ہے.... یہاں کی ملازم لڑکیوں کا

کیریئر ہی اسی طرح بنتا ہے۔ جس لڑکی کو جتنی زیادہ آنکھیں ماری جاتی ہیں وہ اتنی ہی مقبول سمجھی جاتی ہے اور منیجر اُس کا خاص طور سے خیال رکھتا ہے۔"

"بکواس ہے۔" آصف ہنستا ہوا بولا۔

"ملاقات ہونے پر کرنل سے پوچھ لیجئے گا.... جب ہم پہلے پہل یہاں آئے تھے تو بیچارے کو بڑی دشواریاں پیش آئی تھیں۔ روز صبح اٹھ کر مجھ سے پوچھتے تھے کہ آنکھ مارنے کی شروعات کس لڑکی سے کریں....! رات بھر انہیں فکر رہتی تھی کہ کسی لڑکی کو شکایت کا موقع نہ مل سکے۔"

"بے تکی ہی ہانکتے جاؤ گے۔ تم فریدی کو بھی نہیں چھوڑتے۔"

اتنے میں لڑکی خلال لے آئی۔ حمید پھر اُسے آنکھ مار کر بولا۔ "آج موسم بڑا خوشگوار ہے۔"

"مگر مجھے افسوس ہے جناب۔" وہ مسکرائی۔ "آپ تنہا ہیں۔"

"تنہا کیوں....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "سیٹھ صاحب بھی تو ہیں۔"

"اچھا....!" وہ کھنکھناتی ہوئی ہنسی کے ساتھ رخصت ہو گئی۔

"تم بہت بے باک ہو۔" آصف مسکرا کر بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم لڑکیوں کے ہاتھ سے پٹے بھی ہو گے۔"

"کئی بار....!" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"شرم نہیں آتی....!"

"اگر کسی مونچھ والے کے ہاتھوں پٹا ہوتو ضرور آتی۔"

آصف کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً مائیکروفون سے آواز آئی۔

"خواتین و حضرات! آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ سیتل گھاٹی کی طرف نہ جائیے۔ حالانکہ وہ ایک پُر فضا جگہ ہے.... اکثر سیاح وہاں کے غاروں میں کئی کئی دن گزارتے ہیں.... لیکن آج کل گھاٹی مخدوش ہو گئی ہے.... پہلا موقع ہے جب موسم بہار میں وہاں تین لاشیں ملی ہیں۔ یہ غیر ملکی سیاحوں کی لاشیں ہیں جنہیں شائد لوٹا گیا تھا۔ آپ کو بار بار آگاہ کیا جارہا ہے کہ سیتل گھاٹی میں قدم نہ رکھئے۔"

حمید اور آصف متحیرانہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ مائیکروفون خاموش ہو گیا۔

"سیتل گھاٹی کہاں ہے....!" آصف نے پوچھا۔

"یہ وہی گھاٹی ہے جہاں کبھی برف کے بھوت دیکھے گئے تھے۔" حمید نے جواب دیا۔ "اور شائد وادیٔ کاجیک کا راستہ بھی اُدھر ہی سے گزرتا ہے۔"

"وہاں تین لاشیں۔"

"پرواہ نہ کیجئے۔ ہمارا اور لاشوں کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے تین ہوں یا تین ہزار کیا فرق پڑتا ہے۔"

"پھر وادیٔ کاجیک کی طرف ہماری روانگی کب ہو گی۔"

"تین دن تو تھکن اتارنے ہی میں گزر جائیں گے۔ کیا خیال ہے۔" حمید نے پائپ سلگاتے ہوئے کہا۔ "اوہ دیکھئے.... وہ لڑکی بہت غور سے آپ کی طرف دیکھ رہی ہے.... ماریئے آنکھ....ماریئے۔"

"لاحول ولا قوۃ.... کیا بے تکی باتیں کرتے ہو۔" آصف نے جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا ویسے تو وہ کنکھیوں سے اس لڑکی کی طرف دیکھے ہی جارہا تھا۔ جس کے متعلق حمید نے اُسے نیک مشورہ دیا تھا۔ یہ بھی فزارو کی ایک ویٹرلیس ہی تھی.... یہ خوش شکل بھی تھی اور شوخ بھی معلوم ہوتی تھی۔ دفعتاً حمید نے اُسے بھی آنکھ ماری۔ پہلے تو اُس نے بُرا سامنہ بنایا پھر تیر کی طرح اُن کی طرف آئی۔

"فرمایئے....!" اُس نے قریب پہنچ کر تیز لہجے میں کہا۔

"سیٹھ صاحب سے پوچھو۔" حمید نے آصف کی طرف اشارہ کر کے اردو میں کہا کیونکہ یہ لڑکی دیسی ہی تھی۔

"فرمایئے جناب....!"

"مم.... مم.... میں....!" آصف ہکلایا.... پھر وہ حمید پر اکھڑ گیا۔ "تم گدھے ہو بالکل.... کیا لغویت پھیلائی ہے۔"

حمید اسکی پرواہ کئے بغیر بولا۔ "میں یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ سیتل گھاٹی یہاں سے کتنی دور ہے۔!"

"ڈائریکٹری میں دیکھ لیجئے۔ فزارو اپنی الگ ڈائریکٹری رکھتا ہے۔" اُس نے کہا اور بڑی شان سے دوسری طرف مڑ گئی۔

"کردیا نا آخر ذلیل....!" آصف غصے سے کانپتا ہوا بولا۔ "میں تو پہلے ہی سمجھا تھا کہ تم

دونوں نے میرے خلاف کوئی سازش کی ہے۔"

"ارے....!" حمید نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "میں نے آپ کے لئے آنکھ ماری تھی۔"

آصف جھلاہٹ میں اٹھ کھڑا ہوا.... وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ پھر بھلا حمید کیسے بیٹھا رہتا۔ وہ بھی اُس کے پیچھے لپکا اور کمرے تک پہنچنے سے پہلے ہی اُسے جالیا۔

"میں تم سے تحریری طور پر جواب طلب کروں گا۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ وہ دونوں وہیں رک گئے تھے۔ کمرہ بھی نزدیک ہی تھا لیکن غصے کی زیادتی نے آصف کو اس طرح کھوپڑی سے باہر کر دیا تھا کہ اس نے وہیں برسنا شروع کر دیا۔

"دیکھئے سنئے تو سہی! میں آپ کو ہر معاملے میں اسسٹ کرنے کا تہیہ کر چکا ہوں۔ جو کام آپ سے نہیں بنے گا آپ کے لئے میں کروں گا.... بات دراصل یہ ہے کہ.... میں۔"

"لونڈے پن کی باتیں نہ کرو۔"

"اچھا خیر اب اس بار معاف کر دیجئے۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "مجھے اب اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہوگی کہ آپ کو آنکھ مارنا آتا ہے یا نہیں.... چلئے کمرے میں ورنہ آپ یہاں مجمع اکٹھا کر لیں گے۔"

آصف دانت پیتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

کمرے میں پہنچ کر حمید نے دروازہ کھلا ہی رہنے دیا تھا۔

"اس بیہودگی کا جواب نہیں ہو سکتا۔" آصف میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ "تم نے میرے لئے آنکھ ماری تھی۔"

"یقیناً جناب۔ میں یہ سمجھا تھا کہ آپ کو آنکھ مارنا نہیں آتا۔"

"مجھے آنکھ مارنا نہیں آتا۔"

"انہونی بات نہیں ہے۔ شاید آپ کو وہ دیوزاد یاد ہو جو روانگی کے وقت اسٹیشن پر ملا تھا۔ یاد ہے نا۔ اُسے بھی آنکھ مارنا نہیں آتا.... کوشش کرتا ہے تو دونوں آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔"

"تم مجھے احمق کیوں سمجھتے ہو۔" آصف دہاڑا۔

"ہر اسسٹنٹ کا فرض ہے کہ وہ اپنے آفیسر کو احمق سمجھے۔ اگر ایسا نہ ہو تو آفیسر ایک دن بھی زندہ نہ رہ سکیں احمق ہی سمجھ کر اسسٹنٹ اپنے آفیسر کے کاموں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اگر

نہ رکھیں تو آفیسر دو ہی دن میں نالائق قرار دے کر نکال دیئے جائیں۔"

"تم براہِ راست میری توہین کر رہے ہو۔"

"میں ایک عام بات کہہ رہا ہوں۔ جو مجھے نہ کہنی چاہئے۔ میں معافی چاہتا ہوں جناب۔"

آصف جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہی لڑکی دندناتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی جسے کچھ دیر پہلے حمید نے بقول خود "آصف کے لئے آنکھ ماری تھی۔"

"آپ لوگوں نے سمجھا کیا ہے آخر....!" وہ انہیں گھورتی ہوئی تیز لہجے میں بولی۔ "وہاں میں کچھ نہیں بولی تھی۔"

"میں سمجھتا تھا کہ تم بولنے کے لئے کوئی مناسب مقام منتخب کرو گی....!" حمید مسکرایا۔

"میں مذاقاً بھی اسے برداشت نہیں کر سکتی۔"

"یہ لڑکا نادان ہے.... آپ اسے معاف کر دیجئے۔" آصف گڑگڑایا۔

"میں صرف اپنی خدمات بیچتی ہوں۔ عزت کا سودا نہیں کرتی۔ سمجھے۔" لڑکی آپے سے باہر ہوتی جا رہی تھی۔

"سمجھ گیا....!" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "اور کچھ۔"

"میں اس کا بدلہ ضرور لوں گی خواہ موجودہ ملازمت رہے یا جائے....!"

"تم پچھلے سال تو یہاں نہیں تھیں۔"

"یہاں ہر سیزن کی شروعات پر ہی پرانا اسٹاف بدل دیا جاتا ہے۔ یہاں کچھ بھی ہوتا ہو مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ لیکن میں ان آوارہ لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو ایسی ذلیل حرکتیں کرنے والوں کی ہمت افزائی کرتی ہیں۔ میں آپ سے سمجھ لوں گی۔" لڑکی نے ایک بار پھر انہیں کڑی نظروں سے دیکھا اور باہر چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد آصف دروازے کے قریب آکر باہر جھانکنے لگا۔ پھر بڑی احتیاط سے دروازہ بند کر کے حمید کی طرف پلٹ آیا۔

"سن لیا تم نے.... اب دیکھو کیسی بے عزتی ہوتی ہے۔" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

"دس پانچ جوتوں میں عزت نہیں جاتی۔ ہزار بارہ سو مارنے کون آتا ہے۔" حمید نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"تم جیسے بے حیاؤں سے خدا سمجھے۔"

حمید کچھ سوچنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر وہ بول پڑا۔ "واقعی مجھ سے زبردست غلطی ہوئی ہے۔ ٹھہریئے میں جاکر اُسے مناتا ہوں۔ ورنہ اگر کہیں اس کا کوئی عاشق واشق چڑھ دوڑا تو ہم اس غریب الوطنی میں تیموں کی طرح بلبلاتے پھریں گے۔"

آصف کچھ نہ بولا۔ حمید کمرے سے نکل کر ڈائننگ ہال کی طرف ہو لیا تھا۔

ہال میں اب زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ بہتیری میزیں خالی نظر آرہی تھیں۔ وہ لڑکی بھی اُسے جلد ہی نظر آگئی۔ حمید اس کی طرف بڑھا۔

"کیا تم مجھے تھوڑا سا وقت دو گی۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"میں کہتی ہوں.... آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔" وہ چڑھ کر بولی۔

"میرے دل میں پہلے بھی بدی نہیں تھی اور اب بھی میں اُس سے پاک ہی ہوں۔"

"پھر کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔"

"وجہ ہے.... لیکن اُس میں بھی تمہارا ہی فائدہ مد نظر ہے۔ کیا تم تھوڑی دیر کے لئے باہر نہیں چل سکتیں۔"

"ضرور چلوں گی۔ تاکہ آپ یہ بھی دیکھ لیں کہ میں کوئی ڈرپوک لڑکی نہیں ہوں۔ بیس منٹ انتظار کیجئے۔"

حمید اُس کے فرصت پانے کا منتظر رہا۔ پھر اکیسواں منٹ ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ وہ اس کے پاس پہنچ کر بولی۔ "چلئے کہاں چلتے ہیں۔"

"صرف باغ تک.... اوہو آج تو یہاں زندگی رقص کر رہی ہے۔" حمید نے کھڑکی سے باہر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"آپ نے یہیں سے شاعری شروع کر دی۔"

"تم غلط سمجھی ہو۔ میں عشق کرنے کے لئے نہیں لے جا رہا تمہیں....!"

"چلئے بھی.... میں بہت عدیم الفرصت رہتی ہوں۔"

وہ دونوں باہر نکل آئے۔

"کہئے کیا کہنا چاہتے ہیں آپ....!"

"تمہارے لئے ایک بزنس ہے۔!"

"بزنس.... نہایت آسان۔ ویسے تم مجھے شریف لڑکی معلوم ہوتی ہو۔ اس لئے میرا اندازہ ہے کہ تم صرف بزنس ہی کر سکو گی۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میرا سیٹھ بڑا کنجوس ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ کوئی اس سے فضول خرچی نہیں کرا سکتا۔"

"ہوں تو پھر....!"

"وہ کہتا ہے کہ مجھ پر عورت کا جادو نہیں چل سکتا۔"

"پھر میں کیا کروں۔"

"اُسے دکھا دو....!"

"نہیں! مجھے ان چیزوں سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں محنت سے اپنی روزی کمانا چاہتی ہوں۔ غلط طریقوں سے حاصل کی ہوئی دولت مجھے کانٹوں کی سیج معلوم ہو گی۔"

"تمہارا نام کیا ہے....!"

"زیبا....!"

"میں ساجد ہوں.... تو تم یہ کام نہیں کر سکو گی۔"

"کیوں کروں....؟"

"تجربے کے طور پر اپنی پاکبازی کے امتحان کے لئے مجبوریوں کے عالم میں بھی اپنے ہی طور پر زندگی بسر کرنا بڑا مشکل کام ہے.... اگر اس کی بھی مشق ہوتی رہے تو کیا ہرج ہے۔ ویسے میں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ تمہارا بال بھی بیکانہ ہو گا۔"

"بس سیٹھ سے گھل مل جاؤ....!"

"دیکھئے یہاں اور بھی لڑکیاں ہیں جن کا پیشہ بھی یہی ہے۔ وہ فرصت کے اوقات میں نجی طور پر مسافروں کے ساتھ رہتی ہیں۔ ہوٹل کے ذمہ داروں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔"

"اُن سے مقصد نہیں حل ہو سکتا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "سیٹھ اُن پر روپیہ خرچ کرے گا اور اُسے اس کا بدل بھی ملتا رہے گا.... میں تو یہ چاہتا ہوں کہ وہ روپیہ بھی خرچ کرے اور غم بھی کرے۔ اس کے لئے کوئی شریف اور چالاک ہی لڑکی یہ کام کر سکے گی۔"

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر کچھ کہے بغیر جانے کے لئے مڑ گئی۔ "ٹھہرو! سنو۔" حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

وہ پھر رک گئی۔

"یہ سٹیل گھاٹی میں لاشیں کب ملی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"تین دن پہلے کی بات ہے.....!"

"کس کی تھیں.....!"

"یہ نہیں معلوم ہو سکا کیونکہ اُن کے چہرے بگاڑ دیئے گئے تھے۔"

"لباس.....!"

"ان کے جسموں پر ایک تار بھی نہیں تھا۔"

"اس کا کیا مطلب تھا کہ موسم بہار میں وہاں پہلی بار لاشیں ملی ہیں۔"

"سردیوں میں تو اکثر شکاریوں کی لاشیں ملتی رہتی ہیں۔ یہ سمور کے شکار کے لئے یہاں آتے ہیں اور اکثر آپس میں لڑ جاتے ہیں۔ زخمی ہوتے ہیں مرتے ہیں.... اور ان کی لاشیں برف میں دبی رہ جاتی ہیں۔"

پھر جب برف پگھلتی ہے تب کہیں جا کر پتہ چلتا ہے کہ کچھ ہوا تھا۔ لیکن اس بار اس موسم میں وہاں تین لاشوں کا پایا جانا بالکل ہی نئی بات ہے۔

"سٹیل گھاٹی میں ہے کیا! وہاں لوگ کیوں جاتے ہیں۔"

"موسم بہار میں بڑی پُر فضا جگہ ہوتی ہے۔ وہاں قدیم زمانوں کے غار ہیں جنہیں آدمیوں نے بنایا تھا۔"

"تو تم اس بزنس کے لئے تیار ہو یا نہیں۔"

"سوچوں گی۔" لڑکی نے کہا اور مڑ گئی۔ حمید اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ لڑکی خوبصورت بھی تھی اور اسمارٹ بھی، تعلیم یافتہ بھی معلوم ہوتی تھی۔ کچھ بھی نہ رہی ہو لیکن اتنی صلاحیت تو ضرور رکھتی ہوگی کہ حمید کی اسکیم کے مطابق آصف کو ہینڈل کر سکے۔

حمید چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر ڈائننگ ہال کی طرف بڑھ گیا۔ لڑکی ہال میں موجود نہیں تھی۔ لیکن دفعتاً آصف آ ٹکرایا.... اس کے چہرے سے بدحواسی ظاہر ہو رہی تھی۔

"چلو.... چلو.... کمرے میں چلو....!" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک جانب کھینچتا ہوا بولا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کس طرح بریک لگائے کیونکہ اُس نے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر باقاعدہ طور پر دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

"ارے.... ارے.... سنئے تو سہی۔" حمید بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ اسے احساس تھا کہ آس پاس والے انہیں حیرت سے دیکھ رہے ہوں گے۔

آصف نے کمرے ہی میں پہنچ کر دم لیا۔ ویسے دم تو اکھڑا ہوا تھا۔ سانسوں کی تیزی نے شائد حلق بند کر دیا تھا۔ بڑی دیر میں آواز نکل سکی۔

"یہ.... کک.... کمرہ....!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "آسیب زدہ ہے۔"

"کیوں....!"

"ابھی کچھ دیر پہلے میں کان سے سگریٹ پینے کی کوشش کر رہا تھا۔" آصف نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور حمید بے ساختہ ہنس پڑا۔ لیکن آصف کا چہرہ اتنا زرد تھا جیسے وہ یرقان کے کسی بہت پرانے مریض کا چہرہ ہو۔

تصویر کی قیمت

فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔

"یس....!"

"یہاں حالات دوسرے ہیں جناب۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"تفصیل....!" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"تصویر کے بہت سے گاہک پیدا ہو گئے ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "اس لئے اب یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ تصویر کو نیلام کیا جائے....!"

"ہوں....! اندازاً کتنے گاہک ہوں گے۔"

"دس گیارہ سے تو کسی طرح کم نہ ہوں گے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کیا اس وقت جیلانی گیلری میں موجود ہے۔"

"جی نہیں! حالانکہ زیادہ تر لوگ اُسے ہی دیکھنے آئے ہیں۔"

"خیر.... ہاں تو.... اگر نیلام شروع ہو چکا ہو تو تم بھی وہیں پہنچ جاؤ اور نہایت اطمینان سے بولیاں بڑھانا شروع کردو۔"

"بولیاں بڑھانا شروع کردوں۔" دوسرے نے تحیر زدہ سی آواز میں پوچھا۔

"ہاں.... بس تم اتنا بڑھ جاؤ کہ یا تو بولی ہی ختم ہو جائے یا نئے سرے سے شروع کی جائے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"اس شخص پر نظر رکھو جو تمہارے مقابلے پر جم جائے.... پھر جب کچھ دیر دیکھ لو کہ اب اُس آدمی کے علاوہ اور کوئی بولی نہیں بڑھا رہا تو ایک بار خاموش ہی ہو جاؤ۔"

"یعنی اس کی بولی ختم ہو جانے دوں۔"

"قطعی طور پر اور پھر مجھے اُس آدمی کا نام اور پتہ بتاؤ جس نے آخری بولی پر تصویر خریدی ہو!"

"بہت بہتر جناب۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ پھر سامنے پھیلے ہوئے کاغذات میں کھو گیا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد پھر فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو....!"

"بولی ختم ہو گئی۔ آخری بولی اکیس ہزار تھی۔ آپ کے فرمانے کے مطابق صرف ایک ہی آدمی اڑ گیا تھا۔"

"کون تھا۔"

"کوئی کرنل وارڈ ہے....!"

"یورپین....؟" فریدی نے پوچھا۔

"یوریشین جناب۔" جواب ملا۔

"پتہ....!"

"اکیاسی.... گرین اسٹریٹ۔"

"عمارت کرائے کی ہے.... یا ذاتی۔"

"تفصیلات کا علم ہوتے ہی میں آپ کو آگاہ کروں گا۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کر کے کسی کے نمبر ڈائیل کیے اور ماؤتھ پیس میں کہا۔ "اِٹ از ہارڈ اسٹون۔"

"دیکھو! معلوم کرو کہ آج لڑکی کالج گئی ہے یا نہیں۔ فوراً اطلاع دو۔ بیس منٹ کے اندر اندر۔" اس نے پھر ریسیور کریڈل میں ڈال دیا اور سگار سلگانے لگا۔

وہ کسی خیال میں غرق تھا.... ایسے اوقات میں وقت کا اندازہ کرنا اس کے بس سے باہر ہو جاتا تھا۔ استغراق کا خاتمہ قدموں کی آہٹ پر ہوا.... آنے والی لیڈی انسپکٹر ریکھا تھی۔

"کیا میں مخل ہوئی ہوں۔" اُس نے فریدی کو چونکتے دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں تو.... آؤ....!" فریدی نے خوش اخلاقی ظاہر کی۔ ویسے اُس کی آمد اس وقت اُسے گراں ضرور گزری تھی۔

"یہ جیلانی کی تصویر کا کیا قصہ ہے۔" ریکھا سامنے والی کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"کیوں....؟ تمہیں کیسے علم ہوا۔"

"بس ہو گیا۔" ریکھا مسکرائی۔ "مجھے اطلاع ملی تھی کہ آپ اُس تصویر میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہے ہیں اور جیلانی کے گھر پر بھی گئے تھے۔"

"وہ فن کا ایک بہترین نمونہ ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"اور جیلانی کے لئے ایک آسیب۔" ریکھا بھی مسکرائی۔ "لیکن وہ بیچارا اُس وقت سے بہت زیادہ پریشان ہے جب سے آپ نے اُسے اپنی ایک شناسا کی تصویر ظاہر کیا ہے۔"

"تمہیں یہ سب کچھ معلوم کیسے ہوا۔" فریدی جھنجھلا گیا۔ "کیا تم نے ان لوگوں سے پوچھ گچھ کی تھی۔"

"نہیں میں نے کوشش نہیں کی تھی بس کسی طرح معلوم ہو گیا۔"

فریدی نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ لیکن ریکھا تھوڑی دیر بعد بولی۔ "اور ابھی کچھ دیر پہلے آپ کے آدمی تصویر کے نیلام میں بولیاں بڑھا رہے تھے۔"

"اپنے کام سے کام رکھا کرو۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور ایک رجسٹر کے اوراق الٹنے لگا۔ جس کا مطلب یہی تھا کہ اب وہ اس مسئلے پر مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔

"کیا آپ خفا ہوگئے۔" ریکھا نے کہا۔

"ضروری نہیں کہ تمہارے سارے سوالات کے جواب دیئے جائیں۔"

"بس دیکھئے مجھے یہ ساری باتیں اتفاقیہ طور پر معلوم ہوگئی ہیں۔ میں نے کوشش نہیں کی تھی۔"

"اب ایسے اتفاقات بھی نہ ہونے چاہئیں۔ ورنہ نتیجے کی تم خود ذمہ دار ہوگی۔"

"اوہ.... آپ سچ مچ خفا ہوگئے ہیں۔"

فریدی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی اور دوسرے ہی لمحہ میں اردلی اندر آیا۔

کرنل تے اس کی طرف ایک فائیل بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس میں کچھ ایسے کاغذات بھی ہیں جن کے اوپر صرف "پی" لکھا ہوا ہے.... انہیں چھانٹ کر الگ کرڈالو.... یہیں بیٹھ جاؤ۔"

فریدی نے رمیش کی خالی ڈسک کی طرف اشارہ کیا۔

"اچھا اب مجھے اجازت دیجئے۔" ریکھا نے جھینپے ہوئے لہجے میں کہا اور اٹھ گئی۔ نہ فریدی نے رسماً ہی اُسے روکنے کے لئے کچھ کہا اور نہ اپنے چہرے سے یہی کچھ ظاہر ہونے دیا کہ اس نے ریکھا کی گفتگو سے کوئی اثر لیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ اس بار کسی لڑکی کے متعلق خبر آئی تھی کہ وہ کالج میں موجود ہے۔ فریدی نے سلسلہ منقطع کرکے گھڑی پر نظر ڈالی اور پھر اس اردلی کی طرف دیکھنے لگا جو فائل سے کاغذات نکال رہا تھا۔

"کتنی دیر لگے گی۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"جی ہوگئے....!" اردلی نے کاغذات سمیٹ کر اس کی میز پر رکھ دیئے اور فریدی کی اجازت سے باہر چلا گیا۔

کچھ دیر بعد فریدی لان پر تھا۔ شیڈ سے اس نے لنکن نکالی اور کمپاؤنڈ سے باہر نکل کر تقریباً دس منٹ گزر جانے پر اُس نے دوبارہ انجن اسٹارٹ کیا.... گھڑی پونے چار بجا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے کار پھر روکی اور سامنے والی عمارت کے بورڈ پر نظر جمادی جس پر "گورنمنٹ گرلز کالج" تحریر تھا۔

وہ اس انداز میں دوسری جانب والی دوکان کی طرف دیکھنے لگا۔ جیسے وہاں جانے والے کسی آدمی کا منتظر ہو۔

کالج میں ابھی ابھی چھٹی کا گھنٹہ بجا تھا اور طالبات غول در غول پھاٹک سے برآمد ہو رہی تھیں۔ فریدی نے عقب نما آئینے کی پوزیشن تبدیل کردی تھی اور پیچھے کی جانب مڑے بغیر ہی انہیں بخوبی دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اسے بیگم تنویر کی بھتیجی صوفیہ نظر آئی اور وہ مشین اسٹارٹ کرکے گاڑی کو آگے بڑھا لے گیا۔

کچھ فاصلے پر ایک گلی میں لنکن مڑ گئی۔ گلی مختصر سی تھی۔ اس کے آخری سرے پر چیتھم روڈ کا بورڈ نصب تھا.... اُس نے دائیں جانب گاڑی موڑلی۔ رفتار بہت معمولی تھی۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ رفتار سست کرکے دورویہ دکانوں کے سائین بورڈ پڑھ رہا ہو اُسے کسی مخصوص دوکان کی تلاش ہو۔

فریدی کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ صوفیہ اُسے چیتھم روڈ کے ایک بس اسٹاپ ہی پر ملی۔ وہ تنہا تھی اور اپنی روٹ کی بس کا انتظار کر رہی تھی۔

فریدی نے کار اُس کے قریب ہی روک دی اور کھڑکی سے سر نکال کر بولا۔ "اوہ.... میں تو آپ کے گھر ہی جارہا تھا۔"

صوفیہ بوکھلا گئی۔ اس کے ہونٹوں کے گوشے پھڑکنے لگے اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس میں کوئی کمی رہ گئی ہو۔ اس کے چہرے میں کوئی ایسی مضحکہ خیز تبدیلی ہوئی ہے کہ آس پاس کے لوگ بے ساختہ ہنس پڑیں گے۔

"آیئے.... کیا حرج ہے۔" فریدی نے پھر کہا اور صوفیہ قطعی غیر ارادی طور پر آگے بڑھ آئی.... فریدی نے اگلی ہی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

وہ چپ چاپ آکر بیٹھ گئی۔ اُسے شکریہ ادا کرنے تک کا ہوش نہیں تھا۔ لنکن پھر چل پڑی لیکن اب بھی اس کی رفتار معمولی ہی تھی۔

"آپ نے سنا۔ مسٹر جیلانی کی تصویر اکیس ہزار میں فروخت ہوئی ہے۔"

"نن.... نہیں.... میں نے نہیں سنا۔"

"اتنے خریدار ہوگئے تھے کہ تصویر کی نیلامی کروانی پڑی۔"

"اوہ....!"

"واقعی جیلانی بہت اچھے فنکار ہیں۔" فریدی نے کہا۔

صوفیہ اپنے ذہن و جسم پر کسی حد تک قابو پاچکی تھی۔

"جیلانی.... فراڈ ہے۔" ایک بار پھر اُس کی زبان سے غیر ارادی حرکت سرزد ہو گئی۔

"فراڈ....!" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اوہ.... دیکھئے....!" صوفیہ سنبھل کر ہکلائی۔ "میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لوگوں دھوکا دیتا ہے.... اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔

"آپ غالباً اُسے جھوٹا کہنا چاہتی ہیں۔"

"جی ہاں.... جی ہاں.... یہی بات ہے۔" صوفیہ جلدی سے بولی اور پھر اُس نے ایک طویل سانس لی جیسے اپنے بیان پر مطمئن ہو گئی ہو۔

"آپ اس کی آسیب والی کہانی پر یقین نہیں رکھتیں....!"

"کل سے پہلے مجھے یقین تھا۔" صوفیہ کا لہجہ مغموم تھا۔ "میں نے اُس کے بیان کی تصدیق کے لئے چھان بین کی تھی۔ ان عورتوں سے ملی تھی جن کا پتہ اس نے بتایا تھا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اوہ.... وہ کہتا ہے کہ آج سے تین سال پہلے اس نے کچھ عورتوں کی تصاویر بنانے کی کوشش کی تھی لیکن ان کی بجائے اسی نامعلوم عورت کی تصویر بن گئی تھی.... میں نے اُن عورتوں سے پوچھ گچھ کی تب انہیں یاد آیا کہ نمائش والی تصویر "چرواہی" کا چہرہ انہیں جانا پہچانا سا کیوں معلوم ہوا تھا.... انہوں نے اعتراف کیا کہ جیلانی نے ان کی تصویر کی بجائے وہی چہرہ بنا کر رکھ دیا تھا اور انہیں اُس پر بہت غصہ آیا تھا...."

"تب پھر آپ انہیں جھوٹا کیوں کہیں گی۔"

"کیا آپ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ کوئی آسیب ہے۔"

"غالباً آپ کی موجودگی ہی میں، میں نے یہ کہا تھا کہ وہ میری ایک شناسا کی بھی تصویر ہو سکتی ہے۔"

"جی ہاں.... مجھے یاد ہے اور اب مجھے اس پر یقین آگیا ہے۔"

"پہلے نہیں آیا تھا۔"

"جی نہیں۔ پہلے تو مجھے جیلانی ہی کے بیان پر یقین تھا۔"

"مگر اب آپ نے اپنی رائے کیوں بدل دی ہے۔"

"آپ کی وہ شناسا اسی شہر میں ہیں۔" صوفیہ نے پوچھا۔ آہستہ آہستہ وہ بھولتی جارہی تھی کہ کرنل سے یہ اس کی صرف دوسری ملاقات ہے۔

"میں نے شاید یہ بھی عرض کیا تھا کہ وہ مجھے پچھلے پانچ سال سے نہیں دکھائی دی۔"

"اوہ.... تب تو شاید آپ کو اس اطلاع پر بے حد خوشی ہو۔"

"کس اطلاع پر بے حد خوشی ہو گی۔"

"کیا آپ اپنی اس شناسا کے لاپتہ ہو جانے پر پریشان تھے؟"

"ہو سکتا ہے آپ کا اندازہ درست ہو۔" فریدی نے ٹھنڈی سانس لے کر مغموم لہجے میں کہا۔

"تو پھر خوش ہو جائیے۔ وہ محترمہ اسی شہر میں موجود ہیں۔"

فریدی کی نظر سامنے سڑک پر تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "شاید آپ میری بے چینی سے محظوظ ہونا چاہتی ہیں۔"

"اوہ نہیں! یقین کیجئے کہ میں نے انہیں کل ہی دیکھا ہے۔ وہ ہمارے گھر آئی تھیں۔ مگر اس وقت نہ تو جیلانی صاحب ہی موجود تھے اور نہ آنٹی۔"

"میں کیسے یقین کرلوں۔" فریدی نے اپنے چہرے پر ذہنی الجھنوں کے آثار پیدا کر کے کہا۔

"کیوں....؟ یقین کر لینے میں کیا دشواری ہے۔"

"بہت بڑی! اگر وہ اس شہر میں ہوتی تو سب سے پہلے مجھ سے ملتی۔"

"اب میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ ویسے وہ جیلانی پر بے حد خفا ہو رہی تھیں۔ بلکہ ان کی گفتگو کے انداز سے تو یہ بھی ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ جیلانی کو ذاتی طور پر نہ جانتی ہوں۔"

"کیا گفتگو ہوئی تھی۔" فریدی نے ہنس کر پوچھا پھر سنجیدگی سے بولا۔ "ہاں وہ ذرا تیکھے مزاج کی ہے۔"

"ذرا نہیں بہت زیادہ کہئے۔ میرا خیال ہے کہ اگر جیلانی صاحب اُن کے قریب موجود ہوتے تو کم از کم انہیں اتنا تو معلوم ہی ہو جاتا کہ کسیرو چھیلنا زیادہ آسان ہے یا آدمی کی کھال اتارنا۔"

"خوب.... تو وہ اتنی ہی برافروختہ تھی۔"

"جی ہاں....!"

"مگر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ جیلانی اس کے لئے اجنبی ہوگا۔"

"اس نے خود ہی کہا تھا کہ وہ نہیں جانتی یہ جیلانی ویلانی کون ہے اور اس نے ایسی حرکت کی ہے۔ میرے ذہن میں تو خلش موجود تھی۔ میں نے اُسے جیلانی کا فوٹوگراف دکھایا لیکن اُس نے اُسے بھی پہچاننے سے انکار کردیا۔"

"اس نے جیلانی کا انتظار نہیں کیا تھا۔"

"جی نہیں! وہ بہت جلدی میں تھیں اور وہ تو صرف اس آدمی کی شکل دیکھنا چاہتی تھیں جس نے انہیں اس طرح رسوا کیا تھا۔"

"آج سے پانچ سال پہلے وہ کتنی اچھی تھی۔" فریدی ٹھنڈی سانس لے کر بڑبڑایا۔ "اُس کے جسم پر مغربی طرز کا لباس کتنا کھلتا تھا۔"

"آہ کیا وہ اب بھی نارنجی رنگ کے سکرٹ پر سفید بلاؤز پہنتی ہے۔"

"بلاؤز.... اسکرٹ....!" صوفیہ نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں.... جی ہاں۔"

"مگر کل تو وہ برقعے میں تھیں اور مجھے اُن کے لباس میں بھی کوئی جدت نہیں دکھائی دی تھی۔ البتہ اُن کی نیلی آنکھیں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔"

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔ "جیلانی صاحب پر اس اطلاع کا کیا ردعمل ہوا تھا۔"

"ردعمل کیا ہونا تھا۔ پہلے تو اُسے میرے بیان پر یقین ہی نہیں آیا تھا۔ پھر جب میں تھوڑی دیر بعد گرم ہوگئی تو اُسے یقین پھر بھی نہیں آیا۔ وہ خواہ مخواہ مجھ سے لڑتا اور میرے بیان کی تردید کرتا رہا تھا۔ پھر بیہوش ہوکر گر پڑا تھا۔ میں سمجھتی ہوں کہ جب وبحث میں شکست کھانے لگتا ہے اُس پر غشی طاری ہوجاتی ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔" فریدی خواہ مخواہ ہنس پڑا۔

"لیکن وہ کہتا یہی ہے کہ جب بھی اس کو آسیب کے متعلق کوئی الجھن آپڑتی ہے تو اس پر غشی کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔"

"یہ جیلانی صاحب پہلے کہاں رہتے تھے۔ ان کے خاندان کے دوسرے افراد کہاں مل سکیں گے۔" فریدی نے کچھ دیر خاموش رہ کر پوچھا۔

"اس نے یہ سب کچھ ہمیں آج تک نہیں بتایا۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"ایک بات پوچھوں۔ آپ خفا تو نہیں ہوں گے۔"

"ضرور پوچھئے....!" فریدی مسکرایا۔

"کیا آپ صرف اسی تصویر کی وجہ سے اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"جی ہاں.... قطعی طور پر۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ نے میری استدعا کو کوئی وقعت نہیں دی تھی۔"

"جی....!" صوفیہ چونک پڑی۔ "میں نہیں سمجھی۔"

"میں نے آپ لوگوں سے درخواست کی تھی کہ میری اس دلچسپی کا تذکرہ کسی سے نہ کریں.... لیکن آپ نے....!"

"میں نے تو کسی سے بھی تذکرہ نہیں کیا.... مگر نہیں ٹھہریئے.... آپ ہی کے محکمے کی ایک عورت.... غالباً وہ انسپکٹریس تھیں.... انہوں نے مجھ سے اس کے متعلق پوچھا تھا۔ ہم میں بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی تھی اور میں نے انہیں بتایا تھا کہ جیلانی اس تصویر کو آسیب کہتا ہے اس پر انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں کرنل وارڈ سے مشورہ کرلوں۔ وہ ایک ماہر روحانیت ہے۔ اکثر روحوں سے گفتگو کرادیتا ہے۔"

"تو پھر آپ کرنل وارڈ سے ملی تھیں۔"

"ارے نہیں.... مجھے کیا پڑی ہے۔"

"کیا آپ سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں کہ کل کوئی عورت جیلانی کو پوچھتی ہوئی آئی تھی۔"

"کوئی عورت نہیں بلکہ وہی عورت جس کی تصویر جیلانی نے بنائی ہے۔ یقین کیجئے۔ بھلا میں جھوٹ کیوں بولوں گی۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ کا مکان چوراہے سے تھوڑی ہی دور ہے۔"

"جی ہاں۔"

فریدی نے کار سڑک کے کنارے لگا کر کھڑی کردی اور آہستہ سے بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ ایک ضروری کام یاد آگیا ہے۔ اس لئے مجھے فوراً ہی واپس جانا ہے۔ براہِ کرم جیلانی صاحب کو

"میری طرف سے مبارک باد دے دیجئے گا۔"

صوفیہ نے کار سے اتر کر فریدی کا شکریہ ادا کیا اور آگے بڑھ گئی۔

قریب ہی ایک ٹیلی فون بوتھ تھا.... فریدی بھی کار سے اتر کر اُس میں داخل ہوا اور لیڈی انسپکٹر ریکھا کے نمبر ڈائیل کر کے بے حد خشک لہجے میں بولا۔ "مجھے تم سے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ تم بعض اوقات اپنی حدود سے تجاوز کرنے لگتی ہو.... جیلانی اور اس کی تصویر کو اپنے ذہن سے نکال پھینکو ورنہ بڑے خسارے میں رہو گی۔ یہ میری آخری وارننگ ہے....!"

ٹرنک کال

حمید کو پہلے تو ہنسی آئی مگر پھر آصف کے چہرے پر قبرستانی آثار دیکھ کر اُسے سوچنا پڑا کہ یا تو اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے یا پھر وہ اُسے اُلو بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔

"کان سے سگریٹ پینے کا آئیڈیا ہے بہت حسین سیٹھ صاحب۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں جانتا تھا کہ تم میرا مذاق اڑاؤ گے....!" آصف نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں کب کہتا ہوں کہ آپ نہیں جانتے تھے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ چند لمحے آصف کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "لیکن کان سے سگریٹ پینے کی کوشش آسیبی خلل کا نتیجہ کیوں ہونے لگی.... اس کے لئے اپنا دماغ ہی کیا کم ہے۔"

"ہائیں.... تو اِس کا یہ مطلب ہوا کہ تم مجھے صحیح الدماغ نہیں سمجھتے۔"

"شادی شدہ لوگ دماغ سمیت کبھی سفر نہیں کرتے۔"

"تم حد سے بڑھتے جا رہے ہو۔" آصف اکھڑ گیا۔

"سیٹھ صاحب! سگریٹ والا معاملہ صاف ہو جانا چاہئے ورنہ یہ ٹیکم گڈھ ہے۔" حمید آرام کرسی کی پشت سے ٹکتا ہوا بولا۔

"تم احمق ہو۔" دفعتاً کسی عورت نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا اور حمید کسی وحشی گھوڑے کی طرح بھڑک گیا۔ کیونکہ کمرے میں آصف کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا۔

"آپ نے ابھی کچھ سنا۔" اُس نے آصف سے سوال کیا۔

"کیا سنا....!"

"کسی کی آواز.... مطلب یہ کہ کسی عورت کی آواز جس نے ابھی میری قابلیت کی تعریف کی تھی۔"

"نہیں میں نے تو کسی کی آواز نہیں سنی۔"

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنا سر سہلانے لگا۔

"کیوں کیا تم نے کسی عورت کی آواز سنی ہے۔" آصف نے پوچھا۔

"شاید میں نے سنی ہے....!"

آصف کا منہ حیرت سے کھل گیا اور کچھ دیر بعد وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ بھی کسی عورت ہی کی آواز تھی جس نے مجھے کان سے سگریٹ پینے پر مجبور کیا تھا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ مجبور کیسے کیا تھا۔"

"یار سمجھنے کی کوشش کرو۔" آصف نے زچ ہو کر کہا۔ "فرض کرو کہ تم کسی خیال میں ڈوبے ہوئے کان کھجا رہے ہو اور اسی ہاتھ کی انگلیوں میں سگریٹ بھی دبا ہوا ہے اچانک کسی عورت کی آواز کان میں آئے جو کہہ رہی ہو ہاں شاباش یہی ہے منہ سگریٹ لگا کر لمبا کش لو.... تو پھر حمید صاحب سگریٹ کیا اگر ہاتھ میں ڈنڈا ہو تو بوکھلاہٹ میں وہ بھی کان ہی میں اُتر جائے گا۔"

"یہی واقعہ پیش آیا تھا آپ کو....!" حمید نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"بالکل یہی.... اور ابھی تم نے بھی کسی عورت کی آواز سنی ہے۔"

"ہاں....!" حمید نے طویل سانس لی اور پھر بولا۔ "میری زندگی بجائے خود کسی عورت کی آواز ہے، جو ہولے ہولے مدہم سروں میں گا رہی ہو.... ارے باپ رے۔"

اس بار حمید کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گیا۔ کیونکہ کوئی عورت ہولے ہولے مدھم سروں میں گا رہی تھی۔

وہ بوکھلا کر اٹھا اور خوفزدہ آواز میں چیخا۔ "سنا آپ نے آصف صاحب۔"

"نن.... نن تو....!" آصف اس سے بھی زیادہ خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔

"وہ گیت سنا رہی تھی۔"

"نہیں....!" آصف تھوک نگل کر ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ حمید پلکیں جھپکاتا ہوا اس

کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اچانک اس نے اُسے کسی خوفزدہ بچے کی طرح منہ پھاڑتے دیکھا۔ حلق سے ایک چیخ آزاد ہوئی اور آصف گرتا پڑتا کمرے سے بھاگا۔

"ارے.... ارے....!" حمید نے اس کے پیچھے چھلانگ لگائی اور دونوں ہی تلے اوپر راہداری میں ڈھیر ہوگئے۔ اس بار اس نے بھی عورت کا قہقہہ سنا۔ غالباً آصف بھی سن رہا تھا اور حمید کے نیچے سے نکل بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہٹو.... ہٹو....!" وہ بُری طرح مچلا۔ حمید ایک جانب لڑھک گیا اور آصف پھر اٹھ کر بھاگا۔ چوبی فرش پر اس کے قدموں کی آواز کافی تیز تھی۔

حمید بھی اٹھا مگر اب راہداری سنسان پڑی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے.... کچھ بھی ہو وہ اتنا بدحواس تو نہیں ہوا تھا جتنا آصف ہو گیا تھا۔

اس نے اپنا لباس درست کیا۔ ٹائی کی گرہ سنبھالی اور ڈائننگ ہال کی طرف چل پڑا۔ کمرے میں داخل ہونے کی ہمت تو اس میں بھی نہیں تھی۔

اس کی دانست میں وہ کوئی آسیبی ہی خلل تھا ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ ایک آدمی اس نامعلوم عورت کی آواز سنتا اور دوسرا اس سے لاعلم رہتا۔

ڈائننگ ہال میں اُسے آصف نظر آیا جو ایک کرسی کی پشت سے لگا ہوا بری طرح ہانپ رہا تھا۔

"پرواہ مت کیجئے۔" حمید اس کے قریب پہنچ کر بولا۔ "میں اس کلرک کی خبر لیتا ہوں جس نے ہم سے نذرانہ بھی وصول کر لیا تھا۔"

آصف کچھ بولا نہیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ حمید کاؤنٹر کی طرف مڑ گیا۔

کلرک قیام کرنے والوں کے رجسٹر پر جھکا ہوا تھا۔

"ادھر دیکھو....!" حمید اس کے سر پر پہنچ کر غرایا۔

"فرمائیے.... جناب....!" وہ چونک کر بولا۔

"تم نے مجھے اس کمرے کے متعلق بتایا کیوں نہیں تھا۔"

"میں کیوں بتاتا.... میں سمجھتا ہوں کہ لوگ وہم میں مبتلا ہیں۔"

"اور تم نے دو روپے بھی ہضم کر لئے....!"

"میں نے آپ سے کسی رقم کا مطالبہ تو نہیں کیا تھا۔ آپ نے خوشی سے دیئے تھے۔ میں نے رکھ لئے تھے۔ انکار کیوں کرتا۔"

"اگر تم مجھے بتا دیتے کہ وہ کمرہ آسیب زدہ ہے....!"

"آپ کبھی یقین نہ کرتے۔" کلرک درمیان ہی میں بول پڑا۔ "یہی سمجھتے میں نے کسی دوسرے سے رشوت لے رکھی ہے۔ کوئی بھی نہیں یقین کرتا اس لئے میں انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہوں۔"

"یہ کب سے آسیب زدہ ہے۔"

"اس کے متعلق آپ کو سپروائزر ہی بتا سکے گا۔"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سپروائزر کے کمرے کی طرف مڑ گیا۔ یہ ایک دبلا پتلا اور یرقان زدہ سا آدمی تھا۔

اس نے حمید کو غور سے دیکھا اور ایک طویل سانس لی۔ پھر بولا۔ "تشریف رکھئے جناب۔"

حمید نے بیٹھتے وقت اس کی میز پر ایک زوردار گھونسہ رسید کیا۔

"نہیں... نہیں... جناب۔ میں بہت کمزور دل کا آدمی ہوں... یہ دیکھئے... دھڑکن....!" سپروائزر اپنی نبض ٹٹولتا ہوا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں تھا کہ وہ کمرہ آسیب زدہ ہے۔" حمید دہاڑا۔

"آہستہ جناب آہستہ....!" سپروائزر گھگھیایا۔ "خدا کے لئے.... آہستہ بولئے.... ورنہ میرا ہارٹ فیل بھی ہو سکتا ہے۔ میں آپ کو ڈاکٹر کا سرٹیفکیٹ بھی دکھا سکتا ہوں.... یہ دیکھئے"

اس نے میز کی دراز کھینچی۔

"نہیں....!" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں پوچھتا ہوں تم نے مجھے اس کمرے کے متعلق بتایا کیوں نہیں تھا۔"

"کوئی یقین نہیں کرتا.... ویسے آپ خود سوچئے۔ کیا یہ معجزہ نہیں ہے کہ اس سیزن میں آپ کو فرازرو کا کوئی کمرہ خالی نہیں ملے گا۔ شروع شروع میں ہم نے لوگوں سے بتایا تھا کہ وہ کمرہ آسیب زدہ ہے لیکن لوگ یہی سمجھتے تھے کہ ہم اسے کسی مقصد کے تحت خالی رکھنا چاہتے ہیں۔ اس

پر اکثر جھگڑا بھی ہو گیا ہے پھر ہم نے یہ کہنا بھی چھوڑ دیا کہ وہ آسیب زدہ ہے.... لوگ آتے ہیں اور خود ہی بوکھلا کر چلے جاتے ہیں۔ کسی بات کا تذکرہ تک نہیں کرتے۔ آپ پہلے آدمی ہیں جس نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔"

"یہ کب سے آسیب زدہ ہے۔"

"پچھلے ایک سال سے۔ اس کا لطیفہ بھی دلچسپ ہے جناب۔" سپروائزر مسکرایا۔ "پچھلے سال ایک صاحب تشریف لائے تھے.... کیا نام.... ہاں.... کرنل وارڈ صاحب۔ بھلا یہ نام کیسے بھلایا جاسکتا ہے۔ میرے ذہن سے چپک کر رہ گیا ہے۔ عجیب و غریب شخصیت تھی۔ ہاں تو وہ تشریف لائے تھے۔ وہ کمرہ خالی تھا۔ مگر اس کی بکنگ ایک سرکاری آفیسر کے لئے ہو چکی تھی۔ کلرک سے غلطی یہ ہوئی کہ اس نے ریزرویشن کا رجسٹر دیکھے بغیر ہی اسے کرنل وارڈ کو دے دیا۔ تین دن بعد اس سرکاری آفیسر کا تار ملا کہ وہ آرہا ہے۔ تب ہم سبھوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ بقیہ سارے کمرے بہت دنوں سے بھرے ہوئے تھے ہم کس سے کہتے کہ وہ اپنا کمرہ خالی کردے.... آخر کار ہم کرنل وارڈ ہی کے پاس پہنچے۔ اس نے سنا تو آپے سے باہر ہو گیا۔ کہنے لگا۔

"تم کسی آفیسر کی بات کر رہے ہو۔ یہاں تو میرے علاوہ وزیر اعظم بھی نہیں رہ سکتا۔"

ہم نے لاکھ سر پٹخا لیکن وہ نہ مانا۔ پھر میں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا کیونکہ منیجر کا نزلہ مجھ پر ہی گرا تھا۔ ذمہ داری میری تھی۔ میری ہی غفلت کی بناء پر وہ کمرہ کرنل وارڈ کو دے دیا گیا تھا۔ میرا حلیہ شاید اسے مضحکہ خیز معلوم ہوا تھا۔ وہ بے ساختہ ہنس پڑا اور بولا۔ "اچھا بھئی تمہاری خاطر میں فی الحال یہ کمرہ چھوڑ رہا ہوں.... لیکن اسے لکھ لو کہ اس میں میرے علاوہ اور کوئی نہ رہ سکے گا۔ ہزاروں روحیں میرے قبضے میں ہیں اور میں کرنل وارڈ ہوں۔ یہ نام ہمیشہ یاد رکھنا.... بس جناب کرنل وارڈ چلا گیا۔ وہ آفیسر صاحب تشریف لائے۔ لیکن اسی رات کو انہوں نے وہ چیخم دھاڑ مچائی کہ خدا کی پناہ۔ دو بجے رات کو انہوں نے کمرہ خالی کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ کمرے میں کوئی بُری روح گھس آئی ہے وہ اسی وقت کسی دوسرے ہوٹل میں چلے گئے تھے۔ دوسرے دن ہی کرنل وارڈ پھر موجود نظر آیا اور وہ کمرہ اسی کے استعمال میں رہا.... بس اب تو یہ سمجھ لیجئے کہ یہ کمرہ اس کے باپ کی جاگیر بن کر رہ گیا ہے۔ وہ جب بھی آتا ہے اُسے یہ کمرہ خالی ہی ملتا ہے۔"

"وہ کہاں سے آتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"دارالحکومت سے۔"

"ہوں.... تو وہ کوئی بُری روح ہے۔"

"خدا بہتر جانتا ہے جناب۔ ہم نے تو آج تک نہ کچھ دیکھا نہ سنا۔"

"خیر اب یہ بتاؤ کہ کیا اب ہم تمہارے ہی کمرے میں بستر لگائیں۔"

"میں کیا عرض کر سکتا ہوں جناب۔ اگر منیجر صاحب فرمائیں تو آپ میری کھوپڑی پر بھی استراحت فرما سکتے ہیں۔" سپروائزر نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں اگر منیجر صاحب کی جگہ ہوتا تو بتاتا اس کرنل وارڈ کو.... مگر ان کی تو اس کے نام ہی سے روح فنا ہوتی ہے.... میں کمزور دل کا آدمی ضرور ہوں جناب مگر یہ جن بھوت پری وغیرہ.... ان سے میں نہیں ڈرتا۔ بس میرے سامنے چیخ کر نہ بولئے.... میز پر زور سے گھونسہ نہ ماریئے۔ میرا دل فولاد کا ٹکڑا بنا رہے گا.... جی ہاں.... جناب....!"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرے لئے کسی دوسرے ہوٹل میں انتظام کرو۔ ورنہ فزارو کو جہنم کا نمونہ بنا دوں گا۔ کرنل وارڈ کی ایسی کی تیسی۔ اُسے بھی دیکھوں گا۔"

"وہ آج کل میں تشریف لانے ہی والے ہیں۔" سپروائزر مسکرا کر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ ان کی روحوں نے اسی لئے آپ کو اس کمرے میں نہیں ٹکنے دیا۔"

حمید نے سوچا کہ اب منیجر سے جا ٹکرائے۔ لیکن پھر ارادہ بدل دیا۔ وہ فی الحال یہاں سے چلا ہی جانا چاہتا تھا کیونکہ ابھی وادیٔ کاجیک کا مسئلہ باقی تھا۔

وہ آصف کے پاس واپس آگیا۔ آصف اب بھی اسی طرح کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا تھا.... اب اس کا سینہ تو لوہار کی دھونکنی نہیں معلوم ہوتا تھا لیکن پھٹی پھٹی آنکھوں سے اب بھی خوف جھانک رہا تھا۔

"ہم یہاں نہیں رہیں گے۔" حمید نے کہا۔

اور آصف نے چونک کر پلکیں جھپکائیں۔ تھوڑی دیر تک خالی الذہنی کے سے انداز میں حمید کی طرف دیکھتا رہا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہی بہتر ہے۔"

"مگر....!" آج کل یہاں کسی ہوٹل میں بھی گنجائش نہیں نکل سکے گی۔"

"پھر ہم واپس چلیں گے۔" آصف جو بہت کچھ سنبھل چکا تھا میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"واپس چلیں گے۔" حمید نے حیرت سے دہرادیا۔

"نہیں تو پھر کیا سڑکوں پر ڈیرے ڈالتے پھریں گے۔"

"سیٹھ جی۔ آپ اپنے خادم کی توہین کر رہے ہیں۔" حمید نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"یار مت پریشان کرو۔ میں تنگ آگیا ہوں۔ بہت جلد پنشن لے لوں گا۔!"

"اس مہم کے بعد میں بھی کسی یتیم خانے کی منیجری کا ارادہ رکھتا ہوں!" حمید سر ہلا کر بولا۔

"مگر اس وقت مسئلہ ہے سر چھپانے کا۔ ایک تجویز ہے میرے ذہن میں لیکن ہمیں ایک غیر سرکاری آدمی کے ساتھ قیام کرنا پڑے گا.... میرا دعویٰ ہے کہ اس نے کم از کم دو کمرے ضرور انگیج کیے ہوں گے۔ یا کم از کم اتنا بڑا کمرہ ضرور حاصل کیا ہوگا جہاں خود سما سکے۔"

"اوہ.... وہ دیو تو نہیں جو....!"

"ہاں.... وہی قاسم! شاید آپ اُسے جانتے ہیں۔"

"تمہارے ہی سلسلہ میں اکثر اس کا نام بھی سننے میں آیا ہے۔"

"ہاں تو پھر کیا آپ اس کے ساتھ رہ سکیں گے۔"

"میں گدھوں کے ٹھیکیدار کے ساتھ بھی رہ سکتا ہوں مگر یہاں اُس کمرے میں۔"

"ٹھہریئے میں اُسے فون کرتا ہوں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ اتنے میں وہی لڑکی زیبا تیزی سے ان کی طرف آتی دکھائی دی جس سے کچھ دیر قبل اس نے گفتگو کی تھی۔

"آپ لوگ وہ کمرہ چھوڑ رہے ہیں۔" اُس نے آصف سے پوچھا۔

"جی.... جی ہاں....!" آصف نے بوکھلا کر جواب دیا۔

"پھر اب کہاں جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ شاید آپ کو کہیں بھی کوئی کمرہ خالی نہ ملے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ ہم کمرہ چھوڑ رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"میں آپ سے بات نہیں کر رہی۔" زیبا جھنجھلا کر بولی۔ "سیٹھ صاحب سے مخاطب ہوں۔"

"ایک ہی بات ہے۔" آصف نے خوش ہو کر کہا۔ "یہ میرے سیکرٹری ہیں۔"

"ہوں گے۔ مجھے بالکل پسند نہیں ہیں.... ابھی سپروائزر نے بتایا کہ آپ کو بھی وہم نے گھیرا ہے اور آپ کمرہ چھوڑ رہے ہیں۔"

"ارے یہ بات نہیں ہے۔" آصف اکڑ کر بولا۔ "مجھے تو ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے۔ لیکن

میں سیکریٹری کے بغیر کیسے رہوں گا۔ یہ حضرت بھاگ نکلیں گے۔"

"انہوں نے کسی عورت کو گاتے سنا تھا۔ یوں تو میں نے بھی کسی عورت کی آواز سنی تھی مگر کیا میں ڈرتا ہوں۔"

"میرا تو دم نکلا جارہا ہے۔" حمید کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

آصف آنکھوں ہی آنکھوں میں اُس کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ غالباً اُسے ڈر تھا کہ کہیں حمید اپنا اصلی روپ نہ دکھانا شروع کردے۔

"رہائش کا انتظام تو ہو سکتا ہے۔" زیبا نے سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن اخراجات زیادہ ہوں گے۔"

"اخراجات کی پرواہ مت کرو۔ ہمیں اخراجات کی پرواہ کبھی نہیں ہوئی۔" آصف اکڑ کر بولا۔

"کیا سمجھیں....!" حمید نے زیبا کو آنکھ ماری۔

"دیکھئے.... یہ دیکھئے۔" زیبا اچھل پڑی۔

"کیا بات ہے۔"

"انہوں نے ابھی مجھے آنکھ ماری تھی.... صبح سے میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔"

"سیکریٹری....!" آصف کو سچ مچ غصہ آگیا۔

"اب نہیں ماروں گا۔" حمید نے مردہ سی آواز میں کہا۔ "ویسے اسے خوشی تھی کہ لڑکی رنگ پر آگئی ہے اور اب وہ آصف کے پچھلے حساب بے باک کر سکے گا۔"

لڑکی پھر آصف کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"چھوری پیک پر میری بیوہ چچی کا ایک ہٹ ہے۔ میں انہیں اپنے گھر لے جاؤں گی۔ لیکن آپ کو کم از کم پندرہ روپے یومیہ کرایہ ادا کرنا پڑے گا۔ اور سیزن ختم ہونے سے پہلے آپ ہٹ نہیں چھوڑیں گے.... میری خدمات مفت! فرصت کے اوقات میں آپ کے کام کر دیا کروں گی بات دراصل یہ ہے کہ چچی کی مالی حالت خراب ہے۔ اس طرح ان کی مدد بھی ہو جائے گی۔"

"بالکل بالکل....!" آصف نے سر ہلا کر کہا۔ "کیوں سیکریٹری۔"

"کئی بار بالکل سیٹھ صاحب۔" حمید بولا۔

"دیکھا آپ نے....!" زیبا بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "آپ کے سیکریٹری کو گفتگو کرنے کا سلیقہ بھی نہیں ہے۔"

"سر چڑھا ہے۔ تم اس کی بھی فکر نہ کرو۔" آصف نے شاہانہ انداز میں کہا اور حمید نے دل ہی دل میں اُسے ایک گندی سی گالی دی۔

"آپ اپنا سامان سمیٹئے۔ میں گاڑی کا انتظام کرتی ہوں....!" زیبا نے کہا اور باہر چلی گئی۔

حمید اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"یہ لڑکی مجھے الجھن میں مبتلا کر رہی ہے۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اپنے پاس رکھو اپنی الجھنیں۔" آصف نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اور محتاط رہو۔ ہم یہاں سڑکوں پر پڑے رہنے کے لئے نہیں آئے۔ ہزار روپیہ یومیہ بھی محکمے کو ادا کرنے پڑیں گے۔ اس قسم کے کام ہنسی کھیل نہیں ہوتے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "لیکن اس لڑکی کو دیکھ کر میرے دل میں نہ جانے کیا ہونے لگتا ہے۔"

"حمید صاحب۔ میں فریدی نہیں ہوں۔ آپ کو میرا پابند رہنا پڑے گا سمجھے۔"

"سمجھ گیا۔" حمید نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"آپ اس لڑکی سے چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے۔"

"ہر گز نہیں.... آپ کہیں گے تو ڈاڑھی چھوڑ کر گھیر دار شلوار پہننا شروع کردوں گا۔ قتل کردوں گا اس دل نامراد کو.... ڈیوٹی از آفٹر آل ڈیوٹی۔"

اتنے میں ایک ویٹریس نے آکر حمید سے کہا۔ "آپ کی ٹرنک کال ہے مسٹر ساجد۔"

حمید کاؤنٹر کی طرف مڑ گیا۔ ٹرنک کال فریدی کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی تھی۔ حمید نے ریسیور کاؤنٹر کلرک کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ہیلو....!" وہ ماؤتھ پیس میں چیخا۔

"کیپٹن حمید....!" دوسری طرف سے آواز آئی اور یہ آواز سو فیصدی نسوانی تھی۔ حمید اچھل پڑا.... یہ تو وہی آواز تھی۔ قطعی وہی آواز جو اس نے کچھ دیر پہلے آسیب زدہ کمرے میں سنی تھی۔

"کون ہے۔" حمید پھٹی پھٹی آواز میں بولا۔ "میں ساجد ہوں۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"نہیں تم کیپٹن حمید ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں انٹر نیشنل آرٹ ایگزبیشن

سے چرواہی بول رہی ہوں.... کمرہ چھوڑ کر کیوں بھاگے جا رہے ہو پیارے.... میں تم سے عشق کروں گی.... تمہیں بھی مصور بناؤں گی۔"

خوفزدہ لڑکی

حمید کے سارے جسم میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ انٹر نیشنل آرٹ ایگزبیشن تو خیر اس کے ذہن کی دسترس سے باہر نہیں تھی۔ اسے علم تھا کہ دارالحکومت میں مصوری کی بین الاقوامی نمائش ہو رہی ہے۔ لیکن یہ چرواہی کیا بلا تھی اور اُسے مصوری سکھانے کا کیا مطلب تھا۔

"یہ کیا بکواس ہے۔" حمید نے جی کڑا کر کے کہا۔ "یہ کس کمرے کا تذکرہ ہے۔!"

"ارے....!" کھنکتی ہوئی سی ہنسی کی آواز دوسری طرف سے آئی۔ پھر کہا گیا۔ "کیا تم میرے خوف سے کمرہ چھوڑ کر نہیں بھاگے جا رہے۔"

"پتہ نہیں تم کیا اوٹ پٹانگ بکواس کر رہی ہو۔ خدا جانے تمہارا مخاطب کون ہے.... میں ساجد ہوں۔ تم نے جو نام لیا ہے غلط ہے.... میں بیچارہ سیٹھ ہاشم بھائی کا سیکریٹری ہوں۔"

"آصف سے بڑا گدھا بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا....!" دوسری طرف سے آواز آئی اور حمید نے جھلا کر ریسیور کریڈل میں پٹخ دیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اگر وہ کوئی بُری روح ہے تو ان سے کیا چاہتی ہے۔ وہ پھر آصف کی طرف پلٹ آیا جو اُسے اکتائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کون تھا فون پر....!" آصف نے پوچھا۔

"میری چچی جان۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "ان کے شوہر کے سالے کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے۔"

"پھر بیکار باتیں کرنے لگے۔"

"یہ میرا نجی معاملہ ہے سیٹھ صاحب۔ میں اپنی چچی جان کے شوہر کے سالے کے بہنوئی کے ہمزلف کے خسر کی بھی علالت کی اطلاع وصول کر سکتا ہوں۔ کوئی مجھے اس سے روک نہیں سکتا۔"

"یار ختم کرو۔ لڑکی نے ابھی اطلاع بھجوائی ہے کہ اس نے سواری کا انتظام کرلیا ہے۔ اب چلو سامان سمیٹیں۔"

حمید چپ چاپ اُس کے ساتھ کمرے میں چلا آیا۔

"اچھا بیٹا سیٹھ جی۔" حمید بڑبڑایا۔ "تم بھی کیا یاد کرو گے۔ بڑی ڈینگیں مار رہے تھے لونڈیا کے سامنے اب میں تمہیں دیکھوں گا۔"

پھر وہ بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔ پائپ میں تمباکو بھر کر اُسے سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لیتا ہوا آرام کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

تھوڑی دیر بعد باہر سے قدموں کی آواز آئی لیکن حمید نے مڑ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔

"اور یہ حضرت یہیں تشریف فرما ہیں۔" اس نے زیبا کی آواز سنی۔ لیکن اس کی پوزیشن تبدیل نہ ہوئی۔ اُسی طرح آرام کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا پائپ کے کش لیتا رہا۔

"یہ خود بھی.... مخود بھی بھوت ہی ہے....!" آصف کی بھرائی ہوئی سی آواز کمرے میں گونجی۔

حمید نے ہونٹوں سے پائپ نکالا اور ہونٹ سکوڑ کر ان کی طرف مڑے بغیر بولا۔ "میں ہر حال میں عورت کا غلام ہوں۔ سیٹھ صاحب! چاہے وہ چڑیل ہی کیوں نہ ہو۔ وہ اس وقت بھی مجھے ایک فلمی گیت سنا رہی ہے۔"

"یہ حقیقت بھی تھی.... کوئی عورت ہولے ہولے اس کے کانوں میں مسلسل گا رہی تھی۔"

"اجی چلے آؤ.... اجی چلے آؤ....!"

"میں تو کچھ بھی نہیں سن رہی۔" زیبا نے کہا۔

"اس وقت تو میں بھی کچھ نہیں سن رہا۔" آصف بولا۔

"لیکن اگر اس وقت کوئی مجھ سے میرا نام پوچھے تو میں ہر حال میں میگا فون بتاؤں گا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"ارے اب اٹھو گے بھی۔" آصف جھلا کر بولا۔

"پورا گیت سننے کے بعد.... فلم ہلاکو کا ایک طربیہ گیت ہے جس نے ہلاکو کو ہلاکو بنایا تھا.... ورنہ آئندہ نسلیں اُسے شیخ چلی کہتیں....!"

"تم جھوٹے ہو....!" زیبا نے کہا۔

"آؤ.... میرے قریب آکر بیٹھ جاؤ۔ تمہاری مقدر میں ہوگا تو تم بھی سن لو....!" حمید بولا۔

زیبا آگے بڑھی اور آرام کرسی کے قریب فرش پر اکڑوں بیٹھ گئی۔

حمید نے اس کے چہرے کا رنگ اڑتے دیکھ کر اندازہ کرلیا کہ وہ بھی اُس گیت سے محروم نہیں رہی۔

"میرے خدا....!" زیبا یک بیک اچھل کر دروازے کی طرف بھاگی۔

آصف جو پہلے ہی سے "پادر ہوا" تھا اس سے اُس بُری طرح ٹکرایا کہ دو چیخیں بیک وقت کمرے میں گونج اٹھیں۔

"خدا غارت کرے۔" حمید جھلا کر کھڑا ہو گیا۔ "سیٹھ! آپ کبھی آدمی نہیں بن سکتے۔ آرٹ سے محظوظ ہونے کا سلیقہ آپ میں کبھی نہیں پیدا ہو سکتا۔ اتنے حسین گیت کا بیڑا غرق کرا دیا۔"

پھر وہ ہاتھ ہلا ہلا کر بڑے دردناک لہجے میں کہنے لگا۔

"گاؤ.... گاؤ.... اے روح بہار گاتی رہو.... تمہارے نغمے روح کی جڑوں میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ خدارا میرے کانوں میں شربت گھولتی رہو۔"

آصف اور زیبا راہداری میں کھڑے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھ رہے تھے۔

"ارے نکلو یہاں سے....!" آصف دونوں ہاتھ ہلا کر چیخا۔ "کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔"

"آپ خود نکل جایئے۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "میں روح بہار کو نہیں چھوڑ سکتا.... مانا کہ آپ میرے والد ہیں.... پھر اس سے کیا.... وہ زمانے لد گئے جب اولادیں اپنی محبوباؤں کا تذکرہ باپوں کے سامنے نہیں لاتی تھیں۔ یہ بیسویں صدی ہے ابا جان.... کیا آپ نے کبھی عشق نہیں کیا۔"

آصف بوکھلا کر سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ دفعتاً اس کے کانوں میں آواز آئی۔

"دفع ہو جاؤ تم لوگ پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر کمرہ چھوڑ دو۔ ورنہ بڑے خسارے میں رہو گے.... نکلو....!"

آصف کانپتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا لگا۔

"کیا ہوا.... سیٹھ صاحب۔" زیبا نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ خدا کے لئے اسے کسی طرح کمرے سے نکالو.... اس کا دماغ الٹ گیا ہے شاید۔"

آسیب کا سایہ ہو گیا ہے۔"

"خبر دار اگر کسی نے کمرے میں قدم بھی رکھا۔" حمید دھاڑا۔ "جلا کر خاک کر دوں گا۔ اِ وقت چاند سورج میری مٹھی میں ہیں اور روح بہار میرے گرد رقص کر رہی ہے۔ چلے جاؤ... چلے جاؤ۔"

وہ چنگھاڑتا رہا "چلے جاؤ.... چلے جاؤ۔" پھر چکرا کر گر پڑا.... دانت پر دانت جمالئے اور جسم اِ طرح اکڑا لیا کہ اٹھائے جانے پر شاید کسی پتھر کے بت کی طرح سیدھا اٹھتا چلا جاتا۔

"اوہ.... یہ کیا ہو.... کیا ہوا....!" اس نے آصف کی گلوگیر آواز سنی۔

"شاید بیہوش ہو گیا ہے۔" زیبا کی آواز آئی "ٹھہریئے۔ میں آدمیوں کو بلاتی ہوں۔ آپ بالکل نہ گھبرایئے۔"

پھر سناٹا چھا گیا اور وہ اسی طرح چاروں شانے چت پڑا رہا۔

کچھ دیر بعد اُسے اپنے جسم کی اکڑن کے کمالات دکھانے پڑے۔ یہ اس وقت کی بات جب اسے فرش سے اٹھانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

"میرے خدا.... جسم بالکل پتھر ہو کر رہ گیا ہے...." کسی نے کہا تھا اور پھر حمید کو تھو دیر تک دوسروں کے ہاتھوں پر سفر کرنا پڑا تھا۔ ڈائیننگ ہال کے فرش پر ایک کمبل بچھایا گیا اور حم کو اس پر ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر ہی کی باری تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے تک یہی سب کچھ ہ رہا۔ ڈاکٹر نے پے در پے اُسے تین انجکشن دیئے جس کے اثر سے اُسے اپنے اندر انگارے بھ ہوئے معلوم ہونے لگے تھے۔ لیکن اس کی پیشانی پر شکن تک نہیں آئی تھی۔ غرضیکہ بڑی مشکل سے اُسے ہوش آیا تھا۔ شاید وہ آصف کو بور کرنے کیلئے بیہوشی کی مدت کچھ اور طویل کر دیتا اب وہ خود بھی بور ہونے لگا تھا۔

پھر آدھ گھنٹہ طبیعت سنبھالنے میں لگ گیا۔ اس کے بعد وہ ایک بڑی سی وین میں بیٹھ چھوری پیک کی طرف روانہ ہو گئے۔ حمید بالکل خاموش تھا.... آصف اور زیبا اُسے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

چھوری پیک کا سفر زیادہ طویل نہیں تھا آدھے گھنٹے میں وہاں پہنچ گئے۔ چھوری پیک پُر فضا جگہ تھی۔ یہاں جگہ جگہ لکڑی کے رنگین ہٹ نظر آتے تھے.... حمید سوچ رہا تھا کہ ز

یہ وہ چچی بھی بڑی گریٹ عورت معلوم ہوتی ہے جس نے چھوری پیک پر ہٹ بنوا رکھا ہے۔

یہ ہٹ تین آرام دہ کمروں پر مشتمل تھا۔ یہاں حمید کو ایک بوڑھی عورت نظر آئی جو اس عمر میں بھی خاصی وجیہہ تھی۔ خدوخال چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ وہ اپنا حکم منوانے کی عادی ہے۔ شاذ و نادر مسکراتی بھی ہو گی۔

اس نے ان کا استقبال خندہ پیشانی سے کیا اور کافی دیر تک اپنے ہٹ کے متعلق خاکسارانہ انداز میں گفتگو کرتی رہی جس کا لب لباب یہی تھا کہ انہیں یہاں آرام ضرور ملے گا۔ خواہ اس ہٹ میں دنیا بھر کی بلائیں ہی کیوں نہ موجود ہوں۔ پھر حمید کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "انہیں کیا ہوا ہے۔ کیا یہ بیمار ہیں۔"

"اوہ.... ہاں آنٹی۔" زیبا نے کہا۔ "ان پر اختلاج قلب کے دورے پڑتے ہیں۔"

"چچ چچ....!" آنٹی نے چہرے پر اداسی طاری کر کے کہا۔ "بڑا نامراد مرض ہے.... خدا محفوظ رکھے۔"

"ارے بھئی کیا ہوا۔" آصف جھنجھلا کر بولا۔

"جب سے.... جب سے۔" حمید ہچکیاں لیتا ہوا ہکلانے لگا۔

"جب سے میری ماں کا انتقال ہوا ہے میں بوڑھی.... عورتوں کو دیکھ کر.... اسی.... اسی طرح رو پڑتا ہوں۔"

"کیا بات ہوئی....!" آصف آنکھیں نکال کر بولا۔

"ہائے.... میں سوچتا ہوں کہ یہ بھی جلد ہی مر جائیں گی۔" حمید ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔ زیبا بے ساختہ ہنس پڑی۔

"کیوں دانت نکالتی ہے لڑکی....!" آنٹی نے چیخ کر کہا۔ شاید حمید کی بیباکی گراں گزری تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے.... حمید اور آصف الگ الگ کمروں میں تھے اور زیبا کی آنٹی نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ اگر تیسرے کمرے کو یہ خود استعمال کرتی رہے تو کیا حرج ہے.... اس طرح ان دونوں کی دیکھ بھال بھی ہو سکے گی۔

"کوئی حرج نہیں ہے۔" آصف نے زیبا سے کہا۔ "یہ بڑی اچھی بات ہے۔"

اتنے میں حمید بھی آصف کے کمرے میں پہنچ گیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اس سے پریشان کن اور کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔"

"کیا مطلب....!" آصف بھنا گیا۔

"میں صبح سے شام تک زار و قطار روتا ہی رہوں گا۔"

"یار.... ہمپ.... سکریٹری.... تم اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"نہیں میں وہاں جا رہا ہوں...." حمید نے کھڑکی سے افق کی طرف اشارہ کیا۔ "روح بہار گا رہی ہے.... اجی چلے آؤ.... اجی چلے آؤ.... میں جاؤں گا مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔"

دفعتاً آصف کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آنے لگے۔ زیبا بھی متحیر سی دکھائی دیتی تھی۔

"بڑی مصیبت ہے۔" آصف بڑبڑایا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ اب ٹھیک ہو گیا ہوگا۔"

"اور میں سوچتی ہوں کہ اگر آنٹی کو اس کا علم ہوا کہ ان پر آسیب کا سایہ ہے تو وہ آپ لوگوں کو یہاں ٹکنے ہی نہ دیں گی۔"

اور حمید یہی چاہتا بھی تھا۔ پہلے اس نے سوچا تھا کہ قاسم کا ساتھ ہو جائے گا۔ پھر مزے ہی مزے ہوں گے۔ مگر یہ زیبا غیر متوقع طور پر درمیان میں آ کودی تھی۔

"دیکھو بھئی۔" آصف نے حمید سے کہا۔ "تم اپنی روح بہار کے متعلق دل ہی دل میں سوچتے رہو۔ زبان سے کچھ نہ کہو۔ ورنہ ہم اس سے بھی نکالے جائیں گے۔"

"میں زبان سے کیسے نہ کہوں.... چاند سے کہئے کہ وہ چمکتا رہے۔ چاندنی نہ پھیلائے۔ پانی سے کہئے کہ وہ بہتا رہے۔ لیکن پیاس نہ بجھائے۔ بارہ سنگھے سے کہئے.... بارہ سنگھے.... لے لے.... سے....!"

حمید ٹھوڑی کھجاتا ہوا کچھ سوچنے لگا اور پھر چونک کر بولا۔ "ہاں تو میں ابھی کیا کہہ رہا تھا۔"

"تم صرف بکواس کر رہے تھے مگر میں کہہ رہا ہوں کہ کہیں تمہیں سرکاری طور پر پاگل خانے میں نہ بھجوا دیا جائے۔"

"اس نے یہی کہا تھا کہ میں تمہیں پاگل خانے میں ملوں گی.... مجھے وہیں بھجوا دیجئے ابا جان۔ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"ابا جان۔" اس نے کچھ ایسے انداز میں کہا تھا کہ زیبا ہنس پڑی۔ ظاہر ہے کہ اس پر آصف نے انگارے ہی چبائے ہوں گے۔

"جاؤ.... جاؤ تم اپنے کمرے میں...." وہ اُسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

حمید نے مزاحمت نہیں کی۔ چپ چاپ اپنے کمرے میں واپس چلا آیا.... وہ بے تحاشہ قہقہے لگانا چاہتا تھا کیونکہ آصف کو بکرا بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

یہ سب کچھ تھا! مگر وہ آواز مستقل طور پر الجھن کا باعث بن گئی تھی اس نے فون پر اُسے صاف پہچانا تھا۔ وہ آسیب زدہ کمرے والی آواز سے مختلف نہیں تھی مگر نیشنل آرٹ گیلری اور چرواہی کا کیا مطلب ہوا۔

اُسے اس سلسلے میں فریدی سے فون پر گفتگو کرنی چاہئے مگر کس وقت اور کہاں سے۔ یہاں اسی ہٹ میں فون نہیں تھا وہ سوچتا رہا کچھ دیر بعد خیالات کی رو پر اسرار کرنل وارڈ کی طرف مڑی۔ وہ کون تھا اور اکثر و بیشتر ٹیکم گڈھ کیوں آیا تھا۔ اپنی کسی سیاہ روح سے فرازو کا ایک کمرہ کیوں بیکار کر دیا تھا۔ فرازو کا عملہ اس سے خائف بھی رہتا تھا۔

اب حمید نے سوچا کہ ان سوالوں کے جوابات مستقل طور پر پاگل بنے رہنے سے نہ مل سکیں گے۔ اس لئے کبھی کبھی ہوش کی باتیں بھی کرنی چاہئیں۔

لہٰذا دوسری صبح جب وہ سو کر اٹھا تو آصف نے اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں دیکھی سوائے اس کے وہ اُس ہٹ میں اپنی موجودگی پر اظہار حیرت کر رہا تھا.... ناشتے کی میز پر زیبا کی آنٹی بھی موجود تھی۔ حمید نے آصف سے اس کے متعلق کچھ نہیں پوچھا لیکن چہرے کے اتار چڑھاؤ نے اسے سمجھا دیا کہ وہ اُس بوڑھی عورت کو بھی حیرت سے دیکھ رہا ہے۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے جناب۔" بوڑھی نے پوچھا۔

"جی.... ٹھیک ہوں محترمہ۔" حمید نے ایسے انداز میں کہا جیسے اپنے جواب سے مطمئن نہ ہوا ہو یا یہ جواب یونہی سمجھے بوجھے بغیر دیا گیا ہو۔

ناشتے کے بعد بوڑھی چلی گئی اور آصف نے حمید سے پوچھا۔

"یار اب تم ٹھیک ہو نا۔"

"مجھے کیا ہوا ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "لیکن ہم یہاں کب اور کیسے آئے! یہ غالباً چھوری پیک ہے۔ مگر زیبا کہاں ہے۔"

آصف نے اُسے بتایا کہ اس آسیب زدہ کمرے میں اس پر کیا گزری تھی۔

"مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔" حمید اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بڑبڑایا۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے۔"

پھر وہ کافی دیر تک اُس آسیب زدہ کمرے کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ اس دوران میں وادی کاجیک کا تذکرہ بھی نکلا تھا۔ لیکن حمید نے اُسے آگے نہیں بڑھنے دیا تھا۔

گیارہ بجے زیبا آئی۔ حمید نے سوچا کہ اس سے کرنل وارڈ کے متعلق معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں کیونکہ وہ بھی بہت دنوں سے فزارو میں کام کرتی ہے۔

"میں معافی چاہتا ہوں محترمہ زیبا....!" اس نے اس سے کہا۔ "سیٹھ سے معلوم ہوا ہے کہ کل میں کچھ بہک گیا تھا۔"

"اوہ تو کیا اب یہ ٹھیک ہیں۔" اس نے آصف سے پوچھا اور آصف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہوئی۔" زیبا خوش ہو کر بولی۔ "ورنہ آنٹی! مجھے بھی چھیل کر رکھ دیتیں۔"

"کیا کرنل وارڈ آ گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"کرنل وارڈ.... نہیں تو....!"

"کیا یہ حقیقت ہے کہ اس کمرے کی آسیب زدگی میں اسی کا ہاتھ ہے۔"

"خدا جانے مشہور تو یہی ہے۔ ارے وہ بھی تو دارالحکومت ہی میں رہتا ہے۔ کیا آپ اُسے نہیں جانتے۔"

"نہیں! میں نے پہلی بار اس کا نام سنا ہے۔ کیوں سیٹھ صاحب۔"

"ہاں بھئی....!" آصف نے کہا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

"کیا فزارو والے اس سے خائف رہتے ہیں۔"

"بہت زیادہ....! اس کی صورت ہی سے معلوم ہوتا ہے جیسے وہ ٹوٹی پھوٹی قبروں میں راتیں گزارتا ہو۔"

"یہاں اکثر وہ پہاڑوں پر ہڈیاں اور کھوپڑیاں تلاش کرتا پھرتا ہے۔"

"فزارو کا منیجر اس کی زبردستیوں کے خلاف رپورٹ کیوں نہیں کرتا۔"

"ارے اس کی تو روح فنا ہوتی ہے اُس سے۔ حالانکہ کرنل کی وجہ سے فزارو کی شہرت کو بھی نقصان پہنچا ہے۔"

"ٹیکم گڈھ واقعی بڑی عجیب جگہ ہے۔" حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔

"کبھی کبھی ننگی لاشیں ملتی ہیں! کبھی فزارو کے کمرے میں روحیں ناچتی ہیں کبھی وادئ کاجیک میں دھوئیں کا منارہ تیار ہو جاتا ہے۔"

"دھوئیں کا منارہ۔" زیبا بڑبڑائی۔ "یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"سنا ہے تم نے اس کے متعلق؟" حمید نے سوال کیا۔

"ٹیکم گڈھ ایسی حیرت انگیز خبروں کے لئے مشہور ہے۔" زیبا مسکرائی۔

"ایسی ہوائیاں عموماً یہیں سے چھوٹتی ہیں۔"

"تو تمہیں اس پر یقین نہیں آیا۔"

"میں اس وقت تک کسی چیز پر یقین نہیں کرتی جب تک کہ اسے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔"

یک بیک آصف اچھل پڑا.... حمید نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔

"اس نے تو یہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑا۔" آصف بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "وہ ہنس رہی ہے۔ قہقہے لگا رہی ہے۔"

"اب سیٹھ صاحب۔" زیبا دانت پیس کر بولی۔ "خدا کے لئے یہاں یہ سب کچھ نہ پھیلاؤ۔ ورنہ آنٹی۔"

اس نے جملہ نہیں پورا کیا۔ وہ ایک صوتی جھٹکے کے ساتھ خاموش ہو گئی۔ اس کی نظریں کھڑکی سے باہر تھیں.... اور چہرے سے خوف ظاہر ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے کرسی سے اٹھے بغیر پوچھا۔

"کرنل وارڈ....!" زیبا کی آواز حلق میں پھنس رہی تھی۔ آصف اور حمید دونوں ہی جھپٹ کر کھڑکی کے پاس پہنچ گئے۔

ٹوکنے والے

تین چار سو گز کے فاصلے پر سیاحوں کا ایک قافلہ گزر رہا تھا۔ یہ سب خچروں پر سوار تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی۔

"کہاں ہے کرنل وارڈ....!" حمید نے پوچھا۔

"وہ سب سے پیچھے سیاہ خچر پر.... اُس کے سر پر سفید سمور کی ٹوپی ہے۔"

حمید اتنے فاصلے سے خط و خال کا صحیح اندازہ نہ کر سکا لیکن تن و توش تو بہر حال نظر آ رہا تھا۔ اس کے جسم پر تبت کے بھکشوؤں کا سا لبادہ تھا اور اس پر سفید سمور کی ٹوپی کچھ عجیب سی لگ رہی تھی.... اور وہ کوئی قدیم تاتاری معلوم ہو رہا تھا۔

"یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں....!" حمید نے پوچھا۔

"میری دانست میں تو وہی افواہ انہیں وادیٔ کاجیک کی طرف لے جا رہی ہے۔"

"اوہ.... سیٹھ جی۔" حمید آصف کی طرف مڑا۔ "کیوں نہ ہم بھی چلیں۔"

"ارے بیکار ہے....!" زیبا بولی۔ "میں انہیں احمق سمجھتی ہوں جو محض افواہوں پر اپنی انرجی اور دولت برباد کرتے پھریں۔"

"سیٹھ صاحب احمق ہی ہیں.... ارر.... مم.... مطلب یہ کہ.... انہیں۔"

"کیا بکواس ہے....!" آصف آنکھیں نکال کر بولا۔

"زز.... زبان.... لڑکھڑا گئی تھی سیٹھ جی۔"

زیبا ہنسنے لگی اور آصف نے بلند آواز میں کہا۔ "ہاں ہم وادیٔ کاجیک ضرور چلیں گے ذرا دیکھیں تو.... کیا بلا ہے وہ۔"

"خیر ویسے تو وہ ایک خاصی اچھی تفریح گاہ ہے۔ موسم بہار میں وہاں کئی مقامی فرمیں بڑی اچھی کمائی کر لیتی ہیں۔" زیبا بولی۔

"وہ کیسے....!"

"بس جنگل میں منگل! سرحدی حفاظتی چوکی سے ایک ڈیڑھ میل کے فاصلے پر خیمے لگائے جاتے ہیں۔ جو سیاحوں کو کرائے پر دیئے جاتے ہیں۔ دو تین گشتی قسم کے ہوٹل ہوتے ہیں، جو سیاحوں کے لئے ان کی ضروریات مہیا کرتے ہیں۔"

"تب تو بڑا لطف رہے گا سیٹھ جی۔" حمید خوش ہو کر بولا۔ پھر اُس نے زیبا سے کہا۔ "تم بھی چلو۔"

"تم کون ہوتے ہو مجھ سے کہنے والے۔" زیبا آنکھیں نکال کر بولی اور پھر آصف کی طرف دیکھنے لگی۔ آصف صاحب بڑے پیار بھرے لہجے میں بولے۔ "چلو نا....!"

"اچھی بات ہے....!" زیبا نے آہستہ سے کہا اور سر جھکا لیا۔

آصف فاتحانہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا اور حمید نے اپنے چہرے پر ندامت طاری کر لی تھی۔

اسی شام کو وہ ایک قافلے کے ساتھ وادیٔ کاجیک کی طرف روانہ ہو گئے۔ حمید نے فون پر فریدی سے رابطہ قائم کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اُسے فریدی کی طرف سے اس قسم کی کوئی ہدایت نہیں ملی تھی اور اُسے یہ بھی یاد آ گیا تھا کہ انہیں یہاں بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ فریدی کی دانست میں کوئی دھوکے میں رہے۔

اُس نے یہ بھی تو کہا تھا کہ آج کل کوئی اُسے شہر میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ کسی نے اُسے جنوبی امریکہ میں کسی کام کا آفر بھی دیا تھا۔

بہر حال وہ فریدی کو موجودہ حالات سے آگاہ کئے بغیر وادی کاجیک کی طرف روانہ ہو گیا۔

موسم بہار میں رات کا سفر بھی وہاں تفریح ہی میں داخل ہوتا تھا۔ مگر آج کل اندھیری راتیں تھیں پھر بھی سفر تو ہوتے ہی تھے۔

یہ سفر یہاں سے زیادہ لمبا بھی نہیں تھا۔ وہ چار بجے روانہ ہوئے تھے اور انہیں توقع تھی کہ آٹھ بجے تک حفاظتی چوکی کے قریب پہنچ جائیں گے۔

یہ جگہ ان اطراف کی بہت پرانی تفریح گاہ تھی۔ لیکن آج کل تو دھوئیں کا منارہ ہی وہاں کے سفر کا محرک ہوا کرتا تھا۔

سینکڑوں فٹ گہری وادیٔ کاجیک سیاحوں کے لئے بڑی کشش رکھتی تھی اوپر خیمے لگائے جاتے تھے۔ خوب رنگ رلیاں ہوتی تھیں اور نیچے اترنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ مگر بہت کم ایسے ہوتے جنہیں کامیابی ہوتی۔ یہ عموماً مضبوط جسم اور آہنی اعصاب رکھنے والے لوگ ہوتے تھے۔ کیونکہ نیچے پہنچ کر پھر اوپر آنا معمولی قوت کے لوگوں کے بس کا روگ نہیں تھا۔

ویسے وادیٔ کاجیک کی دلکشی تو اوپر سے بھی محسوس کی جاسکتی تھی۔ اس پر گیت لکھے جاسکتے تھے۔ اُسے کہانیوں کا پس منظر بنایا جاسکتا تھا۔ رنگوں اور برش کی مدد سے اُسے کینوس پر محفوظ کیا جاسکتا تھا۔

آٹھ بجے وہ حفاظتی چوکی کے قریب پہنچ گئے۔ چوکی یہاں سے ایک یا ڈیڑھ میل کے فاصلے پر

تھی۔ زیبا نے روانگی سے پہلے ہی خدشہ ظاہر کیا تھا کہ شائد انہیں کوئی خیمہ کرائے پر نہ مل سکے کیونکہ زیادہ تر لوگ پہلے ہی سے بکنگ کرائے رکھتے تھے۔ حمید نے اس کی پرواہ نہیں کی تھی کیونکہ وہ کسی چٹان پر کمبل تان کر چین سے سو سکتا تھا۔ البتہ آصف کو جب یہ معلوم ہوا کہ زیبا کی پیشین گوئی کے مطابق سچ مچ انہیں کسی کھلی چٹان ہی پر رات بسر کرنی پڑے گی تو اُسے حمید پر بے تحاشہ تاؤ آگیا۔

"یار تم ہمیشہ ایسی ہی حرکتیں کرتے رہتے ہو۔" اس نے لال پیلی آنکھیں نکالیں۔

"خاموش رہو.... سیٹھ....!" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں اس وقت پھر روح بہار کے گیت سن رہا ہوں۔"

"جہنم میں جاؤ.... میں چٹان پر بھی پڑا رہ سکتا ہوں۔ مگر یہ زیبا۔"

"زیبا کو پلکوں میں جگہ دیجئے آنکھوں پر بٹھایئے اور اندھے ہو جایئے۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں....!"

"میں جسے بھی چاہوں یہیں اسی جگہ غارت کر سکتا ہوں۔ روح بہار اس وقت میرے پاس موجود ہے.... کہہ رہی ہے کہو تو اس بوڑھے کو اٹھا کر نیچے وادی میں پھینک دوں....!"

"اوہ....! سیٹھ خدا کے لئے خاموش رہو۔ بات نہ بڑھاؤ۔" زیبا جلدی سے بولی۔ انہوں نے ایک شفاف سی چٹان پر بستر ڈال دیئے تھے۔ وہ اکیلے بھی نہیں تھے۔ انہی جیسے نہ جانے کتنوں نے کھلی چٹانوں پر ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ آج کل کھلے میں بھی ایک یا دو کمبل سے زیادہ سردی نہیں ہوتی تھی۔

حمید انہیں وہیں چھوڑ کر مٹر گشتی کے لئے نکل گیا۔ خیموں کے آس پاس پیٹرومیکس لیمپوں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

ایک جگہ ایک بڑا شامیانہ نظر آیا جسے چھ فٹ اونچی قناتوں سے احاطہ کیا گیا تھا.... آمد ورفت کے راستے پر "کیف شبانہ" کا بورڈ آویزاں تھا۔ حمید اس ہوٹل کے نام ہی پر جھوم اٹھا۔ اندر پہنچا تو ساری ہی میزیں بھری ہوئی نظر آئیں۔ مگر وہ سوچ رہا تھا کہ واپس جانے کا نتیجہ بے خوابی کی صورت میں ظاہر ہوگا اور وہاں رکنے کی صورت میں بیٹھنے کی جگہ تو مشکل ہی سے ملتی۔ شائد کھڑا ہی رہنا پڑتا۔

پھر اچانک نہ صرف یہ مشکل آسان ہوگئی بلکہ وہ خوشی کے مارے اچھل بھی پڑا.... قاسم ایسا تو نہیں تھا کہ ہزاروں کا مجمع بھی اُسے چھپا سکتا۔ وہ اپنی میز پر تنہا نہیں تھا بلکہ کئی مرغ مسلم اور دو ایک مسلم رانیں بھی تھیں اور آس پاس کے لوگ اُسے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے وہ میز کی صفائی کے بعد انہیں بھی کھا جائے گا۔

حمید اس کی جانب بڑھا ہی تھا کہ اس کی نظر بھی اُس پر پڑ گئی.... اور وہ گرد و پیش کی پرواہ کئے بغیر کھڑا ہو کر چیخا۔ "آمین.... ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گیا۔ ٹھینگے کی نہیں تو!"

حمید بوکھلا گیا وہ جانتا تھا کہ اُس کی اس حرکت کی بناء پر اُسے بھی لوگ گھورنے لگے ہوں گے۔ لیکن وہ کسی کی طرف دیکھے بغیر قاسم کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"بیٹھو.... پیارے.... باٹھو....!" قاسم کی باچھیں کھلی پڑ رہی تھیں۔ "فزار و گیا تو معلوم ہوا کہ تم شائد ادھر آئے ہو۔ یہاں دوپہر سے جھک مارتا پھر رہا ہوں۔ تمہارا پتہ نہیں۔"

"خیمہ ہے تمہارے پاس۔" حمید نے پوچھا۔ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ چکا تھا۔

"ہے قیوں نہیں! ڈبل دام پر لیا ہے۔ حمید بھائی.... کوئی سالا کھالی ہی نہیں تھا۔ ایک آدمی مل گیا جو یہاں سے جانا چاہتا تھا۔ مگر یہ سالے ہفتے بھر کے پیسے پیشگی لے لیتے ہیں چاہے تم ایک دن رہو چاہے ایک ہفتہ وہ جانا چاہتا تھا۔ اس لئے مجھے ڈبل دام پر دے گیا۔"

"مزے کرو۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "ہم تو کھلی چٹان پر رات گزاریں گے۔"

"قیوں....!"

"ہمیں کوئی خیمہ نہیں مل سکا حالانکہ ہمارے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے۔"

"لل لڑکی....!" قاسم نے نچلے ہونٹ پر زبان پھیر کر کہا۔ "کک.... کون لڑکی۔"

"خاصی تگڑی ہے...." حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"امیں حمید بھائی۔ تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" قاسم غصیلے لہجے میں بولا۔

"کیوں....؟" حمید نے پوچھا۔

"امیں کیا وہ سالا خیمہ اپنی قبر میں لے جاؤں گا۔ وہیں آؤ.... چٹان پر مت لیٹو۔ یہ بھی قوئی بات ہوئی۔ کمال کر دیا.... حمید بھائی.... جیتے رہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ پھر قاسم ہی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "تمہارے ساتھ وہ پلپلے خاں بھی

ہیں.... ابے یہ وہی تو نہیں ہے جس سے ایک بار تمہارا جھگڑا ہوا تھا ہائی سرکل میں.... ابے تم اس سالے کو اپنا آفیسر کہتے ہو۔ کرنل صاحب کہاں رہ گئے۔"

"قاسم بھائی کیا بتاؤں۔" حمید مسمسی صورت بنا کر بولا۔ "میں تو بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ اب تم ہی جو کچھ کرنا چاہو کرو....!"

"قیا قرنا ہے.... کرنا ہے.... غوک....!" وہ نوالہ حلق سے اتارتا ہوا بولا۔

"وہ لڑکی دراصل میں نے تمہارے لئے منتخب کی تھی مگر وہ اُلو کا داماد....!"

"اُلو کا داماد....!" قاسم حیرت سے آنکھیں نکال کر بولا۔ "اے نہیں.... ہاہاہا....!"

"یعنی کہ وہی پلپلے خاں جھٹک لے گیا اس لڑکی کو.... پتہ نہیں کیوں وہ بھی اسی پر لٹو ہو رہی ہے۔"

"ٹٹو.... ہو رہی ہے۔" قاسم نے پھر حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"لٹو.... لٹو....!"

"لٹو کیا ہوتا ہے حمید بھائی....!" قسم نے بے بسی سے پوچھا۔

"ابے لٹو ہونا محاورہ ہے۔"

"اچھا تو وہ سالی محاورہ ہو گئی ہے۔" قسم سمجھ جانے والے انداز میں سر ہلا کر بولا۔ پھر اچانک سر اٹھا کر کہا۔ "یار.... کیا بات ہوئی.... وہ محاورہ کیسے ہو سکتی ہے.... محاورہ کیا چیز ہے.... اُسے تو شائد قاملہ کہتے ہیں۔"

"ہائیں یہ قاملہ کیا بلا ہے....!" حمید اُسے گھورنے لگا۔

قاسم دونوں آنکھیں مار کر مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ "ابے وہ پیٹ میں بچہ وچہ....!"

"اُلو کے پٹھے....!" حمید کی زبان سے نکلا اور ساتھ ہی قہقہے کی دھار بھی۔

قاسم بھی اس کے ساتھ ہی یونہی خواہ مخواہ ہنستا رہا پھر یک بیک چونک کر خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی نظر آ رہی تھی۔

"کیا کہا تھا تم نے۔" دفعتاً اُس نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

"میں نے کچھ بھی تو نہیں.... تمہیں غلط فہمی....!"

"غلط کی ایسی کی تیسی.... فہمی کی دم میں نمدہ.... تم نے مجھے اُلو کا پٹھا کہا تھا۔"

"ارے.... وہ تو میں نے آصف کو کہا تھا.... کمال کرتے ہو یار۔"

قاسم کی آنکھیں اس کے باوجود بھی نکلی ہی رہیں۔ لیکن پھر اچانک وہ مسکرا کر بولا۔ "کھیر توئی بات نہیں۔"

"میں دراصل یہ چاہتا ہوں کہ تم خود ہی اس لڑکی کو راہ پر لاؤ....!"

"قیسے لاؤں....!" قاسم نے آہستہ سے پوچھا اور جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں۔ پھر بولا۔

"اے کھاؤ نا حمید بھائی، منہ باندھے کیوں بیٹھے ہو۔"

"کچھ نہیں! بس اب میں چلوں گا۔ مگر نہیں تم پہلے مجھے اپنا خیمہ دکھاؤ۔ تاکہ میں ان دونوں کو وہیں لاؤں۔"

"وہ بوڑھا بھی آئے گا۔" قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"وہ نہ آئے گا تو لڑکی بھی نہیں آئے گی۔"

"پھر لاؤ.... سالے کو۔" قاسم نے مردہ سی آواز میں کہا اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔

میز کی اچھی طرح صفائی ہو جانے کے بعد قاسم اٹھا حمید کو ساتھ لے کر باہر آیا۔ یہاں سے اس کا خیمہ زیادہ دور نہیں تھا۔

حمید اُسے خیمے میں چھوڑ کر خود اس چٹان کی طرف روانہ ہو گیا جہاں آصف اور زیبا ممکن ہے کہ اس کے منتظر رہے ہوں۔

دفعتاً حمید کو شرارت سوجھی۔ اس نے سوچا کہ دونوں کی گفتگو چھپ کر سننی چاہئے۔ آخر وہ تنہائی میں کس قسم کی گفتگو کرتے ہوں گے۔ کیا حقیقتاً زیبا اس کی بنائی ہوئی اسکیم ہی کے مطابق چل رہی تھی یا اس کا یہ رویہ محض ہمدردی کی بناء پر تھا۔

وہ ڈھلوانی راستے پر اترتا چلا گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد زاویہ تبدیل کر کے مشرق کی جانب چل پڑا اس کا خیال تھا کہ وہ دوسری طرف سے بھی اس چٹان کے محل وقوع کا اندازہ کر سکے گا۔ اس لئے وہ بڑی لاپروائی سے راستہ طے کر رہا تھا۔

لیکن پھر اچانک اس کے قدم رک گئے اور آواز ایسی ہی تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا کہ وہ کسی بہت بڑے اژدھے کی پھنکار رہی ہو۔

دفعتاً اس کی نگاہ نیچے وادی میں رینگ گئی۔ سینکڑوں فٹ کی گہرائی میں چاندنی کا چمکدار چشمہ پھوٹ رہا تھا۔

پھر یک بیک اس کی دھار اوپر اٹھی۔ اٹھتی چلی گئی.... اور اندھیرے میں اس نے ایک چمکدار منارے کی شکل اختیار کرلی جو زمین و آسمان کو ملا رہا تھا۔ نیچے پھیلی ہوئی تاریکی میں اس چمکدار منارے کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔

"میرے خدا....!" حمید بڑبڑایا۔ "یہ چاندنی کا دھواں ہے یا اندھیرے کی ڈاڑھی۔"

ساتھ ہی وہ سوچ رہا تھا کہ یہ تو سوفیصدی راکٹ ہے ایسا راکٹ جو عموداً پرواز کرتا ہے....

اس نے جیب سے ٹارچ نکالی اور پھر اس کی روشنی نشیب میں کچھ دور تک پھیلتی چلی گئی۔

حمید نے ایک طویل سانس لی اور سوچا کہ راستہ دشوار گذار تو نہیں معلوم ہوتا پھر کیوں نہ نیچے پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ وہ خیالات میں اس طرح کھو گیا تھا کہ قاسم سے کیا ہوا وعدہ بھی یاد نہ رہا۔

ٹارچ کی روشنی کا دائرہ گھٹتا ہوا اس کی رہنمائی کررہا تھا اور پیر غیر ارادی طور پر نشیب میں لے جارہے تھے۔ اس کی نظریں گہرائی میں پھیلنے والے چمکدار چشمے پر جمی ہوئی تھیں.... مگر اس چمکدار چشمے کا ہر لحظہ بڑھتا ہوا پھیلاؤ اُسے بتدریج دھندلاہٹ میں تبدیل کرتا جارہا تھا۔

حمید کے ذہن میں اس وقت صرف یہی ایک خیال تھا کہ بس اب وہ اس چمکدار چشمے کے قریب پہنچنے ہی والا ہے۔ نہ اُسے وقت کا احساس رہ گیا تھا اور نہ فاصلے کا.... بس وہ مشینی طور پر اترتا چلا جارہا تھا۔

اچانک کسی نے قریب ہی سے کہا۔ "ہالٹ.... ہو کمس دیئر۔"

"فرینڈ....!" حمید کی زبان سے نکلا اور ساتھ ہی روشنی کا دائرہ بھی آواز کی سمت رینگ گیا۔ دو فوجی رائفلیں چھتیائے ہوئے ایک چٹان پر کھڑے نظر آئے۔

"وہیں ٹھہرو! ٹارچ مت بجھانا ورنہ فائر کردیا جائے گا۔" اُن میں سے ایک نے چیلنج کیا۔

حمید وہیں رک گیا۔ وہ دونوں چھوٹی چھوٹی رکاوٹیں پھلانگتے ہوئے اسکے قریب پہنچ گئے۔

"کون ہو تم....!" ان میں سے ایک نے گرج کر پوچھا۔

حمید کی دانست میں وہ سرحد کی حفاظتی چوکی ہی کے جوان ہوسکتے تھے۔

"میں کون ہوں! یہ میں تمہارے کمانڈر ہی کو بتاسکوں گا۔" حمید نے جواب دیا۔

"اچھی بات ہے۔ ہم تمہیں گولی مار دیتے ہیں۔ مرنے کی وجہ بھی کمانڈر ہی کو بتادینا۔"

"ٹھہرو۔" دوسرے نے اپنے ساتھی کو خاموش کراتے ہوئے حمید سے نرم لہجے میں کہا۔ "یہ ممنوعہ علاقہ ہے۔"

"ہم یہاں کسی کو بھی گولی مار سکتے ہیں۔ ویسے اگر تم کمانڈر کے پاس چلنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں وہیں لے چلیں گے۔"

"ارے ختم کرو....!" دوسرا بولا۔

"نہیں کمانڈر کا حکم ہے کہ اگر کوئی ان کا حوالہ دے تو اُسے ان کے پاس پہنچادیا جائے۔"

"تو پھر آخر یہ حکم میری یادداشت میں کیوں نہیں ہے۔" دوسرا آدمی جھلا کر بولا۔

"چلو....!" پہلے نے رائفل کو جنبش دی اور پھر حمید نشیب میں اترنے لگا۔

"ٹھہرو....!" دوسرا بولا۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

حمید نے چپ چاپ تعمیل کی۔ دوسرا آدمی اس کی جامہ تلاشی لینے لگا۔ ریوالور تو حمید کی جیب میں موجود تھا۔

"دیکھا....!" دوسرے نے فاتحانہ انداز میں کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ "کیا اس کا لائسنس ہے تمہارے پاس۔"

"میں تمہیں تھانے دار نہیں سمجھتا کہ اس سوال کا جواب دوں۔"

"چلو....!" پہلا غرایا اور حمید پھر چل پڑا.... کچھ دور چل کر وہ اُسے ایک غار میں لے گئے جو زیادہ کشادہ نہیں تھا۔

اب حمید کو سوچنا پڑا کہ وہ اُسے یہاں کیوں لائے ہیں۔ کیونکہ یہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔

"بائیں جانب مڑ جاؤ۔" تحکمانہ لہجے میں کہا گیا۔ حمید بائیں جانب مڑا۔ یہ ایک تنگ سا درہ تھا جس سے ایک وقت میں صرف ایک ہی آدمی گزر سکتا تھا۔

حمید کی ٹارچ تو پہلے ہی سے روشن تھی اب ان دونوں نے بھی اپنی ٹارچیں روشن کرلیں اور وہ تینوں یکے بعد دیگرے اس درے میں داخل ہوئے۔ حمید گھٹن سی محسوس کررہا تھا۔ لیکن جلد ہی پھر اُس نے اطمینان کی سانس لی کیونکہ اب وہ ایک بہت ہی کشادہ غار میں پہنچ گئے تھے۔

"رک جاؤ.... اور ٹارچ بجھادو۔" اس سے کہا گیا اور ساتھ ہی رائفل کی نال اس کی کمر سے آلگی۔ غار میں اندھیرا ہوگیا اور اس نے دور ہوتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔ شاید ان میں

سے ایک کہیں جا رہا تھا.... حمید چپ کھڑا رہا اور رائفل کی نال اس کی کمر سے چبھتی رہی کچھ دیر بعد پھر قدموں کی آہٹیں ہوئیں۔ غالباً دو آدمی تھے اور پھر یک بیک پورے غار میں روشنی پھیل گئی۔ یہ ایک چھوٹی سی فوجی سرچ لائٹ کی روشنی تھی۔ حمید کو فوجی جوان کے ساتھ ایک معمر آفیسر نظر آیا جس کے شانوں پر لگے ہوئے ستارے بتا رہے تھے کہ وہ کپتان کا عہدہ رکھتا ہے۔

دفعتاً اس آفیسر نے غرا کر کہا۔ "یہاں کیوں لائے ہو وہیں ڈھیر کر دیا ہوتا۔" اب تو حمید کو سچ مچ تاؤ آ گیا۔

اجنبی کی آمد

حمید کو تاؤ آنے کا مطلب یہی ہوتا تھا کہ جو کچھ نہ ہو جائے تھوڑا ہے وہ چند لمحے اس کیپٹن کو خونخوار نظروں سے گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم کیپٹن حمید آف سنٹرل انٹیلی جنس بیورو سے ہمکلام ہو۔"

"اوہ....!" آفیسر نے سیٹی بجانے والے انداز میں اپنے ہونٹ سکوڑے اور پھر یک بیک اپنے ماتحتوں کو دیکھ کر غرایا۔ "اس کے ہاتھ پیر باندھ دو۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"میں بالکل ہوش میں ہوں دوست....!" آفیسر مسکرایا۔ "مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ اس نام کا ایک فراڈ یہاں آ رہا ہے۔"

"تب تم بالکل ہوش میں نہیں ہو۔" حمید بے ساختہ ہنس پڑا۔ "اچھا چلو یہی بتا دو کہ یہ اطلاع تمہیں کہاں سے ملی تھی۔"

"اسی محکمے کے ایک آفیسر کرنل فریدی کی طرف سے۔"

حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ آفیسر سنجیدہ تھا اور اس نے یہ بات پوری سنجیدگی سے کہی تھی۔

اس کے دونوں ماتحتوں نے جھپٹ کر حمید کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اس کا خیال تھا کہ ممکن ہے یہ بھی فریدی کی کسی اسکیم کا کوئی خاص مرحلہ ہو۔ مگر وہ جھنجھلاہٹ میں ضرور مبتلا ہو گیا تھا۔ آخر اُسے پہلے سے آگاہ کیوں نہیں کیا گیا

تھا۔ اب اگر وہ یہاں کسی قسم کی حماقت شروع کر دے تو فریدی صاحب کی وہ اسکیم کہاں ہو گی۔ اس کا دل تو چاہا ٹکرا جائے ان فوجیوں سے لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش ہی رہ گیا۔ انہوں نے نہایت اطمینان سے اس کے ہاتھ پشت پر باندھ کر اُسے ایک بڑے پتھر پر دھکیل دیا.... بڑا وحشیانہ انداز تھا۔ حمید بال بال بچا ورنہ اس کا سر اسی پتھر سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا۔ وہ پتھر سے لڑھکتا ہوا اپنے بازو کے بل زمین پر آ گرا۔

"اب تم دونوں اپنی جگہوں پر جاؤ....!" آفیسر نے ماتحتوں سے کہا اور وہ ایڑیوں پر گھوم کر غار سے نکل گئے۔

آفیسر ٹہلتا ہوا حمید کے قریب آیا۔ چند لمحے کھڑا اُسے گھورتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "کرنل فریدی کہاں ہے۔"

"جہاں سے اُس نے تمہیں اطلاع دی تھی۔" حمید غرایا۔

"وہ خود کیوں نہیں آیا۔"

"کھیل کود سے نفرت ہے انہیں....!" حمید بولا۔

"میں تمہاری کھال اتار دوں گا ورنہ اُس کے نہ آنے کی وجہ بتاؤ۔"

"ضرور اتار دو۔" دفعتاً کسی گوشے سے آواز آئی اور آفیسر اچھل کر آواز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر یہی جملہ کسی دوسرے گوشے سے کہا گیا اور آفیسر مڑ کر ادھر دیکھنے لگا۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ یہی آواز متعدد اطراف سے آ رہی ہے۔ لیکن آواز ایک ہی آدمی کی تھی۔

"تم کون ہو۔ سامنے آؤ....!" آفیسر گرجا۔

"تمہاری یہ آرزو بھی پوری کی جائے گی....!" آواز آئی اور پھر اسی پتھر کی اوٹ سے ایک آدمی چھلانگ لگا کر سامنے آ گیا جس پر حمید کو دھکیلا گیا تھا۔

بالکل ایسا ہی لگا تھا جیسے وہ اڑتا ہوا اس آفیسر پر جا پڑا ہو۔ دونوں ہی زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ لیکن نووارد جلد ہی نہ صرف خود اٹھ گیا بلکہ گریبان سے پکڑ کر اُسے بھی اپنے ہی ساتھ کھینچتا چلا آیا۔ پھر آفیسر سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ اس کے جبڑے پر نووارد کا گھونسہ پڑا وہ لڑکھڑا کر دور جا گرا.... لیکن پھر اٹھ کر نووارد پر جھپٹا۔

اس بار نووارد نے جھکائی دے کر اسے اپنی پشت پر لاد کر جو پٹخا ہے تو پھر وہ بیچارہ صرف ہاتھ

پیر ہی مارتا رہ گیا۔ غالباً یہ اٹھنے کی کوشش تھی۔ چونکہ ذہن قابو میں نہیں رہ گیا تھا اس لئے ار
ارادے کی انرجی لایعنی قسم کی جسمانی حرکتوں میں صرف ہو رہی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ وہ ساکت
ہی ہو گیا۔

حمید نے بھی اپنے ہاتھوں کو آزاد کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ اسی دوران میں وہ اجنبی
بھی بیہوش آفیسر کو وہیں چھوڑ کر کسی طرف غائب ہو گیا۔

"کیا وہ فریدی تھا..؟" حمید نے سوچا۔ "لیکن اگر فریدی ہوتا تو اُسے وہیں کیوں چھوڑ گیا ہوتا۔"

کچھ دیر بعد اس نے قدموں کی آہٹ سنی اور پھر وہی اجنبی ایک گوشے میں کھڑا دکھائی دیا۔
مگر وہ حمید کی طرف سے بالکل بے پرواہ نظر آ رہا تھا۔

دفعتاً حمید نے کہا۔ "ارے یار ذرا دو چار ہاتھ مجھے بھی جھاڑتے جاؤ کافی عرصے تک احسان
مند رہوں گا۔"

وہ مسکرایا اور بولا۔ "میں تمہیں آزاد کر سکتا ہوں بشرطیکہ تم اس بیہوش آدمی کو کچھ دور تک
اپنی پشت پر لادے چلنے کا وعدہ کرو۔"

"اس کے پورے خاندان کو...." حمید سر ہلا کر بولا۔ "پہلے تم میرے ہاتھ تو کھولو۔"

"اس نے آگے بڑھ کر حمید کے ہاتھ کھول دیئے۔"

"کہاں لے چلوں۔" اس نے بیہوش آفیسر کے قریب پہنچ کر کہا۔

"اٹھاؤ تو....!"

حمید نے اُسے اپنی پشت پر لاد لیا اور اجنبی کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ اپنے ہاتھوں پر سرچ لائٹ
سنبھالے ہوئے تھا۔ ایک بار پھر حمید کو ویسے ہی تنگ درے سے گزرنا پڑا جیسے درے سے گزر کر
وہ اس غار میں پہنچا تھا۔

مگر منزل زیادہ دور ثابت نہیں ہوئی۔ وہ جلد ہی ایک ایسے غار میں پہنچ گئے جہاں مختلف قسم
سامان بکھرا پڑا تھا۔

"اسے یہیں کہیں ڈال دو۔" اجنبی نے کہا "اور سعادتمند گدھوں کی طرح ایک طرف بیٹھ جاؤ۔"

"سبحان اللہ....!" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے آپ
پہچانا ہی نہیں تھا۔"

"اگر میں اب بھی اپنی آواز کو قابو ہی میں رکھتا تو تمہارے فرشتے بھی نہ پہچان سکتے۔ زیادہ
اڑنے کی کوشش مت کیا کرو۔"

تو یہ فریدی ہی تھا.... حمید سوچ میں پڑ گیا۔ وہ اس کے علاوہ اور سوچتا بھی کیا۔ اُسے اور
آصف کو قربانی کے بکروں کی شکل میں بطور ہراول پہلے ہی روانہ کر دیا گیا تھا۔ فریدی بیہوش
آدمی کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"یہ کون ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"چوکی کے آفیسروں کے بھیس میں کوئی....؟" فریدی نے کہا۔

"اور آپ اچانک یہاں کیسے پہنچ گئے۔"

"یہ بھی ایک قسم کا آسیبی خلل ہے۔" فریدی اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا۔

"ہوں! تو آپ کو سب کچھ معلوم ہے۔"

"صرف اتنا ہی کہ وہ کمرہ آسیب زدہ تھا جس میں تم لوگوں نے قدم جمالیا تھا وہاں تمہیں
آوازیں سنائی دیتی تھیں۔"

"بس اتنا ہی یا اور کچھ بھی؟"

"اور کیا بتانا چاہتے ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"کیا آپ کی لسٹ پر کبھی کوئی کرنل وارڈ بھی رہا ہے۔"

"تھا تو نہیں مگر اب آگیا ہے۔ لیکن تم اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو۔"

"کیا آپ کو علم ہے کہ اس کے قبضے میں روحیں ہیں۔"

"ہاں سنا ہے۔"

"میں اور آصف اس کمرے میں کسی عورت کی آواز سنتے رہے تھے۔ پھر ایک دن مجھے معلوم
ہوا کہ فون پر میری ٹرنک کال ہے۔ میں سمجھا آپ ہوں گے لیکن فون میں بھی اسی عورت کی آواز سنائی
دی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی میں چرواہی ہوں اور انٹرنیشنل آرٹ ایگزیبیشن سے بول رہی ہوں؟"

"اوہ....!" فریدی نے ہونٹ سکوڑے اور حمید کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر مسکرا کر
بولا۔ "یہ ایک بڑا دلچسپ لطیفہ ہے۔ کسی وقت اطمینان سے بتاؤں گا۔ اسی چرواہی کی بدولت ہم
اتنی تیز رفتاری سے کسی خاص سمت بڑھ رہے ہیں ورنہ بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔"

"کیا مطلب....!"

"اوہ.... تم نہیں مانو گے۔ خیر ٹھہرو! پہلے مجھے کچھ معلوم کرنے دو۔ یہ بیہوش آدمی کسی کے میک اپ میں ہے اور شاید یہ جگہ ایسے ہی کاموں کے لئے مخصوص ہے۔ لہٰذا یہاں میک اپ کا سامان ضرور ہونا چاہئے۔"

حمید چپ چاپ کھڑا رہا اور فریدی اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے سامان میں کچھ تلاش کرنے لگا۔ آخر کار اُسے لکڑی کا وہ صندوق مل ہی گیا جس کی اُسے تلاش تھی۔ اس صندوق میں میک اپ کا سامان موجود تھا۔

بس پھر آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر بیہوش آدمی کی نقل تیار ہوگئی اس کے بعد فریدی ایک نیلے رنگ کی بوتل سنبھالے ہوئے بیہوش آدمی کی طرف متوجہ ہوا.... اس میں کوئی سیال چیز تھی۔ غالباً وہ بیہوش آدمی کا میک اپ ختم کرنے جا رہا تھا۔

ذرا ہی دیر میں حمید نے بیہوش آدمی کی شکل دیکھ لی.... یہ ایک وجیہہ نوجوان تھا۔ بڑھاپے کے سارے مصنوعی آثار لکویڈ ایمونیا سے دھل گئے تھے۔

"یہ کون ہو سکتا ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"چرواہی کی کوئی بھیٹر۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "شائد حفاظتی چوکی کا کمانڈر مار ڈالا گیا۔ اچھا دیکھو تم اس درے سے نکلتے ہی بائیں جانب مڑ جانا۔ اس طرح تم پھر ایک درے میں داخل ہو گے وہ درہ تمہیں ایک کھلی جگہ پر لے جائے گا وہاں پہنچ کر تم تین بار اشارہ دینا اور پھر چپ چاپ واپس آجانا۔"

"کون سا اشارہ....!"

"الو.... والا....!"

حمید درے کی طرف مڑ گیا۔ ایک منٹ کے اندر ہی اندر وہ کھلی فضا میں پہنچ گیا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کے جسم سے ٹکرائے اور اس کی آنکھوں میں نیند انگڑائیاں لینے لگی۔ کچھ عجیب مسحور کن فضا تھی۔ سر پر تاروں بھرا آسمان تھا اور نیچے تاریک گہرائیاں۔

اس نے تین بار اُلو کی آوازیں نکالیں اور پھر درے میں مڑ گیا۔

اتنی دیر میں فریدی اس بیہوش آدمی کی وردی بھی پہن چکا تھا۔

حمید چند لمحے خاموش کھڑا رہا.... پھر بولا۔ "کیا وہ دونوں سپاہی اس وقت وہاں میرے ہی منتظر تھے۔"

"نہیں.... وہ وہاں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ کیونکہ وہی ایک راستہ ایسا ہے جس کے ذریعہ وادی تک پہنچنا ممکن ہے۔"

"تو یہ بھی محض اتفاق ہی تھا کہ میں وہاں پہنچ کر خواہ مخواہ نیچے اترنے لگا تھا۔"

"یہ اتفاق تمہیں دوسری دنیا میں بھی پہنچا سکتا تھا۔ مگر خیر.... میں تو سمجھا تھا شائد تمہارے ذہن میں وہی پرانی چھپکلی کلبلائی ہے۔ بہر حال میں تم سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔"

"اگر چھپکلی نہ کلبلاتی تو آپ اس وقت یہاں نہ ہوتے.... اور یہ....!" حمید بیہوش آدمی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ اور پھر چونک پڑا کیونکہ اس نے قدموں کی آہٹیں سنیں تھیں۔

"پرواہ نہ کرو۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اگر یہ وردی میں ہوں گے تب بھی میرے ہی آدمی ہوں گے اور اگر نقابوں میں ہوئے تو پھر تم جانتے ہی ہو۔"

"بلیک فورس....!" حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔

غار میں داخل ہونے والے تین نقاب پوش ہی تھے۔ انہوں نے پہاڑی مہماتی استعمال کے لباس پہن رکھے تھے اور ان کی پیٹیوں سے چھوٹی کدالیں اور دوسرے اوزار لٹک رہے تھے۔ کاندھوں پر کئی قسم کے تھیلے بار تھے!

"شکار۔" فریدی نے اپنی اصل آواز میں کہتے ہوئے بیہوش آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

ان میں سے ایک نے ایک بڑا تھیلا اپنے کاندھے سے اتارا اور دو آدمیوں نے اُسے اٹھا کر اس میں ٹھونس دیا۔ تھیلے کا منہ باندھ لینے کے بعد بھی وہ تینوں وہیں رکے رہے۔ غالباً انہیں اجازت کا انتظار تھا۔

"تم جا سکتے ہو۔" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ان میں سے دو نے وزنی تھیلا سنبھالا اور تیسرا ان کے آگے ٹارچ لئے ہوئے چلنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد قدموں کی آوازیں سناٹے میں تحلیل ہو گئیں اور فریدی ایک پتھر پر بیٹھ کر سگار سلگانے لگا۔

"آپ سگار پینے جا رہے ہیں۔ اگر فوجیوں میں سے کوئی آجائے تو۔"

"گڈ! بہت اچھے.... تم اب سوچنے لگے ہو۔ لیکن یہ سگار اسی وردی کی جیب سے برآمد ہوا ہے گو کہ برانڈ میرا نہیں ہے.... لیکن پھر بھی چلے گا۔"

"ہاں.... آپ اس چرواہی کے متعلق کچھ بتانے جا رہے تھے۔"

"اس کے متعلق کیا بتاؤں۔ اس کے متعلق میری معلومات بھی فی الحال آسیب کی حدود سے آگے نہیں بڑھیں۔" فریدی نے اُسے جیلانی اور اس کی تصویر کے متعلق بتایا۔

"لیکن آپ نے اس تصویر میں اتنی دلچسپی کیوں لی تھی۔"

"ٹھہرو! تم نے کرنل وارڈ کے متعلق پوچھا تھا.... اُسی شخص نے جیلانی کی یہ تصویر خریدی ہے اور میں اسی کا تعاقب کرتا ہوا یہاں آیا ہوں۔"

"وہ کہاں ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اوپر کسی خیمے میں....!"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"بڑی عجیب بات ہے.... جیلانی اس تصویر کو آسیب سمجھتا ہے اور وہی آسیب مجھ سے فون پر گفتگو کرتا ہے.... اور اسی آسیب کی آوازیں ہمیں فزارو کے ایک کمرے میں سنائی دیتی ہیں۔ وہ کمرہ کرنل وارڈ سے نسبت رکھتا ہے اور یہی کرنل وارڈ جیلانی کی تصویر خریدتا ہے....!"

"ہاں خریدتا ہے.... تو پھر....!" اچانک وہ دونوں ہی اچھل پڑے.... پورا غار کسی نسوانی آواز سے گونج اٹھا تھا اور وہ دونوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔

آواز پھر آئی.... اس بار وہ ایک کھنکتا ہوا قہقہہ تھا۔ حمید نے آواز صاف پہچان لی۔ یہ وہی آواز تھی جو وہ فزارو کے کمرے میں سنتا رہا تھا۔ یہی آواز اس نے فون پر بھی سنی تھی۔

یک بیک حمید سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر جھکا اور سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "میرے لئے کیا حکم ہے جانِ بہار! کیا میں اس آدمی کی گردن اڑا دوں....!"

"کیپٹن حمید! تم جھوٹے ہو۔ تم اس آدمی کے لئے ساری دنیا میں آگ لگا سکتے ہو۔"

"روح بہار! تمہارے نغموں نے مجھے اس سے متنفر کر دیا ہے۔"

"احمق کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے تمہاری اس ایکٹنگ پر یقین آ گیا تھا۔"

"تمہاری آواز میں کتنا رس ہے....!" حمید نے کہا۔

اس نے دیکھا کہ فریدی دبے پاؤں درے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس نے اُسے وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا تھا۔

"بکواس مت کرو....!" نسوانی آواز آئی۔

"کاش میں تمہیں دیکھ سکتا۔"

"کرنل فریدی سے پوچھو کہ میں کتنی دلکش ہوں۔"

"مگر جیلانی تو کہتا ہے کہ اس نے تمہیں کبھی دیکھا ہی نہیں۔"

"نہیں.... لیکن روحانی طور پر وہ مجھ سے متاثر ہوا ہے کیا تمہیں یقین ہے کہ میں ایک روح ہوں۔"

"مجھے یقین ہے روح بہار.... کاش میں.... کاش میں.... بعض اوقات دل چاہتا ہے کہ تم ملو تو تمہیں اپنے دل میں چھپالوں.... اس وقت کوئی اچھا سا فلمی گیت سناؤ.... وہی.... ٹھمک ٹھمک ناچوں گی ہولے ہولے گاؤں گی.... ہائے!"

"کرنل کیوں خاموش ہے۔"

"وہ روح وغیرہ کا قائل نہیں ہے۔" حمید نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ فریدی غار میں موجود نہیں تھا۔

"شاید وہ یہاں کسی ٹرانسمیٹر کی موجودگی کے امکان پر غور کر رہا ہے۔"

"ہو سکتا ہے.... روح بہار!.... مگر میں تو قائل ہوں تمہارا.... اگر مجھے تمہاری روح ہونے میں شبہ ہوتا تو فزارو کو الٹ کر رکھ دیتا مگر یہ تو بتاؤ کہ ابھی میں کس چکر میں پھنس گیا تھا۔"

"روحوں پر سب کچھ عیاں ہوتا ہے۔ لیکن انہیں کائنات کے راز بتانے کی اجازت نہیں ہے اس لئے میں تمہاری یہ آرزو نہیں پوری کر سکوں گی۔ ویسے میں اپنے دل میں تمہارے لئے کافی جگہ پاتی ہوں۔"

"روحیں بھی دل والی ہوتی ہیں...." حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"مجسم دل.. مگر نہیں تمہیں مجھ پر یقین کب ہے.... چلو تم یہاں کوئی ٹرانسمیٹر تلاش کرو۔"

"مجھے یقین ہے....!"

"نہیں اطمینان کر لو....!"

حمید نے چیزوں کو الٹنا پلٹنا شروع کر دیا۔ مگر کہیں بھی اسے کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جس پر ٹرانسمیٹر ہونے کا شبہ بھی کیا جاسکتا۔

"میں خواہ مخواہ تھکنا نہیں چاہتا روحِ بہار....!" حمید نے کہا۔ لیکن اب اس کی آواز نہ آئی۔

"روحِ بہار میں تم سے مخاطب ہوں۔" حمید نے چیخ کر کہا۔

لیکن جواب پھر ندارد.... خود اس کی آواز غار کی وسعتوں میں گونج کر رہ گئی۔

"آرڈر....!" دفعتاً پشت سے ایک گرجدار آواز آئی اور حمید چونک کر مڑا۔ وہی دونوں فوجی رائفلیں سیدھی کئے کھڑے تھے جو اُسے یہاں لائے تھے۔

"کمانڈر کہاں ہیں۔" ایک نے گرج کر پوچھا۔

"پتہ نہیں! مجھ سے تو یہ کہہ کر گئے ہیں کہ میں ذرا اپنی محبوبہ تک ایک پیغام پہنچا کر آتا ہوں۔"

"گھیرو.... مارو....!" ایک نے دوسرے سے کہا اور وہ دونوں رائفلوں کے کندے اٹھائے ہوئے اس کی طرف جھپٹے ہی تھے کہ درے سے فریدی برآمد ہوا۔

"ٹھہرو....!" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ وہ مڑے اور پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہاں زلزلہ سا آگیا ہو۔ چار نقاب پوش کسی طرف سے نکل کر فریدی پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی دم بخود کھڑے رہ گئے۔

"اور تم کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ کمانڈر کو بچاؤ۔" حمید نے انہیں للکارا.... لیکن قبل اس کے کہ وہ دونوں فوجی کوئی قدم اٹھاتے دو فائر ہوئے اور وہ دونوں وہیں ڈھیر ہوگئے۔

تو یہ جال بچھایا گیا تھا فریدی کو پکڑنے کے لئے۔ حمید نے سوچا اور اُن نقاب پوشوں پر پل پڑا جو فریدی کو بے بس کر دینے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہ ان فائروں کے متعلق سوچ رہا تھا آخر وہ کدھر سے ہوئے تھے۔ کس نے کئے تھے۔

نقاب پوش فریدی سے چمٹنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ دفعتاً حمید نے محسوس کیا کہ نقاب پوش اس میں دلچسپی نہیں لے رہے بلکہ وہ خواہ مخواہ ان سے بھڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔

دفعتاً فریدی کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی اور حمید بیساختہ چونک پڑا۔ یہ ایک قسم کا اشارہ تھا جس کا مطلب وہ بخوبی سمجھتا تھا.... وہ چپ چاپ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا اور لہرا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر لیٹے ہی لیٹے ایک پتھر اٹھایا اور سرچ لائٹ پر کھینچ مارا....

دوسرے ہی لمحے میں اندھیرا گھپ....!

اس نے بیک وقت کئی چیخیں سنیں۔ پھر بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں اور اب پھر پہلے ہی جیسا سناٹا تھا.... حمید سینے کے بل رینگتا ہوا درے کی طرف بڑھا۔

روح کے چکمے

قاسم نے بڑی دیر تک حمید کا انتظار کیا.... جب اس کی واپسی نہ ہوئی تو وہ خود ہی اٹھا اور اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

مگر یہ ایک مشکل کام تھا کیونکہ چٹانیں تو دور دور تک آباد تھیں! اس نے سوچا کہ حمید کو آوازیں دینا شروع کر دے.... مگر پھر عقل آگئی کہ یہاں تو درجنوں حمید ہوں گے! پتہ نہیں کتنے دوڑے آئیں اور اُسے خواہ مخواہ ہر ایک سے معافی مانگنی پڑے۔ پھر کیا صورت اختیار کی جائے۔

فریدی والے حمید بھائی.... کیوں نہ پکارا جائے.... بس خیال آیا ہی تھا ذہن میں کہ اس نے ہانک لگائی۔ "ابے فریدی والے حمید بھائی۔"

لیکن پھر بھی کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

ویسے کسی نے قریب ہی سے ضرور کہا تھا کہ دیکھنا ذرا ایسے ڈیل ڈول والوں کو بھی شراب بالآخر پٹخ ہی دیتی ہے۔

یہ الفاظ قاسم کے کانوں میں پڑے اور وہ بھنا کر رہ گیا۔ جی تو چاہا کہ سالے کو اٹھائے اور کسی چٹان پر اس طرح پٹخ دے کہ بھیجا بکھر جائے۔ مگر پھر اس لڑکی کا خیال آگیا جو حمید کے ساتھ تھی اور وہ تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔

ٹارچ کی روشنی چاروں طرف ڈالتا جا رہا تھا۔ اچانک خود اس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑی اور اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

"ابے قون ہے بے۔" وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر دہاڑا۔

"حمید کو دیکھا ہے کہیں۔" آنے والے نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"میں خود ہی ڈھونڈ رہا ہوں۔"

"آپ مسٹر قاسم ہیں شائد۔"

"جی ہاں.... جی ہاں.... پھر فرمائیے۔"

"حمید میرے ساتھ آیا تھا۔ بڑی دیر سے غائب ہے۔"

"آپ.... آفس صاحب ہیں نا....!" قاسم نے پوچھا۔

"آصف....!" آنے والے نے تصحیح کی۔

"جی ہاں.... جی ہاں.... میں آپ کو پہچانتا ہوں.... ابھی حمید بھائی ملے تھے کہا تھا کہ سب کو لے کر آتا ہوں۔ پھر گائب ہو گئے.... جی ہاں.... میرے پاس بہت بڑا خیمہ ہے.... میں نے کہا کہ میں اکیلا ہوں.... پھر آپ لوگ چٹان پر کیوں.... جی ہاں.... پڑے رہیں۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہو گی جناب۔" آصف نے خوش ہو کر کہا۔ "مگر آپ کو ہماری وجہ سے تکلیف ہو گی۔"

"اجی واہ.... قوئی نہیں.... میں تو آپ کا کھادم.... خادم ہوں.... جناب، واہ آپ میرے بزرگ ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ....!"

"اچھا چلئے.... آپ کا سامان وامان کہاں ہے۔" قاسم نے بے چینی سے کہا۔

✿

حمید درے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اچانک اس نے اسی پُر اسرار عورت کی آواز سنی۔

"تم نے بہت بُرا کیا کیپٹن حمید....! دشمنوں نے فریدی کو قتل کر دیا۔ لیکن تم مجھے ہی دشمن سمجھتے رہے.... اب عقل کے ناخن لو.... ٹھہرو.... یہیں ٹھہرو....!"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ جہاں تھا وہیں رک گیا۔

"بولو.... تم خاموش کیوں ہو.... کیا چلے گئے۔ بولو.... تم مجھے قریب سے دیکھ سکو گے! میں آ رہی ہوں وہیں ٹھہرو۔"

حمید نے سوچا کہ وہ ابھی دھوکا کھا چکا ہے۔ اسی کی گفتگو نے انہیں وہاں الجھائے رکھا تھا ورنہ وہ غار سے نکل گئے ہوتے۔ وہ پلٹ کر ان دونوں لاشوں کے قریب آیا اور ان کی کمریں ٹٹولنے لگا۔ ان کے ہولسٹروں میں ریوالور موجود تھے اور بھرے ہوئے تھے۔ حمید نے دونوں ریوالور نکال

لئے اور پھر بڑی تیزی سے درے میں رینگ گیا۔ اپنی سانسوں کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز اُسے نہیں سنائی دے رہی تھی اور دل کی دھڑکنیں کھوپڑی میں دھمک پیدا کر رہی تھیں۔

دوسرے غار میں پہنچ کر وہ بھول گیا کہ اس کا دہانہ کس سمت تھا۔ اس کی ٹارچ تو اب اس کے پاس رہی نہیں تھی.... جیب میں دیا سلائی کی ڈبیہ البتہ موجود تھی لیکن اس نے اُسے بھی کام میں لانا مناسب نہ سمجھا۔ بس ٹٹول کر آگے بڑھتا رہا۔

اچانک اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی.... کیونکہ وہ لڑھکتا ہوا نہ جانے کن گہرائیوں کی طرف جا رہا تھا۔ اندھیرے میں جبکہ وہ گھٹنوں کے بل رینگ رہا تھا اُسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اس کے ہاتھوں کے نیچے زمین نکل گئی ہو اور وہ منہ کے بل کسی نامعلوم ڈھلان پر جا پڑا تھا۔

بس پھر وہ لڑھکتا ہی چلا گیا اُسے ہوش تھا اور اسکے حلق سے ڈری ڈری سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

"چھپاک....!" وہ اچانک پانی میں جا پڑا جو بے حد سرد تھا۔ لیکن جب اس کے پیر تہہ سے لگے تو جان میں جان آئی کیونکہ وہ سیدھا ہو کر سانس لے سکتا تھا۔ پانی کمر سے اونچا نہیں تھا۔ بہاؤ میں بھی تیزی نہیں تھی۔

اس "لڑھکاؤ" میں اُسے کتنی چوٹیں آئی تھیں اس کا ہوش اسے نہیں تھا۔ وہ تو دراصل یہ باور کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ زندہ ہی ہے۔

دفعتاً پھر اس کے حلق سے ایک بے ساختہ قسم کی چیخ نکلی.... مگر وہ تو روشنی تھی۔ تیز قسم کی روشنی جو اچانک اس کے آس پاس پھیل گئی تھی.... نہ اس روشنی نے اسے کاٹا تھا اور نہ مارنے دوڑی تھی! پھر وہ چیخا کیوں تھا؟ حمید کو اپنی اس کمزوری پر غصہ آ گیا۔ پھر اُسے احساس ہوا کہ وہ دونوں ریوالور اب بھی اس کے ہاتھوں میں دبے ہوئے ہیں۔

اُس نے اس روشنی میں چاروں طرف ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالی لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے۔

یہ ایک آٹھ یا دس فٹ چوڑا درہ تھا جس کی پوری چوڑائی میں شفاف پانی بہہ رہا تھا۔

چند لمحے گذر جانے کے بعد حمید کو سچ مچ چونکنا پڑا۔ کیونکہ اب یہ بات اچھی طرح اس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ وہ روشنی پانی کی سطح سے پھوٹ کر فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔

یہ کیسی روشنی تھی؟ حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ارے باپ رے۔۔۔۔!" یک بیک وہ بھڑک کر پیچھے ہٹا۔ اس کے بازوؤں کو کسی چیز نے جکڑ لیا تھا اس طرح کہ وہ انہیں جنبش تک نہیں دے سکتا تھا۔

پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اس کے پیر پانی کی تہہ سے اکھڑ گئے اور وہ اوپر اٹھتا چلا گیا۔ اس کے بازوؤں کی ہڈیاں گویا ٹوٹی جا رہی تھیں وہ رسی کا پھندا ہی تھا جس نے بے خبری میں اُسے جکڑ لیا تھا اور اب اُسے اوپر کھینچا جا رہا تھا۔

وہ خلاء میں جھول رہا تھا اور اوپر اٹھ رہا تھا۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ وہ چٹان سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ ہاتھ تو ہل ہی نہیں سکتے تھے ورنہ وہ ایسے مواقع پر انہیں روک بنانے کی کوشش کرتا۔۔۔۔ جب بھی وہ جھکولا لیتا اس کی روح لرز اٹھتی کہ بس اب ٹکرائی کھوپڑی چٹان سے۔۔۔۔ پیروں کو روک بنانے سے ڈرتا تھا۔ ایسا کرنے کے لئے اُسے سیدھا ہونے کی کوشش کرنی پڑتی۔ لیکن اس سے خدشہ تھا کہ رسی کا پھندا بازوؤں میں پھسل کر گردن میں نہ آ لگے۔

❁

حمید کی بروقت عقلمندی کی بناء پر فریدی ان نقاب پوشوں کو ڈاج دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ درے سے نکل کر وہ کھلی فضا میں آ گیا اور اب مشکل ہی تھا کہ وہ کسی کے ہاتھ آ سکتا۔

نقاب پوش بھی نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ فریدی دیر تک اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتا رہا۔ لیکن کوئی ہلکا سا سایہ بھی دکھائی نہ دیا۔

اب وہ حمید کے متعلق سوچ رہا تھا۔۔۔۔ لیکن جس طرح ان دونوں فوجیوں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا تھا اسی طرح ان دونوں کو بھی کیوں نہ ٹھکانے لگا دیا گیا؟

وہ آخر انہیں زندہ کیوں پکڑنا چاہتے تھے؟۔۔۔۔ کیا حمید ان کی گرفت میں آ گیا ہو گا۔

اب وہ اُسے دانشمندی سے بعید سمجھتا تھا کہ دوبارہ اُس درے میں قدم رکھے۔ اُن لوگوں نے درے سے باہر اُس کا تعاقب کیوں نہیں کیا حالانکہ تاروں کی چھاؤں میں وہ اُسے بہ آسانی دیکھ سکتے تھے اس طرح غائب ہو جانے کا یہی مطلب تھا کہ وہ غار میں اُس کی واپسی کی توقع رکھتے تھے۔۔۔۔ لیکن کس بناء پر۔۔۔۔؟ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ انہوں نے حمید کو پکڑ لیا ہو! اور سوچ رہے ہوں کہ وہ اُسے تلاش کرنے ضرور آئے گا۔

وہ حمید کو قتل نہ کریں گے۔۔۔۔ اس نے سوچا! اگر قتل ہی کرنا ہوتا تو دھوکے سے بھی

سکتے تھے۔ ان کے فرشتے بھی بچاؤ نہ کر سکتے۔ اس ہڑبونگ کا مقصد زندہ پکڑنا تھا اور اس مقصد کا جو کچھ بھی مقصد رہا ہو۔

وہ پھر اوپر چڑھنے لگا۔ راستہ دشوار گذار تھا اور معمولی ہی سی لغزش اُسے نیچے لے جا سکتی تھی۔۔۔۔ دفعتاً اُسے اس نقلی کمانڈر کا خیال آیا۔ جسے بلیک فورس کے آدمی لے گئے تھے۔ پتہ نہیں ان پر کیا گذری ہو۔ وہ آدمی اب بھی ان کے قبضے میں ہو گا یا نہیں۔ فریدی یہ سوچ کر چلتے چلتے رک گیا اور کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں بیٹھ کر سفری ٹرانسمیٹر پر اُن لوگوں سے رابطہ قائم کر سکے۔

وہ ایک ایسی جگہ پانے میں کامیاب ہو گیا۔

پھر اس نے کوٹ کی جیب سے سفری ٹرانسمیٹر نکالا جو ایک سو بیس سائز کے فولڈنگ کیمرے سے بڑا نہیں تھا۔

"ہیلو۔۔۔۔ ہیلو۔۔۔۔ بلیک۔۔۔۔ ہارڈ اسٹون اسپیکنگ ہیلو۔۔۔۔ بلیک۔۔۔۔!"

دفعتاً ٹرانسمیٹر سے نسوانی قہقہے کی آواز آئی جو غار والی آواز سے مختلف نہیں تھی۔

"کرنل۔۔۔۔ کس چکر میں پڑے۔۔۔۔ ہو۔۔۔۔!"

"کیوں۔۔۔۔!" فریدی غرایا۔

"تم خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔"

"اوہو۔۔۔۔ تو کیا میں نے ایسا کر کے غلطی کی ہے۔۔۔۔؟"

"یقیناً! تم غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ میں صرف ایک روح ہوں اور اس وقت تمہیں چند اسمگلروں نے نچا کر رکھ دیا ہے۔ جسے تمہارے آدمی لے گئے ہیں وہ ایک اسمگلر تھا کمانڈر کو قتل کر کے اس کے بھیس میں چوکی کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔۔۔۔ سارے سپاہی اُسے اپنا کمانڈر ہی سمجھتے تھے۔ اس وقت محض افشائے راز کے ڈر سے انہوں نے ان دونوں سپاہیوں کو گولی ماردی۔۔۔۔ سنو کرنل۔۔۔۔ انہیں یقین ہو گیا ہے کہ تم اُن کے پیچھے ہو۔ لہٰذا وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ محتاط رہو۔"

"لیکن وہ ہیں کہاں۔۔۔۔!"

"مجھ سے خوفزدہ ہو کر کسی طرف نکل بھاگے۔ ورنہ شائد اب تک تمہاری دھجیاں اڑ چکی

ہوتیں۔"

"کیا وہ حمید کو بھی لے گئے۔"

"نہیں وہ درے والے چشمے میں جاگرا تھا۔ میں نے اُسے اوپر اٹھالیا ہے۔ اس وقت وہ درے والی چٹان پر بیہوش پڑا ہوا ہے۔"

"تم آخر کیا بلا ہو....!"

"ایک روح جس نے جیلانی پر اپنا سایہ ڈال دیا تھا۔ کیا اس نے یہ نہیں بتایا کہ تین سال سے وہ صرف میری تصویر بنا رہا ہے۔"

"میں روحوں کا قائل نہیں ہوں....!"

"میں جانتی ہوں...." اُس نے کہا اور ایک زور دار قہقہہ لگا کر بولی۔ "اسی لئے میں نے تمہیں اس چکر میں ڈالا ہے تاکہ تم قائل ہو سکو! جب میں نے دیکھا کہ میری تصویر میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہے ہو تو میں نے ایک ماہر روحانیات کو مجبور کیا کہ اس تصویر کو ہر قیمت پر خریدے تم کرنل وارڈ کے پیچھے لگ گئے۔ یہی میں بھی چاہتی تھی۔"

"کیوں....؟"

"تمہیں روحوں کو قائل کرنے کے لئے.... اب تم دیکھو گے کہ تمہیں یقین و تشکیک کے کتنے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور تم روحوں کے قائل کیسے نہیں ہوتے۔"

"تمہیں ان سمگلروں کے مقابلے میں ہم سے کیوں ہمدردی ہے۔"

"میں تم دونوں کو بے حد پسند کرتی ہوں! تم بہادر ذہین اور عالی ہمت ہو!"

"تم اس چمکدار اور متحرک منارے کو راکٹ کی گیس سمجھتے ہو۔" عورت کی آواز آئی۔

"تم دلوں کی باتیں بھی جانتی ہو۔" فریدی کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"یقیناً....!"

"پھر وہ منارہ.... کیا بلا ہے۔"

"وہ میری بے تابی ہے.... میری بے چینی ہے.... جو زمین کا سینہ توڑتی ہوئی آسمان تک جاتی ہے۔"

"اور ایک رومانی نظم تیار ہو جاتی ہے۔" فریدی نے زہریلی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"خیر بھگتو گے اپنی بے یقینی کو.... میں نے تمہیں آگاہ کر دیا۔"

"آخر تم چاہتی کیا ہو؟ روحوں کو ہم سے کیا سروکار....!"

"میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم میرے سکون میں خلل انداز نہ ہو۔"

"میں ایک روح کا کیا بگاڑ سکتا ہوں۔"

"یہاں سے چلے جاؤ۔"

"یہ بھی لایعنی اور فضول سی بات ہے! آخر میں کیوں چلا جاؤں۔ مجھے دیکھنے دو کہ کرنل وارڈ نے تمہاری تصویر کیوں خریدی تھی۔"

"تمہاری بے یقینی برقرار ہی رہے گی کیوں؟"

"آہا! وہ تو تم ابھی بتا ہی چکی ہو کہ مجھے سبق دینے اور میری بے یقینی دور کرنے کے لئے تم نے وہ تصویر اُس سے خریدوائی تھی۔"

"تمہیں مجھ پر یقین کرنا ہی پڑے گا.... ختم کرو! اب تم اپنے آدمیوں سے گفتگو کر سکتے ہو۔"

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا۔ "تم ایک روح ہو۔ تمہیں دل کی باتیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں۔ ذرا یہی بتاؤ کہ اس اسمگلر پر کیا گزری جسے میرے آدمی لے گئے ہیں۔"

"وہ تھیلے میں گھٹ کر مر گیا۔ تمہیں اپنے ساتھیوں کے نام اور پتے نہیں بتا سکے گا۔"

"تمہیں یقین ہے....!" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"جاؤ.... حمید کی خبر لو.... وہ چشمے والے درے کی چٹان پر پڑا ہے۔ اس نے سرد پانی کے غوطے کھائے تھے۔ کہیں اُسے نمونیہ نہ ہو جائے۔ اچھا اب میں تمہارے ٹرانسمیٹر پر سے اپنا سایہ ہٹا رہی ہوں۔ اب تم اپنے بلیکیز سے گفتگو کر سکتے ہو۔"

ہلکی سی کھرکھراہٹ کی آواز آئی اور پھر بلیک فورس کا کوئی آدمی بولا۔

"ہیلو.... ہیلو.... ہارڈ اسٹون پلیز.... ہارڈ اسٹون پلیز....!"

"اسٹون اسپیکنگ....!" فریدی نے کہا۔

"دیکھئے! تھیلے سے اس کی لاش برآمد ہوئی ہے اور اس کا سارا جسم نیلا پڑ گیا۔ حتیٰ کہ دانت بھی نیلے ہو گئے ہیں۔"

فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "اس کا پوسٹ مارٹم ضرور ہونا چاہئے۔ طریقہ یہ

ہو گا کہ لاش کو اسی وقت ٹیکم گڈھ لے جاؤ اور کسی شاہراہ پر ڈال دو۔ لیکن اس کی ذمہ داری بھی تم پر ہی ہو گی کہ اُسے پولیس کے علاوہ اور کوئی نہ اٹھانے پائے۔"

"مطمئن رہیئے.... ایسا ہی ہو گا۔"

"اوور.... اینڈ آل....!" فریدی نے کہا اور سوئچ آف کرنے ہی جا رہا تھا کہ نسوانی قہقہہ سنائی دیا۔

"اب تم زہر کے امکانات پر غور کرو گے کرنل فریدی۔"

"غور کرنے کی بُری عادت سے بھی نالاں ہوں۔"

"اُسے سانپ نے ڈس لیا ہے.... ان پہاڑیوں میں کئی رنگوں والا سانپ پایا جاتا ہے جے شفق کہتے ہیں۔ وہ اتنا ہی زہریلا ہوتا ہے کہ دانت تک نیلے پڑ جاتے ہیں۔ تمہارے آدمی تھیلا ایک جگہ ڈال کر کمین گاہ کا راستہ تلاش کرنے لگے تھے۔ سانپ نے تھیلے کے اوپر ہی سے اُسے ڈس لیا لاش کا پوسٹ مارٹم ضرور کراؤ۔ میں خود اس کی نگرانی کروں گی کہ اُسے پولیس کے علاوہ اور کوئی ہاتھ نہ لگانے.... پائے.... اوہ کرنل کیا تم حمید کی خبر نہیں لو گے.... اُسے تمہاری مدد کی ضرورت ہے، ورنہ ہو سکتا ہے کہ اس کے پھیپھڑے سردی سے متاثر ہو جائیں۔"

آواز آنی بند ہو گئی اور فریدی نے سوئچ آف کر دیا۔

اس نے آج دن ہی میں وہ درہ دیکھا تھا جس کی تہہ میں ایک سست رفتار چشمہ بہتا تھا۔ تقریباً بیس یا پچیس منٹ کی جدوجہد کے بعد وہ اس کی اوپری چٹان تک پہنچ سکا اور پھر سچ مچ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کیونکہ حمید ایک کمبل میں لپٹا ہوا خراٹے لے رہا تھا اور اس کے نیچے ایک آرام دہ گدا بچھا ہوا تھا۔

"حمید.... حمید!" فریدی نے اس کا شانہ ہلا کر آواز دیتے ہوئے ٹارچ بجھا دی۔

"سونے دیجئے۔" حمید نے منمنا کر کروٹ لی۔

فریدی نے کمبل کا گوشہ ہٹا کر دیکھا۔ حمید کے جسم پر وہ ایوننگ سوٹ نہیں تھا جس میں اس نے اُسے کچھ دیر پہلے دیکھا تھا۔ اس کی بجائے سلکن سلیپنگ سوٹ تھا.... اس نے پھر حمید کو جھنجھوڑا اور حمید بڑبڑاتا ہوا اٹھ بیٹھا پھر جھلا کر بولا۔ "کھا جائیے مجھے.... سونے بھی نہیں دیتے.... ارے باپ رے۔"

وہ یک بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ فریدی نے پھر ٹارچ روشن کی اور حمید اپنے بستر کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ پھر فریدی کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر درے کی طرف جھپٹا۔ نیچے روشنی ڈالی تقریباً چالیس فٹ کی گہرائی میں پانی بہہ رہا تھا۔

"کیا میں بیہوش ہو جاؤں۔" اس نے پلٹ کر فریدی سے پوچھا۔

"کیا قصہ ہے۔"

"ارے یہ بستر.... میرا اپنا ہے.... اور یہ سلیپنگ سوٹ بھی! بھیگا ہوا ایوننگ سوٹ نہ جانے کہاں گیا.... میرے خدا.... میں غار سے پھسل کر اس درے کے چشمے میں جا پڑا تھا۔ پھر کسی نے رسی کے پھندے میں پھانس کر مجھے اوپر کھینچ لیا۔ اس کے بعد کا ہوش مجھے نہیں.... اف فوہ دونوں بازو! پھوڑے کی طرح دکھ رہے ہیں۔ کیا میں یقین کر لوں کہ وہ سچ مچ کوئی روح ہے۔"

"فی الحال یقین کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"وہ بیہوشی کے عالم میں میرا گلا گھونٹ سکتی تھی....! لیکن یہ دیکھئے وہ دونوں ریوالور بھی تکئے کے نیچے موجود ہیں، جو میرے ہاتھوں میں تھے! میرا بستر.... میرا تکیہ.... یہ سب کچھ یہاں کیسے آیا.... میرا بھیگا ہوا سوٹ کہاں گیا۔ یہ سلیپنگ سوٹ تو میرے سوٹ کیس میں تھا۔"

فریدی پیشانی پر شکنیں ڈالے کچھ سوچ رہا تھا۔

بھیگا ہوا سوٹ

وہ ایک بہت ہی تیز چیخ تھی جس سے بیگم تنویر کی نیند اچٹ گئی تھی۔ اُن کی آنکھیں پوری طرح کھلی ہوئی تھیں اور دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ کانوں میں سیٹیاں سی بج رہی تھیں اور پسینے کی چپچپاہٹ سارے جسم میں محسوس ہو رہی تھی۔

کمرہ تاریک تھا۔ وہ روشنی بند کر کے سونے کی عادی تھی۔

بدقت تمام وہ اٹھیں اور ٹٹولتی ہوئی سوئچ بورڈ تک پہنچیں! دوسرے ہی لمحہ میں کمرہ روشن ہو گیا۔ مگر پھر وہ سوچ میں پڑ گئیں.... ہو سکتا ہے وہ محض واہمہ رہا ہو۔ انہوں نے وہ آواز خواب میں سنی ہو۔ کیونکہ اب تو چاروں طرف سناٹا ہی سناٹا تھا۔

پھر بھی وہ احتیاطاً باہر نکل ہی آئیں۔ برآمدے میں روشنی تھی۔ دل دھک سے رہ گیا
کیونکہ صدر دروازہ کے دونوں پاٹ کھلے ہوئے تھے۔

جلد ہی انہوں نے اپنی حالت پر قابو پالیا کیونکہ وہ ایک مضبوط دل کی عورت تھیں۔ یہ اور
بات ہے کہ بیرونی برآمدے میں صوفیہ کو بیہوش دیکھ کر انہیں چکر آگئے ہوں۔

انہوں نے اُسے ہلایا جلایا لیکن اس نے آنکھیں نہ کھولیں....! اُن کے یہاں کوئی ملازم نہیں
تھا۔ مجبوراً وہ خود ہی اندر آئیں اور پہلے تو انہوں نے نچلی منزل کے سارے کمرے دیکھ ڈالے اور
یہ اطمینان ہو جانے پر کہ ساری چیزیں اپنی جگہ ہی پر موجود ہیں انہوں نے گلاس میں پانی انڈیلا اور
پھر وہیں پہنچ گئیں جہاں صوفیہ بیہوش پڑی تھی۔

انہوں نے اُس کے منہ پر چھینٹے دیئے اور ایک پرانا اخبار جھلتی رہیں۔ کچھ دیر بعد صوفیہ نے
آنکھیں کھولیں۔ چند لمحے پلکیں جھپکاتی رہی اور پھر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"آنٹی....!" اُس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی اور پھر وہ بیگم تنویر سے چمٹی ہوئی کسی
ننھے سے بچے کی طرح کانپ رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے.... کیا بات ہے! کیونکر میرا دم نکالے دے رہی ہو۔" بیگم تنویر بولیں۔

"وہ.... وہ اُسے لے گئے آنٹی....!"

"کون کسے لے گئے۔"

"جیلانی کو۔"

"جیلانی کو....!" بیگم تنویر نے حیرت سے کہا! "کون لے گئے۔"

"چار آدمی تھے جن کے چہروں پر نقابیں تھیں۔"

"کہاں لے گئے.... کیوں لے گئے.... کیسے لے گئے۔" بیگم تنویر بوکھلا گئیں۔

"زبردستی لے گئے۔ یہاں صحن میں جیلانی ان سے لڑ گیا تھا۔ انہیں میں سے کسی نے اس کے
سر پر کوئی وزنی چیز ماری اور وہ بیہوش ہو کر گر گیا۔ میں اُسی کی آواز پر جاگی تھی۔ دروازہ کھلا ہی
تھا میں یہاں برآمدے میں آگئی۔ جیلانی ان کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔
ایک آدمی میری طرف بھی بڑھا اور پھر اس نے مجھے حلق سے آواز نکالنے کی بھی مہلت نہیں
دی! وہ میرا گلا گھونٹ رہا تھا۔ اسی دوران میں میں نے جیلانی کو بھی گرتے دیکھا اس کے بعد کا حال

مجھے یاد نہیں....!"

"جیلانی...." وہ آہستہ سے بڑبڑائیں اور اپنی پیشانی رگڑنے لگیں۔ پھر بولیں۔ "چلو اٹھو
اندر چلیں.... میری تو آئی گئی عقل خبط ہو رہی ہے! سمجھ میں نہیں آتا کہ جیلانی کے لئے کیا
کروں....!"

"وہ اُسے کیوں لے گئے ہیں آنٹی....!"

"میں کیا بتا سکتی ہوں۔" انہوں نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

صوفیہ کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس طرح گھر کے اندر نہیں جانا چاہتی۔ لیکن پھر
وہ بیگم تنویر کا حکم نہ ٹال سکی اور اندر آکر بیگم تنویر نے دوبارہ دروازہ بولٹ کر دیا۔

"چلو اوپر چلیں....!" انہوں نے صوفیہ سے کہا۔

"وہاں کیا رکھا ہے! وہ تو اُسے لے گئے....!" صوفیہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

کچھ دیر بعد بیگم تنویر اوپر جانے کے لئے زینے طے کر رہی تھیں اور صوفیہ ان کے پیچھے تھی
جیلانی کے کمروں میں سے ایک کے علاوہ اُسے کہیں بھی کسی قسم کی ابتری نہ دکھائی دی۔

ابتری صرف اس کمرے میں تھی جہاں جیلانی تصویریں بنایا کرتا تھا۔ یہاں کا سارا سامان
الٹ پلٹ کر رکھ دیا گیا تھا۔ فرش پر چاروں طرف تصویریں بکھری پڑی تھیں۔

"تصویریں کیوں الٹی گئی ہیں۔" صوفیہ نے حیرت سے کہا۔

"خدا بہتر جانتا ہے۔" بیگم تنویر نے طویل سانس لے کر کہا۔ اُن کی آنکھوں میں الجھن کے
آثار تھے۔ تھوڑی دیر خاموش رہ کر وہ پھر بولیں "جیلانی بے حد پُراسرار آدمی ہے۔ مگر کرنل
فریدی اس کی تصویر میں کیوں دلچسپی لے رہا ہے۔ تصویر بجائے خود پُراسرار تھی۔ جیلانی کو اس
وقت یہاں سے اس طرح لے جانے والے کون تھے۔ وہ اُسے کہاں لے گئے ہوں گے۔"

"میں کیا کروں....!" صوفیہ بڑبڑائی۔

"کیوں؟" بیگم تنویر چونک کر اُسے گھورنے لگیں! "میں کیا کروں کا کیا مطلب....!"

"جج.... جی کچھ مطلب نہیں.... بس.... یعنی کہ....!" صوفیہ ہکلا کر رہ گئی۔ لیکن بیگم
تنویر اُسے گھورتی ہی رہیں۔

"کیوں؟ کیا تم کوئی حماقت کر بیٹھی ہو۔"

"جی نہیں تو.... مگر کیا مطلب! میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

"کچھ نہیں....!" بیگم تنویر نے خشک لہجے میں کہا۔ "کوئی نہیں جانتا کہ جیلانی کون ہے۔ اس کے والدین کون تھے کہاں تھے۔"

"وہ تو خود کو سر دانش کا بیٹا کہتا ہے۔" صوفیہ بولی۔

"نہیں تم نہیں جانتیں۔ اس کی اصلیت سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ وہ تو کل ایک آرٹسٹ لیڈی شیلا درپن سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے مجھے جیلانی کے متعلق بہت کچھ بتایا۔ سر دانش ایک اچھے مصور اور لاولد رئیس تھے۔ انہوں نے شادی ہی نہیں کی تھی۔ اپنی دولت عمو فنکاروں اور فن پر صرف کرتے تھے۔ جیلانی ایک دن انہیں شہر کے کسی فٹ پاتھ پر ملا تھا۔ کوئلے سے فٹ پاتھ پر تصویریں بنا رہا تھا۔ اس وقت اس کی عمر پندرہ سال تھی وہ اسی طرح پیٹ پالتا تھا۔ فٹ پاتھوں پر کوئلے سے اوٹ پٹانگ تصویریں بنا کر لوگوں کو خوش کرتا تھا اور وہ اُسے پیسے دیتے تھے۔ گویا اس نے بھیک مانگنے کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا تھا۔ سر دانش اُسے اپنے گھر لا اور اُسے تعلیم و تربیت دینے لگے بچوں کی طرح پالا اور مرتے وقت جائیداد اسی کے نام لکھ گئے۔"

"اس کے باوجود بھی وہ کرائے کے مکان میں زندگی بسر کرتا ہے۔" صوفیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہوں! جیلانی جیسا شریف آدمی ہونا بہت مشکل کام ہے.... آج تک میری نظروں سے ایسا کوئی دوسرا آدمی نہیں گزرا.... سر دانش لاولد ضرور تھے لیکن اس کے بعض قریبی اعز تھے ہی جو اُن کے بعد ان کی جائیداد کے وارث ہوتے! لیکن سر دانش ان سے سخت متنفر تھے۔ ا لئے انہوں نے ان کو اپنی جائیداد سے ایک حبہ بھی نہیں دیا....! ان کے وہ عزیز مفلس تھے ا کے پاس اتنا سرمایہ نہیں تھا کہ جیلانی سے مقدمہ بازی کر کے جائیداد نکال لیتے۔ سر دانش کی ا بیوہ عم زاد بھی تھی زیادہ تر حق اسی کو پہنچتا تھا۔ وہ بڑی تنگدستی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ ایک جھلاہٹ میں جیلانی پر چڑھ دوڑی۔ جیلانی کو جب یہ معلوم ہوا کہ سر دانش نے اُسے جائیداد کر اپنے اعزہ کی حق تلفی کی ہے تو اُسے بڑا دکھ ہوا.... اور وہ چپ چاپ ساری جائیداد دستبردار ہو گیا.... دانش کی عم زاد نے بہت چاہا کہ وہ اپنی رہائش کیلئے سر دانش ہی کا کوئی منتخب کر لے یا اسی کوٹھی میں مقیم رہے جس میں اب تک رہتا آیا تھا۔ لیکن جیلانی اس پر تیا

ہوا.... اسی دن کوٹھی خالی کر دی۔ کرائے کے مکان میں رہنے لگا۔ ہے کوئی بیسویں صدی میں بھی ایسا.... مجھے تو نہیں دکھائی دیتا۔"

بیگم تنویر خاموش ہو گئیں اور صوفیہ چونک کر بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

"تم رو رہی ہو....!" بیگم تنویر نے حیرت سے کہا۔

"جی.... وہ نہیں.... دیکھئے نیک آدمیوں کے قصے سن کر میرا دل بھر آتا ہے۔"

"مجھے کچھ کرنا چاہئے.... کرنل فریدی کو فون کروں.... کیا کروں۔"

"کرنل فریدی کہیں باہر گئے ہوئے ہیں! کل جیلانی نے انہیں فون کیا تھا گھر سے یہی جواب ملا تھا۔"

"پھر پولیس اسٹیشن فون کروں.... ہاں.... میرے خدا.... میں کتنی پریشان ہوں.... وہ کتنا اچھا تھا.... ایسا دل کڑھ رہا ہے جیسے اپنا ہی بچہ کھو گیا ہو۔"

❁

اتنی سردی تو تھی ہی کہ صرف سلکن سلیپنگ سوٹ میں رہنا ناممکن ہو جاتا۔ حمید نے کمبل اوڑھ لیا اور گدا تہہ کر کے کاندھے پر ڈال لیا۔ اُسے یہ دیکھ کر اور بھی حیرت ہوئی کہ اس کے پیروں میں بھیگے ہوئے جوتے بھی نہیں ہیں! خشک سلیپرز پیروں کے پاس پڑے ہوئے تھے۔ یہ بھی اس کے اپنے ہی تھے۔

وہ درے والی چٹان سے اترنے لگے۔

"آخر آپ کو اس آسیب پر کس عورت کا شبہ ہوا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"آسیب.... آسیب ہے اس پر کسی کا شبہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے ابھی تک اُسے دیکھا تو نہیں ہے کہ اس پر کسی کا شبہ کیا جا سکے۔"

"وہ تصویر کس کی تھی۔"

دفعتاً.... فریدی نے اس کا بازو پکڑ کر روکتے ہوئے کہا۔ "نیچے دیکھ کر چلو ابھی ہڈیاں چور ہو جاتیں۔" حمید نے نیچے دیکھا۔ ایک بڑا سا غار تھا پھر وہ اس سے کترا کر نیچے اترنے لگے۔

نیچے پہنچ کر کچھ دور سطح زمین پر چلنا پڑتا اور پھر اس کے بعد چڑھائی شروع ہو جاتی جس سے گزر کر وہ سیاحوں کے خیموں تک پہنچتے۔

فریدی اب بھی سرحدی چوکی کے کمانڈر ہی کے میک اپ میں تھا۔

"اب تم کہاں جاؤ گے۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔ پھر ٹارچ کی روشنی میں گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اف.... فوہ تین بج گئے۔"

"میرا خیال ہے کہ قاسم خود ہی تلاش کر کے ان دونوں کو خیمے میں لے گیا ہوگا۔"

"مگر یہ لڑکی کیوں ہے تمہارے ساتھ۔!"

"مدے اسی بیچاری نے تو سہارا دیا تھا۔ ورنہ پتہ نہیں کہاں کہاں بھٹکتے پھرتے چھوری پیک ہٹ اسی نے دلوایا تھا۔"

"مگر اس کے ساتھ آنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"یہ میرے آفیسر مسٹر آصف سے پوچھیے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "اب میں اس وقت کہاں جاؤں گا۔"

قاسم کے خیمے کے قریب پہنچ کر فریدی چلتے چلتے رک گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "مجھے ان فوجیوں کی لاشوں کا بھی انتظام کرنا ہے۔ تم جاؤ.... لیکن تمہیں تا اطلاع ثانی یہیں قیام کرنا ہے۔"

"معاف کیجیے گا۔ میں آج کل صرف آصف کا پابند ہوں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"تم دونوں ہی میرے پابند ہو۔ میری اجازت کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔" فریدی نے کہا اور تیزی سے نیچے اترتا چلا گیا۔

حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور گدا زمین پر رکھ کر اسی پر اکڑوں بیٹھ گیا۔ تمباکو کی خواہش اُسے بے چین کر رہی تھی۔ وہ تھکن بھی محسوس کر رہا تھا۔ اسی لئے یہاں بیٹھ گیا تھا۔ ورنہ یہاں بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔

دس منٹ بعد وہ پھر اٹھ کھڑا ہوا.... اب اس کا رخ قاسم کے خیمے کی طرف تھا۔

❁

زیادہ دور نہیں چلنا پڑا.... خیموں کی بستی میں کہیں کہیں اس وقت بھی روشنی نظر آ رہی تھی۔ حمید قاسم کے خیمے کے پاس رک گیا۔

اندر روشنی تھی لیکن در کا پردہ گرا کر باندھ دیا گیا تھا۔

اندر سے قاسم کی بھرائی ہوئی سی آواز آ رہی تھی۔ ساتھ ہی وہ زیبا کی ہنسی بھی سن رہا تھا۔

قاسم شاید انہیں کوئی کہانی سنا رہا تھا۔

"پردہ کھولو....!" حمید نے باہر سے ہانک لگائی اور قاسم یک بیک خاموش ہو گیا اور پھر تھوڑی دیر بعد اس نے پوچھا! "قون....!"

"تمہارا چچا فرعون.... پردہ کھولو....!"

"اَغے.... حمید بھائی....!" قاسم نے نعرہ لگایا۔ پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے خیمے میں زلزلہ آگیا۔ وہ بُری طرح ہل رہا تھا۔ کیوں نہ ہلتا جبکہ قاسم خود ہی پردے کی رسیاں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پردہ کھلا اور ساتھ ہی قاسم کا منہ بھی کھل گیا کیونکہ حمید کمبل اوڑھے ہوئے تھا اور اس کے کاندھے پر گدا بار تھا اور جسم پر شب خوابی کا لباس۔ آصف اور زیبا بھی اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔" دفعتاً آصف نے غصیلے لہجے میں کہا۔

حمید نے کوئی جواب دیئے بغیر گدا زمین پر پھیلا دیا اور اس پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ ساڑھے تین بج رہے ہیں۔"

"میں تم سے کیا پوچھ رہا ہوں۔" آصف نے للکارا۔

"اے تو آہستہ بولو نا بڑے بھائی.... چنگھارنے کی کیا جرورت ہے۔" قاسم نے سر ہلا کر کہا۔ "حمید بھائی ہیں۔ کوئی نئی سوجھی ہوگی۔"

"میرا سامان کہاں ہے۔"

"وہ اُدھر....!" قاسم نے ایک گوشے میں اشارہ کیا۔

حمید اٹھ کر اپنے سوٹ کیس کے قریب آیا۔ بھیگا ہوا سوٹ اس پر موجود تھا اور قریب ہی جوتے رکھے ہوئے تھے۔

"سامان یہاں پہنچانے کے بعد آپ لوگ کہیں گئے تھے؟" حمید نے آصف سے پوچھا۔

"بیکار بکواس نہ کرو۔" آصف نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر نہ گئے ہوتے تو تم چپ چاپ یہ سارا سامان کیسے نکال لے جاتے.... کہاں تھے اب تک۔"

"یہ میرا نہیں بلکہ روح بہار کا کرشمہ ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"میں اس منارے کو دیکھ کر نیچے اترنے لگا تھا۔ دفعتاً پیر پھسلا اور میں ایک چشمے میں جا
اب جو ٹارچ روشن کی اور اوپر دیکھا تو دم نکل گیا کیونکہ یہ پانی ایک گہرے درے میں بہہ رہا
دونوں طرف چٹانیں کھڑی تھیں۔ میرا سر چکرا گیا کیونکہ اب اوپر پہنچنے کا کوئی ذریعہ نظر
آ رہا تھا کچھ ہوش آیا تو محسوس کیا کہ جسم پر بھیگے ہوئے کپڑے بھی نہیں ہیں۔ بستر بھی میرا
تھا اور سلیپنگ سوٹ بھی۔"

"لونڈوں کو ایسی غپ سنانا....!" آصف بے اعتباری سے بولا۔

اور حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "بھیگا ہوا سوٹ اور جوتے یہاں موجود ہیں۔"

زیبا آگے بڑھ کر دیکھنے لگی۔ قاسم اس طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے وہ کچھ سمجھا ہی نہ ہو۔

"قیا... قصہ ہے حمید بھائی....!" اس نے پوچھا۔

"مجھ پر آسیب کا سایہ ہو گیا ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ارے باپ رے۔" قاسم کا منہ پھیل گیا۔

"تمہیں نیند کب آئے گی۔" آصف نے زیبا سے کہا۔ "خود بھی جاگ رہی ہو اور دوسر
کو بھی جگا رہی ہو۔"

پھر وہ سب چپ چاپ لیٹ گئے۔ قاسم بھی خاموش ہو گیا تھا۔ پتہ نہیں ذہنی رو بہک
تھی یا آسیب کے نام پر اس کا دم ہی نکل گیا تھا۔

حمید تفریح کے موڈ میں نہیں تھا۔ نیند بھی غائب ہو گئی تھی اور اس وقت وہ صرف سو
چاہتا تھا۔ آخر فریدی نے اس آواز کے متعلق کیا نظریہ قائم کیا تھا؟ کیا وہ بھی اُسے آسیب
سمجھتا تھا۔ مگر نہیں! آسیب کیوں!.... اگر یہی بات ہوتی تو پہلے ہی سے اس تصویر کے پیچھے کی
پڑتا۔ اس وقت تک اس آسیب کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے جیلانی کو
سال سے پریشان کر رکھا ہو۔ لیکن فریدی کو اس کا علم کب تھا.... وہ تصویر تو اچانک اس
سامنے آئی تھی اور وہ اس میں دلچسپی لینے لگا تھا.... اگر اُسے آسیب نہ سمجھا جائے تو پھر اس آ
مسئلہ کیسے حل ہو سکتا ہے، جو ہر جگہ سنی جا سکتی ہے۔

حمید نے اس غار میں ٹرانسمیٹر تلاش کیا تھا۔ لیکن وہاں تو کوئی ایسی چیز بھی نہیں ملی تھی
پر ٹرانسمیٹر کا شبہ ہی کیا جاتا۔ "اوہ.... مگر....!" وہ بڑبڑایا.... اُسے تاریک وادی کی وہ

اسفنج نما کائی یاد آ گئی جسے زیرولینڈ والے ٹرانسمیٹر کی بجائے استعمال کرتے تھے۔ اگر ویسا ہی کوئی سنہرہ ڈھیر کہیں چھپا دیا جائے تو اس سے بھی ویسی ہی آواز نکلے گی.... "اوہ.... اوہ....!" وہ مضطربانہ انداز میں اٹھ بیٹھا مگر فزارو کا کمرہ.... اس کے ذہن میں کانٹے سے چبھنے لگے.... فزارو والا کمرہ.... وہ اور آصف دونوں ہی اُسی کمرے میں موجود تھے! لیکن الگ الگ اُس پُر اسرار عورت کی آوازیں سن رہے تھے۔ جب وہ آصف سے مخاطب ہوتی تھی تو حمید اس کی آواز نہیں سن سکتا تھا اور جب وہ حمید سے کچھ کہتی تھی تو آصف نہیں سن سکتا تھا.... پھر اسے کیا کہا جائے گا.... ہو سکتا ہے اس بار فریدی کے نظریات شکست ہو جائیں.... مگر وہ چمکدار دھوئیں کا منارہ.... اس نے کہا تھا کہ وہ اس کی بے چینی تھی۔ فریدی نے تو یہی بتایا تھا۔ وہ اس کی بے چینی تھی جو زمین و آسمان کو ایک کر دیتی تھی۔ کتنا شاعرانہ خیال تھا.... وہ کیسی ہو گی.... کیسی ہو گی.... اس کی آواز کتنی رسیلی ہے.... کتنی پُر اسرار ہے.... حمید بستر سے اٹھ گیا.... وہ لوگ خراٹے لینے لگے تھے مگر خیمے میں ٹہلنے کی جگہ کہاں تھی.... پھر وہ کیا کرتا.... دفعتاً باہر سے آواز آئی۔

"کیپٹن حمید.... براہ کرم باہر تشریف لائیے۔"

آواز مردانہ تھی اور حمید کے لئے بالکل نئی! ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی وہ اس آواز کی شناخت نہ کر سکا۔

"کون ہے....!" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کرنل وارڈ....!" پرسکون لہجے میں جواب دیا گیا اور حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔ سونے والے سوتے رہے۔ حمید نے خیمے کے پردے کی رسیاں کھولیں پردہ ہٹاتے ہی پیٹرومیکس کی روشنی کرنل وارڈ پر پڑی۔ وہ سفید سمور کی ٹوپی اور سیاہ لبادے میں ملبوس تھا۔

"شاید ہم پہلے کبھی نہیں ملے۔" حمید نے کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیا آپ میرے خیمے تک چل سکیں گے....!" کرنل نے جھکیوں کے سے انداز میں کہا۔

"ضرور چلوں گا....!" حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

کھوپڑی کھا گئی

کرنل وارڈ کا خیمہ کیا تھا اچھا خاصا بھوت خانہ تھا۔ خیمے کے وسط میں ایک ایسا قالین بچھا ہوا تھا جس پر انسانی ہڈیوں کے ڈھانچوں سے ترتیب دیئے ہوئے ڈیزائن تھے۔ اسی قالین پر ایک جگہ انسانی کھوپڑی رکھی ہوئی تھی۔

حمید نے خیمے کی فضا میں عجیب سی بو محسوس کی۔ لیکن وہ اُسے کوئی معنی نہ پہنا سکا۔ ویسے اس کا مبہم سا احساس ضرور تھا کہ وہ خوشبو کسی حد تک جانی پہچانی ہوئی سی ہے۔ پھر یک بیک اُسے یاد آگیا کہ وہ خوشبو کیسی ہے۔ ایسے خوشبو تو کفن سے آتی ہے۔ کافور صندل اور عطر کی ملی جلی خوشبو!

کرنل وارڈ خیمے کے وسط میں کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں ویران ہوتی جا رہی تھیں.... دفعتاً اس نے کہا۔ "کیپٹن یہ میری زندگی کا حیرت انگیز ترین دن ہے۔"

"کیوں....؟" حمید چونک پڑا۔

"اب تک میرے پاس ایسے ہی آدمی آتے رہے ہیں جنہیں کسی روح کو طلب کرنا ہوتا ہے لیکن آج ایک ایسا آدمی آیا ہے جسے ایک روح نے طلب کیا ہے۔ میرے سارے کیریئر میں ایک دن بھی ایسا نہیں آیا۔"

"مجھے کس روح نے طلب کیا ہے۔" حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"تم کون ہو۔"

"کرنل وارڈ ماہر روحانیات کا نام شائد آپ نے پہلے بھی کبھی سنا ہو۔"

"مجھے یاد نہیں پڑتا۔"

"خیر ہوگا۔ تو ہاں آپ نے اس روح کے متعلق پوچھا تھا۔ وہ ایک قدیم روح ہے۔ بہت دنوں سے بے چین ہے۔ میں اس بے چینی کی وجہ نہیں جانتا۔ لیکن میرا علم ہی خبر دیتا ہے کہ عنقریب وہ روح سکون پا جائے گی۔"

"آپ جانتے ہیں میں کون ہوں۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اور میرا وقت برباد کرانے کی سزا کیا ہو سکتی ہے۔"

"میں جانتا ہوں کہ آپ محکمہ سراغ رسانی کے ایک ذمہ دار آفیسر ہیں اور مجھے پھانسی تک

دلوا سکتے ہیں۔"

"یہ زبان جو قینچی کی طرح چل رہی ہے منہ سے کھینچی بھی جا سکتی ہے۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

دفعتاً زمین پر رکھی ہوئی کھوپڑی سے قہقہے کی آواز آئی اور یہ آواز اس آسیب کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر اس نے حمید کو مخاطب کیا۔

"تم بڑے احسان فراموش معلوم ہوتے ہو۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے میں نے تمہاری جان بچائی تھی اور اب تم میرے پجاری کو آنکھیں دکھا رہے ہو....!"

"ہیں.... یہ تمہارے پجاری ہیں.... روح بہار....!"

"میرا پجاری....!" بڑی شان سے جواب دیا گیا۔

حمید کرنل وارڈ کی طرف مڑا اور اس سے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "مجھے افسوس ہے مائی ڈیئر مسٹر پجاری۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تمہارا تعلق جان سے پیاری روح بہار سے ہے....ڈارلنگ روح بہار.... اس غلطی پر تم جو سزا مجھے چاہو دے سکتی ہو۔ کہو تو مرغا بن جاؤں۔"

"مکاری کی باتیں نہیں کیپٹن حمید! میں نے تم سے بھی بڑے مکار دیکھے ہیں۔"

"جانِ آرزو! تم میرے خلوص کو پھانسی دے رہی ہو۔ میری دل آزاری نہ کرو۔ میں تمہارے لئے جان بھی دے سکتا ہوں۔"

"خیر اسی وقت اس کا بھی امتحان ہو جائے گا۔" کھوپڑی سے آواز آئی۔ "فی الحال میں تمہاری ایک آرزو پوری کرنا چاہتی ہوں۔ تم نے کہا تھا نا کہ تم مجھے دیکھنا چاہتے ہو۔"

"اوہ.... اوہ....!" حمید دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر دو زانو بیٹھ گیا اور بولا۔ "تم میری خواہش پوری کرو گی.... مگر کہاں۔"

"یہیں.... اسی جگہ....!" کھوپڑی سے آواز آئی۔

"میں بہت مضطرب ہوں.... روح بہار.... اب باتوں میں وقت نہ برباد کرو۔"

"اچھا تو دیکھو....!" کھوپڑی سے آواز آئی اور یکایک خیمے میں اندھیرا گھپ ہو گیا! پٹرومیکس لیمپ بجھ گیا تھا۔

پھر اس اندھیرے میں ایک جگہ روشنی کا دھبہ سا نظر آیا۔ کچھ دیر بعد جب آنکھیں

اندھیرے کی عادی ہو گئیں تو وہی دھبہ پہلے ہی سے بھی زیادہ واضح ہو گیا۔ یہ قالین کے وسط میں رکھی ہوئی کھوپڑی تھی۔ آنکھوں کے سوراخ پہلے ہی کی طرح تاریک تھے.... کھوپڑی ہی کی سطح چمک رہی تھی۔ اچانک آنکھوں کے سوراخوں سے دو باریک چمکدار سی لکیریں نکلیں اور انہوں نے کھوپڑی کے گرد تقریباً پانچ فٹ قطر کا دائرہ بنایا.... آہستہ آہستہ یہ دائرہ بلند ہونے لگا.... چمکیلا غبار دائرے کی شکل میں اوپر اٹھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ خیمے کی چھت سے جالگا۔ وہ غبار اتنا روشن تھا کہ خیمے کی ایک ایک چیز صاف دیکھی جاسکتی تھی۔ حمید کے قریب ہی کرنل وارڈ کھڑا اس غبار کو گھور رہا تھا۔ سفید سمور کی ٹوپی کے نیچے اس کا نیم تاریک چہرہ اس وقت بڑا بھیانک لگ رہا تھا.... حمید کی آنکھیں اس کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

پھر وہ چونکا شہنائیوں اور ڈھول کی مدھم آواز چمکدار غبار کے بگولے سے نکل کر خیمے میں منتشر ہو رہی تھی.... ایک عجیب سا نغمہ تھا.... جس نے چند ہی لمحات میں ہزاروں سال پہلے کی دنیا کا ماحول پیدا کر دیا۔ عود و عنبر کی لپٹوں سے سارا خیمہ مہک رہا تھا۔ آہستہ آہستہ شہنائیوں کی آوازیں سکوت میں گم ہوتی چلی گئیں پھر گھنٹے بجنے لگے.... بالکل ایسے ہی جیسے پوجا کے وقت بجتے ہیں۔ اس کے بعد مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ سنائی دی جو بتدریج بلند ہوتی گئی اور اب حمید کی سمجھ میں آیا کہ یہ ہزاروں آدمیوں کا کورس تھا۔ ہزاروں آدمی بیک وقت گا رہے تھے.... یہ حمید کی سمجھ میں نہ آسکا.... موسیقی بھی غیر مانوس تھی۔ مگر اس سے عظمت اور جلال و جبروت کا اظہار ہو رہا تھا۔

پھر یک بیک اس روشن غبار کے بگولے کے اندر ایک دھندلا سا انسانی مجسمہ نظر آیا جس کے خدوخال واضح نہیں تھے۔ آہستہ آہستہ مجسمہ واضح ہوتا گیا۔ یہ ایک بے حد حسین عورت تھی۔ اس کے جسم پر قدیم یونانی وضع کا سفید لبادہ تھا اور وہ یونان ہی کی کوئی اساطیری دیوی معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے ہونٹ ہلے اور آواز نکلی۔ یہی آواز حمید بہت دنوں سے سنتا آرہا تھا۔ مگر وہ اس وقت جو کچھ بھی کہہ رہی تھی حمید کے فرشتے بھی اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکتے تھے۔ پتہ نہیں وہ کون سی زبان تھی۔

پھر اچانک وہ ہنس پڑی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے چینی کی پلیٹ میں ننھے ننھے ٹھوس موتیوں کی لڑی ٹوٹ گئی ہو۔

"ہاہا.... تم نہیں سمجھے کیپٹن حمید۔" اس نے کہا۔ "میں نے ابھی تمہیں دیوتاؤں کی زبان میں مخاطب کیا تھا۔ میں یونان کی وینس ہوں.... اگر تم نے میرا بت دیکھا ہو تو پہچاننے کی کوشش کرو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ رہا تھا۔

"میں ہزار ہا سال سے بیکراں خلاؤں میں موجود ہوں....!" مجسمے نے کہا۔ "ہر دور میں مجھے چند لوگ پسند آتے ہیں۔ مجھے کرنل فریدی کی جرأت اور ذہانت پسند ہے.... اور تم.... تمہاری باغ و بہار طبیعت مجھے بھائی ہے.... بلاؤ کرنل کہاں ہے وہ روحوں پر یقین نہیں رکھتا.... تم ہی بتاؤ.... تم جو ابھی سوچ رہے تھے کہ اس کھوپڑی میں کوئی چھوٹا سا ٹرانسمیٹر موجود ہے.... تم جو تاریک وادی میں سنہری کائی دیکھ چکے ہو! مجھے بھی سائنس کا کوئی شعبدہ سمجھتے ہو.... بولو.... جواب دو! کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں۔"

حمید دم بخود تھا۔ وہ روشن غبار کے بگولے کے درمیان اُس عورت کو دیکھ رہا تھا جس کا جسم حرکت کر سکتا تھا۔ جس کے متحرک ہونٹوں سے منتشر ہونے والے الفاظ اس کے کانوں تک پہنچ رہے تھے۔ وہ ایک روح تھی.... کیا حقیقتاً وہ ایک روح تھی.... حمید خائف نہیں تھا۔ لیکن اس کے اعصاب کو کیا ہو گیا تھا۔ اس کی زبان کیوں گنگ ہو گئی تھی۔

"تم اب بھی شبہے میں مبتلا ہو کیپٹن حمید۔ اچھا اٹھو اور میرے قریب آؤ.... آؤ.... ڈرتے کیوں ہو.... کیا میں تمہیں کوئی گزند پہنچاؤں گی.... ہرگز نہیں.... ہرگز نہیں کیپٹن حمید.... اگر یہی چاہتی تو تم اس چشمے سے نکل کر بستر میں آرام کرتے ہوئے نہ پائے گئے ہوتے.... آؤ قریب آؤ۔"

حمید ابھی تک دوزانو ہی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ بہت بڑی بزدلی ہوگی اگر وہ اٹھ کر اس کے پاس نہ جائے۔ وہ اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا روشن غبار کے بگولے کے قریب پہنچ گیا جو ایک ہی جگہ پر بڑی تیزی سے گردش کر رہا تھا۔

"تم واقعی بہت دلیر ہو کیپٹن حمید۔" روح مسکرائی۔ "تم جیسے لوگ بھی کم ہی دیکھنے میں آئے ہیں۔ ادھر دیکھو ذرا کرنل وارڈ کی حالت دیکھو۔"

حمید کرنل وارڈ کی طرف مڑا جو زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا اور اس میں زندگی کے آثار نہیں پائے جاتے تھے۔

"اندر آجاؤ....ڈرو نہیں....!" روح نے بڑے پیار سے کہا۔

لڑا کر کے غبار کے بگولے میں داخل ہو گیا.... روح اب اس سے صرف ایک
کے
تھی!

"میرا ہاتھ پکڑلو.... دیکھو کتنا سرد ہے.... شائد تمہارا زندگی سے بھرپور ہاتھ
کچھ ے سکے۔" اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

سین تھی.... کتنی دلکش تھی.... حمید پر بے خودی سی طاری ہوتی جارہی
اس ے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ لیکن پھر اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چ
گئی نہ اس کی مٹھی بند ہو گئی تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے وہ دھوئیں کا ہاتھ
روح اب بھی وہیں موجود تھی اس کا ہاتھ بھی اسی پوزیشن میں تھا۔ حمید نے سنبھالا لیا....
لڑا کر کے اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا.... لیکن ہاتھ اس طرح اس کی کمر سے گزر گیا جیسے د
سے گزرا ہو۔

روح نے قہقہہ لگایا اور حمید لڑکھڑاتا ہوا.... روشن غبار کے بگولے سے نکل آیا۔ اس
شدت سے چکرا رہا تھا اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب وہ اپنی قوت سے کھڑا نہ رہ سکے گا۔

"دیکھا تم نے.... اب اپنا وقت برباد نہ کرو....!" روح نے کہا اور آہستہ آہستہ اُسی
غبار میں تحلیل ہو گئی۔

پھر غبار بھی تاریکی میں مدغم ہو گیا۔ حمید وہیں کھڑا رہا۔ لیکن اب اس کی حالت اور زیا
ہوتی جارہی تھی۔

وہ کیا کرے.... وہ کیا کرے.... اتنی سی بات بھی اس کی سمجھ میں نہ آسکی کہ اُسے بیٹھ جانا چا
وہ آگے پیچھے جھول رہا تھا.... دفعتاً کرنل وارڈ اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا اور داہنے
سہارا دیتا ہوا بولا۔ "سنبھلو کیپٹن.... سنبھلو.... میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں کہ آج تم
بدولت اس کا دیدار نصیب ہوا.... ورنہ بیس برس سے اس کی پرستش کرتا آرہا تھا۔ مگر
میرے سامنے نہیں آئی.... صرف اس کی آواز ہی سنتا رہا تھا.... اوہ.... کیپٹن اوہ....
کتنے خوش نصیب ہو!.... اس نے تمہیں اپنے قریب بلایا تھا اپنا ہاتھ پیش کیا تھا۔ بیٹھ جاؤ
جاؤ.... تم واقعی بڑے ہمت والے ہو۔ اگر وہ مجھے اپنے قریب بلاتی تو.... میرا تو دم ہی نکل جا

اس نے حمید کو قالین پر بٹھا دیا۔

دوسری صبح فریدی حمید کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ حفاظتی چوکی سے ٹرانس میٹر کے ذریعہ اس نے ہیڈ کوارٹر کو حالات سے آگاہ کیا تھا اور اسے ہیڈ کوارٹر سے اختیار ملا تھا کہ وہ سیکنڈ آفیسر کو وقتی طور پر انچارج بنا کر اپنا کام دیکھے۔ وادیٔ کاجیک کا پُراسرار دخانی منارہ ہیڈ کوارٹر کے لئے بھی الجھن کا باعث بن گیا تھا۔ لہٰذا فریدی کو یہ بھی بتایا کہ ایک فوجی تحقیقاتی کمیشن وادیٔ کاجیک کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ فریدی اس اطلاع پر کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

پھر وہ حمید کی تلاش میں نکلا۔ پچھلی رات کے تجربات نے اس پر واضح کر دیا تھا کہ حریف کی نظر اس پر ہر وقت رہتی ہے۔ لہٰذا میک اپ بھی فضول ہی ثابت ہوگا۔ اسی لئے اس نے حفاظتی چوکی کے کمانڈر کا میک اپ ختم کر دیا تھا۔

قاسم کا خیمہ تلاش کرنے میں اُسے کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔ کیونکہ وہاں کسی دیو قامت آدمی کو تلاش کر لینا کچھ مشکل نہیں تھا۔ مشکل کیوں ہوتا جب کہ قاسم پہلے ہی سے آس پاس والوں کے لئے موضوع گفتگو بنا رہا تھا۔ لیکن اس وقت اس کا خیمہ خالی ملا۔ فریدی نے سوچا ممکن ہے وہ لوگ "کیفِ شبانہ" میں ناشتہ کرنے گئے ہوں۔ اس لئے وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔

راہ میں کرنل وارڈ کے خیمے کے قریب اُسے رک جانا پڑا۔ کیونکہ اندر سے حمید کے گانے کی آواز آرہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی تال اور سر میں لکڑی بجائی جارہی تھی۔ پھر کوئی دوسرا بھی حمید کی آواز میں آواز ملانے لگا۔ حمید گا رہا تھا۔

زہرہ ہفت افلاک کی نذر ہیں! عشرتیں راحتیں، زندگی اور دل
دل جو معمور ہے زہرہ ہفت افلاک کے عشق سے زہرہ ہفت افلاک کا عشق ہے حاصل زندگی

فریدی بغیر اجازت پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔ لیکن آج کل اُسے کسی بات پر حیرت نہیں ہوتی تھی۔ پھر وہ حمید کو اس حال میں دیکھ کر حیرت کیوں ظاہر کرتا۔

حمید کا حلیہ عجیب تھا۔ اس کے سر پر بھی سمور کی ٹوپی تھی اور جسم پر لبادہ.... وہ قالین پر دوزانو بیٹھا ہوا گا رہا تھا اور اس کے سامنے اسی پوزیشن میں کرنل وارڈ بیٹھا گانے کی تال اور سر کے ساتھ دو بڑی بڑی ہڈیاں بجا رہا تھا۔ کبھی وہ بھی گانے لگتا۔ دونوں کی آنکھیں بند تھیں اور ان کے درمیان ایک انسانی کھوپڑی رکھی ہوئی تھی۔

قریب ہی زیبا قاسم اور آصف کھڑے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہے تھے۔ آصف فریدی کو دیکھ کر چونک پڑا اور زیبا پر کچھ اس قسم کی نظر ڈالی جیسے وہاں اس وقت اس کی موجودگی اس کے لئے کوئی بڑی آفت لائے گی۔

"یہ دیکھئے اپنے شاگردِ رشید کے کرتوت....!" آصف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس کی آواز پر ان دونوں نے اس طرح خاموش ہو کر آنکھیں کھول دیں جیسے ان کی موجودگی سے بے خبر رہے ہوں۔ دونوں ہی کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔

"جائیے....!" حمید ہاتھ ہلا کر فریدی سے بولا۔ "میں اب آپ کے کام کا نہیں رہا۔ جائیے اپنی عقل کو چگاتے پھریئے۔ مجھے تو نیا گیان ہوا ہے۔ میں زہرہ کا پجاری ہوں.... جائیے.... میری واپسی نہ ممکن ہے۔"

"سن لیا....!" آصف بُرا سامنہ بنا کر بولا۔ "یہ تم سے بھی بڑھ جائے گا۔"

"یہ تم نے کیا کیا۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کرنل وارڈ سے کہا۔

"آپ کون ہیں اور بغیر اجازت میرے خیمے میں کیوں گھس آئے۔" کرنل وارڈ اٹھتا ہوا بولا۔

"تم کرنل وارڈ ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں میرے نام کے سلسلے میں تم غلطی پر نہیں ہو۔" کرنل وارڈ نے پُرسکون لہجہ میں کہا۔

"اور اب براہِ کرم باہر چلے جاؤ.... ہماری عبادت میں خلل نہ ڈالو۔"

حمید نے پھر زہرہ ہفت افلاک کا بھجن شروع کر دیا اور کرنل وارڈ پہلے ہی کی طرح ہڈیاں بجاتا رہا۔

"کرنل وارڈ....!" دفعتاً فریدی گرجا۔ "میں تم سے پوچھتا ہوں کہ یہ خیمہ کب سے تمہارے پاس ہے۔"

"میں کیوں بتاؤں! تم کون ہو۔"

فریدی نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کے آگے ڈالا۔

"اوہ.... تو.... مگر مجھے پولیس سے کیا سروکار۔" کرنل وارڈ نے کارڈ دیکھ کر متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"میری بات کا جواب دو۔"

"سیزن کے شروع ہی میں میں نے یہ خیمہ اپنے لئے بک کرا لیا تھا۔"

"مگر تم زیادہ تر دارالحکومت میں نظر آتے ہو۔"

"کیوں نہ آؤں! کیا میری نقل و حرکت پر کسی قسم کی پابندی لگا دی گئی ہے۔"

"کیا تم آدمیوں کی طرح گفتگو کرنے پر مجبور نہیں کئے جا سکتے۔" فریدی غرایا۔

"آپ کیوں ہمیں بور کر رہے ہیں۔" حمید بول پڑا۔

"تم....!" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔ "اٹھو اور چپ چاپ باہر نکل جاؤ۔"

"میں زہرہ ہفت افلاک کا دامن نہیں چھوڑ سکتا۔"

"کیا بک رہا ہے....!"

"آصف سے پوچھ لیجئے....!" حمید نے سر اٹھائے بغیر کہا۔ اس کی نگاہ وسط میں رکھی ہوئی کھوپڑی پر تھی۔

آصف نے فریدی کو باہر چلنے کا اشارہ کیا۔

اور وہ سب باہر نکل آئے.... آصف نے فریدی سے پوچھا۔ "تم کب آئے....!"

لیکن فریدی نے اس کے سوال کا جواب دیئے بغیر خود اس سے پوچھا۔

"آپ لوگ یہاں کیا کر رہے تھے۔"

آصف نے فزارو کے آسیب زدہ کمرے کی داستان چھیڑ دی.... حمید اور کرنل وارڈ کی آوازیں اب بھی خیمے سے آ رہی تھیں زہرہ ہفت افلاک کا بھجن جاری تھا، فریدی حالانکہ اس آسیب کی کہانی حمید سے بھی سن چکا تھا۔ لیکن آصف کی زبان سے نہایت صبر و سکون کے ساتھ معلومات حاصل کرتا رہا جیسے یہ حیرت انگیز واقعات پہلی بار اس کے سامنے آئے ہوں۔

"حمید رات ہی سے عجیب و غریب حرکتیں کرتا رہا ہے۔" آصف نے کہا اور بھیگے ہوئے سوٹ کی کہانی دہراتا ہوا بولا۔ "اس کے بعد ہم جب صبح سو کر اٹھے تو وہ بستر سے غائب تھا۔ اچانک میں نے اسی آسیب کی آواز سنی جو ہمیں کرنل وارڈ کے خیمے میں جانے کی ہدایت کر رہی تھی۔ یہاں پہنچے تو حمید صاحب کو اس حال میں دیکھا۔ دیکھو میری سنو۔ کسی اچھے عامل سے رجوع کرو۔ حمید پر سایہ ہو گیا ہے۔"

یہ حیرت انگیز کہانی پہلی بار قاسم کی سمجھ میں آئی تھی اس لئے اس کا حلیہ دیکھنے سے تعلق

رکھتا تھا۔

"تم نے بھی آواز سنی تھی۔" فریدی نے قاسم سے پوچھا۔

"نن.... نہیں.... میں نے تو نہیں سنی۔" قاسم نے کہا۔ فریدی نے زیبا کی طرف د
اس نے بھی سر ہلا دیا ویسے وہ فریدی کو اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے وہ اسے خواب میں نظر آ
شروع سے اب تک ایک پل کے لئے بھی اس کی نظریں فریدی سے نہیں ہٹی تھیں۔

"ہوں....!" فریدی آصف کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کی نگاہ ا
داہنے ہاتھ پر رک گئی۔

"دیکھو....!" آصف نے بزرگانہ انداز میں کہا۔ "تم روحانیت کے قائل نہیں ہو۔"

"یہ کس گدھے نے کہہ دیا آپ سے.... ہاں میں بھٹکنے والی روحوں کا قائل نہیں ہوں
سو فیصدی فراڈ ہوتا ہے یا کسی ذی روح کی شیطانی قوت ارادی کا کرشمہ....!"

"کچھ بھی سہی! یہ شیطانی قوت تمہیں نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔"

فریدی تحقیر آمیز انداز میں ہنسا اور بولا۔ "میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔"

خیمے میں وہ دونوں اب بھی اسی سرگرمی کے ساتھ ہڈیوں کی تال پر بھجن گا رہے تھے۔

فریدی اندر جانے کے لئے مڑا.... وہ لوگ پھر اس کے پیچھے لگ گئے۔ قاسم سے شا
حرکت غیر ارادی ہی طور پر سرزد ہوئی تھی ورنہ وہ بیچارہ آسیب کا شدت سے قائل تھا اور ا
باتوں سے تو اس کا دم نکلتا تھا۔

لیکن خیمے میں داخل ہوتے ہی ایک بار تو فریدی بھی چکرا گیا۔ کیونکہ وہ دونوں غائب ت
مگر آوازیں.... آوازیں تو قالین پر رکھی ہوئی کھوپڑی سے آ رہی تھیں۔

"ارے.... بب.... بب.... بب.... ہاں....!" قاسم بھینسوں کی طرح ڈکراتا ہ
بھاگا اور زیبا آصف سے چمٹ گئی۔ آصف کو اتنا ہوش کہاں تھا کہ وہ اپنی جگہ سے بھی ہل
فریدی کھوپڑی کی طرف بڑھا اور یک بیک کھوپڑی سے آواز آئی۔ "خبردار کرنل آ
بڑھنا.... پچھتاؤ گے....!" یہ اسی پُراسرار عورت کی آواز تھی.... جس وقت وہ بولی تھی
کی آواز ہلکی ہو کر بیک گراؤنڈ میں چلی گئی تھی۔ آصف اور زیبا ایک دوسرے سے چمٹے ہو
طرح کانپ رہے تھے۔

انگوٹھی

فریدی نے اس کھوپڑی پر ٹھوکر رسید کی.... وہ اچھل کر خیمے کی قنات سے جا ٹکرائی اور پھر
ایک زوردار دھماکہ ہوا.... اور خیمہ دھڑا دھڑ جلنے لگا.... آصف چیختا اور زیبا کو کھینچتا ہوا باہر نکل گیا۔

پھر وہ بلڑ ہوا کہ خدا کی پناہ.... دوسرے خیموں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر انہیں گرایا جانے لگا
کیونکہ آس پاس کے دو ایک خیمے اور بھی آگ کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔

"یہ کیا ہوا.... یہ آدمی کون تھا۔" زیبا آصف سے پوچھ رہی تھی۔ آصف پر اب بھی لرزہ
طاری تھا۔ وہ لوگوں کو خیمے گراتے اور آگ بجھاتے دیکھ رہا تھا۔

"وہ ایک ناعاقبت اندیش حیوان تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ خیمے ہی میں بھسم ہو گیا ہوگا۔"
آصف نے بدقت تمام کہا۔ اسے فریدی پر غصہ بھی آ رہا تھا۔

بمشکل تمام آگ پر قابو پایا جا سکا.... اس بھیڑ میں آصف کو قاسم بھی نظر آیا جو آگ
بجھانے والوں کو مدد دے رہا تھا۔ جلتے ہوئے خیموں سے اس نے دو تین آدمیوں کو باہر نکالا تھا۔

پھر اس نے دیکھا کہ وہ ان کی طرف آ رہا ہے۔

"قق.... کرنل صاحب کہاں ہیں۔" اس نے قریب پہنچ کر آصف سے پوچھا۔

"پتہ نہیں....!"

"پتہ نہیں....!" قاسم ہاتھ نچا کر جھلائے ہوئے لہجہ میں بولا۔ "بس تم ان سے چپکے
کھڑے رہو۔ شرم نہیں آتی۔"

"کیا بکواس ہے۔" آصف آنکھیں نکال کر غرایا۔

"اے جاؤ.... بڈھے ہو گئے تمہارے برابر میرے لڑکے ہوں گے.... نن نہیں....
میرے برابر تمہارے لڑکے ہوں گے۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں....!"

"میرے پہلو میں بھی ہوتی تو میں ہوش میں نہ ہوتا۔" قاسم نے کہا شاید اس کی ذہنی رو
بہک گئی تھی۔ یا پھر وہ پچھلی رات دل ہی دل میں آصف پر تاؤ کھاتا رہا تھا کہ اس وقت ابل ہی پڑا....
اسے یہ چیز پہلے گراں گزری تھی کہ اتنا بوڑھا آدمی کسی اتنی جوان لڑکی سے "محبت" کرے۔

"میں تمہارے ہتھکڑیاں لگوادوں گا۔" آصف غصے سے کانپتا ہوا بولا۔

"ابے جاؤ مر گئے.... ہتھکڑیاں لگوانے والے.... چلو.... تم ادھر آؤ۔"

قاسم نے زیبا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ پتہ نہیں قاسم کو کیا ہو گیا تھا۔ اس سے جرأت کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ ارے یہ وہی قاسم تو تھا جو عورتوں کی موجودگی میں بوکھلانے لگتا تھا۔ وہ لوگ جن سے بے تکلفی نہ ہو ان کے سامنے عورت کے مسئلے پر گفتگو کرنے کے لئے زبان نہیں کھلتی تھی۔

"میں تمہیں گولی ماردوں گا۔" آصف نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ اتنے میں فریدی نہ جانے کدھر سے آنکلا اس کے ساتھ دو فوجی بھی تھے۔

"ٹھہرو....!" آصف نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اسے سمجھاؤ.... ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

فریدی نے قاسم کو گھور کر دیکھا.... اور قاسم جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں بھی کہوں گا۔ میری بھی سنئے۔" وہ ابھی تک زیبا کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا اور زیبا دم بخود تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے کہانیوں والے کسی آدم خور دیو سے سابقہ پڑ گیا ہو۔

فریدی نے فوجیوں سے کہا۔ میں نے اس خیمے کی جگہ چاک سے نشان لگادیا ہے وہاں چوبیس گھنٹے دو آدمیوں کی ڈیوٹی رہے گی۔

فوجی اُسے سیلوٹ کر کے خیموں کی طرف چلے گئے۔

"ہاں.... کیابات ہے۔" فریدی نے انہیں باری باری سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اسی سے پوچھو....!" آصف نے قاسم کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"جبان سنبھال کر تم خود اسی.... اُسی....!" قاسم دھاڑا۔

"خاموش رہو۔" فریدی نے ڈانٹا اور قاسم ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا خاموش ہو گیا۔ پھر فریدی نے اس سے کہا۔ "اس کا ہاتھ کیوں پکڑ رکھا ہے۔"

قاسم بُری طرح چونکا اور اس کا ہاتھ چھوڑ کر لڑکھڑاتا ہوا دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔ زیبا بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔

"کیا تمہارا خیمہ جل گیا۔" فریدی نے قاسم سے پوچھا۔

"نہیں.... جی نہیں.... وہ رہا!" قاسم نے خیمے کی طرف اشارہ کیا۔

"چلو....!" فریدی ہاتھ سے اشارہ کرتا ہوا خیمے کی طرف بڑھ گیا۔ زیبا متحیرانہ انداز میں فریدی کو دیکھ رہی تھی اور شاید یہ چیز آصف کو گراں گزری تھی۔

وہ طوعاً کرہاً فریدی کے پیچھے چل پڑا۔ قاسم اور زیبا بھی چل رہے تھے۔

خیمے میں پہنچ کر فریدی قالین پر بیٹھ گیا اور آصف سے بولا۔ "اب بتائیے کیا قصہ ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس قصے سے پہلے حمید کو تلاش کرنا چاہئے۔"

"اُسے تو آسیب ہضم کر گیا۔" فریدی مسکرایا۔ "اس کی واپسی اب ناممکن ہے۔ ہاں خیر.... اب بھی آپ لوگوں کے ساتھ اس لڑکی کی موجودگی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔"

"آپ ہوتے کون ہیں پوچھنے والے۔" آصف نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ کو شاید میرے اختیارات کا علم نہیں ہے۔ میں انسپکٹر جنرل کے کاموں میں بھی مداخلت کر سکتا ہوں۔ اگر ضرورت پڑے.... ویسے یہ اور بات ہے کہ میں اس مداخلت کو مشورے کا رنگ دے دوں۔"

"آپ خواہ مخواہ.... مجھ پر دھونس جمانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہاں نہیں چلے گی۔"

دفعتاً فریدی لڑکی کی طرف مڑا۔

"لڑکی تم کون ہو۔"

"ان لوگوں نے مجھے پاگل بنا کر رکھ دیا ہے جناب! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

"تم کوئی غیر ذمہ دارانہ گفتگو نہیں کرو گی۔" آصف نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"لڑکی تمہیں جو کچھ بھی کہنا ہے نڈر ہو کر کہو۔ آصف صاحب باہر جاسکتے ہیں۔ ورنہ مجھے مجبوراً کوئی غیر سرکاری قدم اٹھانا پڑے گا۔"

آصف نے فریدی کے چہرے کی طرف دیکھا اور دم بخود رہ گیا۔

"ان کے سیکریٹری نے مجھ سے کہا تھا کہ میں انہیں بیوقوف بنا کر ان سے رقومات وصول کروں۔ یہ ایک بہت بڑے سیٹھ ہیں۔ میں فزارو میں ویٹریس ہوں جناب۔"

"دیکھا.... دیکھ لیا۔" آصف آنکھیں نکال کر بولا۔ "سیکریٹری سے مراد حمید ہے۔"

"دیکھ لیا، مگر آپ اس کے آفیسر تھے.... آپ نے اس لڑکی کو اپنے اوپر مسلط ہی کیوں ہونے دیا تھا۔"

"تم بے تکے الزامات لگا رہے ہو۔ اس بیچاری نے ہمارے لئے ایک پناہ گاہ تلاش کی تھی.... اس لئے جب ہم یہاں آنے لگے تو اسے بھی ساتھ لیتے آئے۔"

"نہیں جناب.... یہ غلط ہے۔" زیبا بولی۔ "میں کوئی رئیس زادی نہیں ہوں کہ اس طرح سیر و تفریح کرتی پھروں....!"

"مجھے دو ماہ کے لئے ملازم رکھا گیا تھا۔ واہ یہ اچھی رہی۔"

"کس نے ملازم رکھا تھا۔" آصف آنکھیں نکال کر بولا۔

"آپ کے سیکریٹری نے....!"

"تو.... وہی تنخواہ بھی ادا کرے گا....!"

"میں ادا قروں گا۔" قاسم چھاتی ٹھونک کر بولا۔ "ابے ایسے حمید بھائی پر ہزاروں نثار کر سکتا ہوں تم کیا سمجھتے ہو.... ہاں جی بتاؤ کتنی تنخواہ طے ہوئی تھی۔"

"ڈھائی سو۔" زیبا نے جواب دیا۔

"بس.... پھس....!" قاسم نے آصف کی طرف دیکھ کر دانت نکالے اور پھر لڑکی سے بولا۔ "میں پانچ سو دوں گا میرا پیارا حمید بھائی....!"

یک بیک قاسم کی آواز گلوگیر ہوگئی.... ذہنی رو بہک گئی تھی۔ آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں اور باقاعدہ طور پر آنسو بہنے لگے.... "اب وہ کبھی واپس نہ آئے گا۔ کھوپڑی میں گھس گیا.... منع کرتا تھا.... دیکھو حمید بھائی لونڈیوں کا چکر برا ہوتا ہے اب وہ کبھی نہیں آئے گا.... ہائے میں کیا کروں کرنل صاحب! اس سالی زہرہ سخت اخلاق کا پتہ لگائیے۔"

"اس کا پتہ کہاں لگاؤں.... ہوا سے کون لڑے گا۔ صبر کرو....!"

"ہائے کیسے صبر کروں۔" قاسم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ "کلیجے کو منہ آرہا ہے۔ اب ایسا پیارا بھائی کہاں سے ملے گا۔ ہائے سب کچھ یاد آرہا ہے.... کہتا تھا.... دیکھو پیارے.... وگیاں.... فل فلوٹیاں.... یلالیاں.... مجھے جینے نہیں دیں گی.... ہائے وہی ہوا.... آسیب کو لونڈیا سمجھ کر کھوپڑی میں سما گیا.... ارے باپ رے۔"

قاسم اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ گریہ زاری میں اچانک بریک لگ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے کوئی بات یاد آگئی ہو۔

"ہائیں....!" اس نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "کل رات کوئی عورت میرے کان میں بھی چلیں چلیں کر رہی تھی شاید۔"

"یعنی....!" فریدی کی نظریں اس کے چہرے پر گڑ گئیں۔

"میں یہاں لیٹا ہوا سونے کی کوشش کر رہا تھا کہ بس چلیں چلیں کی آواز آئی پھر غور کیا تو معلوم ہوا کہ کوئی عورت گا رہی تھی۔ "مل کے بچھڑ گئیں انکھیاں"... میں نے کہا ٹھینگے سے اور سو گیا...!"

"تم کہاں لیٹے تھے....!"

"ادھر......!"

"آصف صاحب کہاں تھے۔" فریدی نے پوچھا اس کی نظر آصف کے داہنے ہاتھ پر جمی ہوئی تھی۔

❀

"بس ہم دونوں ایک ہی تکئے پر سر رکھے ہوئے تھے۔ مگر ان کی ٹانگیں اُتر کی طرف اور میری ٹانگیں دکھن کی طرف۔ یعنی کہ یوں" قاسم بتاتے بتاتے لیٹ گیا اور پھر بولا۔ "بس یہ ادھر لیٹے تھے اور ہم دونوں کی کھوپڑیاں ملی ہوئی تھیں.... اے آؤ تم بھی لیٹ کے دکھا دو۔"

آصف نے کچھ اور زیادہ بُرا منہ بنا لیا۔

"اٹھ بیٹھو.... میری سمجھ میں آگیا۔" فریدی نے کہا اور آصف کو باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ ان دونوں کو باہر جاتے دیکھ کر قاسم خوش ہوگیا۔ مگر زیبا کچھ بدحواس سی نظر آرہی تھی۔

"کیا میں بھی چلوں....!" اس نے پوچھا۔

فریدی نے اس کی طرف مڑے بغیر کہا 'نہیں' اور باہر نکل گیا۔

زیبا چپ چاپ بیٹھی رہی۔ قاسم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس قسم کی گفتگو چھیڑے۔ پہلے تو اسے خوشی ہوئی تھی کہ یہ لوگ جارہے ہیں اب وہ جی بھر کے اس سے باتیں کرے گا.... مگر اب عقل ہی خبط ہو کر رہ گئی تھی۔ بدقت تمام اس نے کہا۔ "آپ کا نام زیبا ہی ہے۔"

یہ بھی اس نے کچھ ایسے ہچکچائے ہوئے اور شرمیلے انداز میں پوچھا جیسے کہا ہو۔ "جی.... کیا آپ مجھے پانچ روپے ادھار دے سکیں گی۔"

"م.... گر.... مگر.... میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کو رس بھری بیگم کہوں۔... قاسم نے

سر جھکا کر داہنے ہاتھ سے بایاں ہاتھ مڑورتے ہوئے کہا۔ "زیبا تو ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے ک
چھت سے الٹا لٹکا دیا ہو۔"

"جو دل چاہے کہئے۔" زیبا مسکرائی۔ "اب تو میں آپ کی ملازم ہوں۔ آپ پانچ سو دیں گے!"

"پانچ سو کیا میں پانچ ہزار بھی دے سکتا ہوں۔"

"خالی خولی باتیں....!"

"نہیں.... میں اُلا قسم.... میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں.... یقین نہ آئے تو کرنل صاحب
سے پوچھ لو۔" قاسم نے کہا وہ ابھی تک داہنے ہاتھ سے بایاں ہاتھ مروڑے جا رہا تھا۔

"یہ کرنل صاحب کون ہیں۔"

"ارے.... آپ کرنل صاحب کو نہیں جانتیں.... کرنل فریدی صاحب سی آئی ڈی والے۔"

"اوہ.... تو یہ کرنل فریدی تھے۔" زیبا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اور وہ حمید بھائی تھے جنہیں وہ کھوپڑی چٹ کر گئی۔"

"میرے خدا تو آپ وہی ہیں جس کا تذکرہ میں فزارو میں پہلے بھی سن چکی ہوں۔ بہت دن
کی بات ہے جب ٹیکم گڈھ میں برف کے بھوتوں والا قصہ ہوا تھا۔"

"ہاں.... ہاں.... اور کیا۔" قاسم خوش ہو کر بولا۔ "ہاں میں وہی ہوں.... ارے باپ
رے۔" وہ بڑی تیزی سے چیخ کر بے تحاشہ جھک پڑا اور اس کا سر زمین سے جا ٹکرایا۔

اس بار بے خیالی میں اس نے اپنا بایاں ہاتھ ذرا زیادہ زور سے مروڑ لیا تھا۔

"ارے کیا ہوا....!" زیبا اس کی طرف جھپٹی۔

"قق.... کچھ.... نہیں....!" قاسم سیدھا ہو کر جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "کبھی
ہو جاتا ہے۔"

"کیا ہو جاتا ہے۔" زیبا نے جلدی سے پلکیں جھپکائیں۔

"ارے.... بس وہ یونہی.... ذرا زیادہ زور لگ جاتا ہے....!"

"آپکی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔" زیبا نے ٹھنڈی سانس لی۔ "جب آپ سے محبت....

"ہائیں....!" قاسم یک بیک اچھل پڑا اور زیبا نے شرما کر سر جھکا لیا۔ پہلے تو قاسم کی شکل
بارہ بجتے رہے پھر یک بیک اس کی "ہی ہی" اسٹارٹ ہو گئی۔

✻

فریدی آصف کو ساتھ لئے نشیب میں اترتا چلا گیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد بائیں جانب مڑا۔
وہ دراصل حفاظتی چوکی کی طرف جا رہا تھا کیونکہ کچھ دیر پہلے اس نے ہیلی کوپٹروں کی آواز سنی
تھی۔ اسے یقین تھا کہ آنے والے فوجی تحقیقاتی کمیشن ہی کے ممبر ہوں گے جن کی روانگی کی
اطلاع اُسے پہلے ہی مل چکی تھی۔

"بھئی کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم حمید کے معاملے میں اتنے مطمئن کیوں ہو۔" آصف نے کہا۔

"پھر کیا ہو سکتا ہے.... اگر آپ کی دانست میں وہ کوئی آسیبی ہی معاملہ ہے تو میرے فرشتے
بھی بے بس ہو جائیں گے!"

"مگر تم اُسے آسیبی معاملہ سمجھتے کب ہو۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ دونوں خاموشی سے راستہ طے کر رہے تھے۔
پھر فریدی نے کہا۔ "کیا میں وہ انگوٹھی دیکھ سکتا ہوں جو آپ کے داہنے ہاتھ میں ہے۔"

"اوہ.... یقیناً.... اس کا نگینہ عجیب ہے۔"

"ہاں نگینے ہی پر میں بھی غور کر رہا تھا.... واقعی عجیب ہے۔ جیسے چاندی اور لوہا ملا کر بنایا گیا
ہو۔ اس کی سطح کتنی چمکدار ہے....!"

آصف نے انگوٹھی انگلی سے اتار کر اسکی طرف بڑھا دی۔ فریدی اُسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"پوری ہی حیرت انگیز ہے۔" اس نے کہا۔ "نہ تو نگینہ ہی پتھر کا معلوم ہوتا ہے اور نہ یہ
دھات.... نہیں یہ دھات نہیں یہ تو پلاسٹک یا سخت قسم کا ربڑ معلوم ہوتا ہے جس پر سنہرا پالش
چڑھایا گیا ہے.... یہ انگوٹھی کتنے میں خریدی تھی آصف صاحب۔"

"بھئی.... یہ تو پڑی پائی تھی...." آصف کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"کہاں....؟" فریدی چلتے چلتے رک گیا۔

"فزارو کے اسی کمرے میں جہاں ہم پہلے ٹھہرے تھے.... ہاں.... یار دیکھو یہ حمید نے خواہ
مخواہ.... بڑھاپے میں میری مٹی پلید کی ہے۔ اس لڑکی کو خواہ مخواہ میرے پیچھے لگا دیا۔"

"آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ اگر وہ مل گیا تو میں اس سے سمجھوں گا۔ ہاں کیا ایسی کوئی
انگوٹھی حمید کے ہاتھ میں بھی تھی۔"

"میں نے دھیان نہیں دیا.... کیوں....؟"

"بس یونہی.... شاید آپ تھک گئے ہیں۔ آیئے کچھ دیر کہیں بیٹھ لیں۔" وہ ایک چٹان
بیٹھ گئے.... آج صبح ہی سے مطلع ابر آلود تھا۔ اس لئے خنکی کچھ بڑھی ہوئی سی معلوم ہو رہی
تھی۔ مگر اتنی بھی نہیں کہ ناخوشگوار ہو جاتی۔ اس وقت تو پورا آسمان بھورے رنگ کے بادلوں
سے ڈھک گیا تھا.... یہاں اس قسم کے بادل صرف ہلکی قسم کی پھواروں کا پیش خیمہ سمجھے جاتے تھے۔

فریدی اس انگوٹھی کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔

"کیوں! کیا اس میں کوئی خاص بات ہے۔"

"وہ خاص باتیں تو بتا چکا ہوں۔ جو عام انگشتریوں میں نہیں پائی جاتیں! ویسے پلاسٹک کی
انگشتریاں ہوتی تو ہیں مگر یہ نگینہ.... کتنا وزنی ہے۔" فریدی نے اسے اپنی چھنگلیا میں ڈالتے ہوئے
کہا۔ "کیا میں کچھ دیر اسے پہن سکتا ہوں۔"

"ضرور.... ضرور....!" آصف نے سر ہلا کر کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"فزارو والے کمرے میں کتنی آرام کرسیاں تھیں....!" فریدی نے پوچھا۔

"کیا مطلب....!" آصف چونک پڑا.... پھر بولا۔ "پتہ نہیں.... آہاں.... ایک تھی
شاید۔ ہاں ایک ہی تھی۔"

"اور اس کی پشت گاہ کے اوپری حصے میں باریک باریک سوراخوں سے ایک پیٹرن بنا ہوا
تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اتنا تو مجھے یاد نہیں مگر تم یہ بات کیوں نکال بیٹھے ہو۔"

"کچھ نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "میرے آدمیوں نے وہ کرسی توڑ ڈالی ہے اور اس حصے سے
ایک چھوٹا سا خود کار ٹرانسمیٹر برآمد کیا ہے جس میں سوراخوں والا پیٹرن تھا۔"

"نہیں....!" آصف نے حیرت سے کہا۔ "مگر میں نے تو چلتے پھرتے ہوئے اس کی آواز
سنی ہے۔"

"آپ اپنی انگلی میں ایک ننھا سا ٹرانسمیٹر ڈالے پھرتے رہے ہیں۔" فریدی مسکرایا۔

"یہ انگوٹھی۔" آصف اچھل پڑا.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس پر بم گرا ہو۔ وہ چند لمحے
ایسی حالت میں رہا جیسے سکتہ ہو گیا ہو۔ پھر چونک کر بولا۔ "یار تم پتہ نہیں کہاں کی اڑا رہے ہو۔

یہ اتنا ذرا سا ٹرانسمیٹر.... کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہے۔"

"جس دور میں انفرا ریڈ کیمرے بنائے جا رہے ہیں اس دور میں سب کچھ ممکن ہے آصف صاحب۔"

"یہ کیا ہوتا ہے....!"

"ماضی کی تصویریں لیتا ہے۔"

آصف بے اعتباری سے ہنسا۔

"ابھی حال ہی میں ایک بڑے ملک نے اس کا تجربہ کیا ہے۔ ٹیکسیوں کے ایک اڈے کی
تصویر اس وقت لی گئی جب وہ پانچ منٹ پہلے بالکل خالی ہو چکا تھا۔ لیکن فلم پر ان تمام گاڑیوں کی
تصاویر آگئیں جو پانچ یا دس منٹ پہلے اُس اڈے پر موجود تھیں۔"

"اچھا وہ.... ہاں! میں نے بھی سنا تھا۔ نام ذہن سے اُتر گیا تھا۔ مگر یہ انگوٹھی.... یہ اتنا ننھا
ٹرانسمیٹر میری سمجھ میں نہیں آتا....!"

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ ساتھ ہی وہ اپنے سر پر ہاتھ بھی پھیرتا جا رہا تھا کہ اچانک چونک
پڑا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے آصف سے پوچھا۔ "کچھ سنا۔"

"کیا سنا....!" آصف نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ "میں تو کچھ نہیں سن رہا۔"

"اب سنئے....!" فریدی نے اپنا داہنا ہاتھ آصف کے چہرے کے قریب کر دیا اور آصف
کے کانوں میں یہ فلمی گیت کسی ٹڈے کی طرح پھدکنے لگا۔

"مار کٹاری مر جانا یہ انکھیاں نہ لڑانا.... جی۔"

"میرے خدا.... مم.... مگر.... یہ اب بھی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ آواز اسی انگوٹھی سے
آرہی ہے۔" آصف نے کہا۔

"یہی تو کمال ہے.... اگر انہیں معلوم ہو جانے کا خدشہ ہوتا تو یہ اس طرح استعمال نہ کی
جاتی۔ اب یہی دیکھ لیجئے کہ آپ اسے اتنے دنوں تک انگلی میں ڈالے رہے مجھے اس انگوٹھی کا
خیال کبھی نہ آتا اگر قاسم نے یہ نہ بتایا ہوتا کہ کوئی عورت اس کے کانوں میں گا رہی تھی تو شاید
میں اس انگوٹھی کو دیکھ کر نہ چونکتا۔ قاسم آپ کے قریب ہی لیٹا تھا ہو سکتا ہے آپ کا ہاتھ اس
کے کان کے قریب رہا ہو۔"

آصف کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور وہ فریدی کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ

کسی دوسری دنیا کا آدمی ہو۔

جنت و جہنم

حمید جھوم جھوم کر بھجن گا رہا تھا کہ اچانک کرنل وارڈ نے ایک ہی ہاتھ سے اس کی سمور کی ٹوپی گرائی اور پھر دونوں ہڈیاں اس کے سر پر بجا کر رکھ دیں۔ چوٹ اتنی شدید تھی کہ حمید کو اس کی وجہ پوچھنے کی بھی مہلت نہ مل سکی.... اور وہ بصد خلوص نیت انٹا غفیل ہو گیا۔ انٹا غفیل ہی کہنا چاہئے کیونکہ اس لفظ کی سوتی کیفیت ہی اس سچویشن کا نقشہ کھینچ سکتی تھی۔

بہر حال انٹا غفیل ہونے کے بعد پھر اس کا ہوش کب رہتا ہے کہ مردہ جنت کی طرف جا رہا ہے یا جہنم کی طرف۔ پھر جب اسے ہوش آیا تو کافی دیر تک آنکھوں کے سامنے سے دھند ہی نہ چھٹ سکی۔ آہستہ آہستہ ذہن بھی صاف ہوا اور نظر بھی ٹھیک ہوئی مگر سر بڑی شدت سے دکھ رہا تھا۔

"ہائیں....!" اور پھر وہ اچھل کر بیٹھ گیا۔ اس کے چاروں طرف مومی شمعیں روشن تھیں اور وہ خود کفن میں لپٹا ہوا تھا۔ بوکھلاہٹ میں وہ آیت الکرسی پڑھنے لگا۔ اس کی آواز بلند ہوتی گئی۔ جب آیت الکرسی ختم کر چکا تو کلمہ پڑھنے لگا۔ پھر چیخا۔ "ارے بھائی میں مسلمان ہوں.... زہرہ ہفت افلاک پر ہزار بار لعنت.... میں تو مذاق کر رہا تھا.... گھس رہا تھا سالے کرنل وارڈ کو.... ارے کوئی ہے....!"

پھر اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے جسم پر درجنوں چٹکیاں لے ڈالیں۔ تب اُسے یقین ہوا کہ وہ عالم ارواح میں نہیں ہے بلکہ باقاعدہ طور پر چوٹ کھا کر بلبلانے والا جسم بھی رکھتا ہے۔ مگر یہ کفن.... اوہ.... کرنل وارڈ نے فریدی وغیرہ کے باہر چلے جانے کے بعد اس کے سر پر ہڈیاں ماری تھیں اور وہ چکرا کر گر پڑا تھا.... مگر وہ اس مقبرے میں کیسے پہنچا۔ وہ مقبرہ ہی تو تھا جس کی دیواروں پر قدیم اصنام کے نمونے موجود تھے۔

لیکن یہاں نہ تو گھٹن تھی اور نہ کسی قسم کی ناخوشگوار بو.... دفعتاً اس نے کسی کو حلق پھاڑتے سنا جس کے گانے کی آواز قریب آتی جا رہی تھی۔

زاہد نہ کہہ بُری کہ یہ مستانے آدمی ہیں

تجھ سے لپٹ پڑیں گے دیوانے آدمی ہیں

آواز بھی ایسی ہی تھی جیسے اس نے بہت زیادہ چڑھا رکھی ہو۔ اچانک گانے والا ایک تاریک دریچے سے اندر داخل ہوا.... اس کے دونوں ہاتھوں میں بوتلیں تھیں.... اچھا خاصا تندرست اور وجیہہ نوجوان تھا جسم پر سیاہ پتلون اور سفید قمیض تھی بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔

حمید اسے دیکھ کر کفن سمیت کھڑا ہو گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اب اس کفن کو تہمد کی طرح باندھ لے ورنہ زندوں کا کفن برہنگی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔

"ہائیں.... تم الٹے ہو یا سیدھے۔" شرابی نے جھک کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم آدمی ہو یا گدھے....!" حمید نے پُرسکون لہجے میں پوچھا۔

"اے.... یو شٹ اپ....!" وہ سیدھا ہو کر تن گیا۔ "میں جیلانی ہوں.... جیلانی.... دنیا کا سب سے بڑا آرٹسٹ.... مجھ سے بڑا آرٹسٹ آج تک نہیں پیدا ہوا۔"

"تم پرلے سرے کے گدھے ہو۔ کیونکہ تمہیں بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں ہے۔"

"آرٹسٹ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ بات کرنے کا بھی سلیقہ رکھتا پھرے۔ ہم اپنے فن ہی سے پہچانے جاتے ہیں۔ پوجے جاتے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو میں تمہیں گدھا کہہ چکا ہوں.... اور تم گدھے ہو چکے ہو۔ تمہاری شکل اس وقت گدھوں کی سی ہے۔ یقین نہ ہو تو جا کر آئینہ دیکھ لو۔"

شرابی نے بوکھلاہٹ میں دونوں بوتلیں فرش پر رکھ دیں اور اپنا چہرہ ٹٹولنے لگا۔

"جھوٹے کہیں کے۔" بالآخر اس نے روہانسی شکل بنا کر کہا۔

"ٹٹولنے سے پتہ نہیں چلے گا...." حمید نے کہا۔

"دیکھو....!" شرابی انگلی اٹھا کر جھومتا ہوا بولا۔ "دیکھو.... مجھ سے دشمنی نہ مول لو۔ زہرہ ہفت افلاک میری محبوبہ ہے۔ میں نے اُسے دیکھے بغیر اس کی تصویر بنائی تھی۔ تب سے مجھ پر عاشق ہو گئی ہے۔ مجھ پر مرتی ہے.... جان دیتی ہے.... ہائے وہ چاند کا ٹکڑا ہے.... زہرہ ہفت افلاک۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے سینہ تھام لیا۔

"وہ تمہاری محبوبہ ہے تو تم نے اُسے قریب سے دیکھا ہو گا۔"

"قریب سے۔" اس نے جھومتے ہوئے قہقہہ لگایا۔ "ارے تم قریب سے کہتے ہو ہاہا...."

ہاہا.... یہ فخر میرے علاوہ آج تک کسی کو نہیں حاصل ہو سکا.... ہاہا....!" گاتا ہے۔

نینداس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
جس کے شانوں پر تیری زلفیں پریشان ہو گئیں

"اچھا....!" حمید نے پلکیں جھپکائیں پھر آہستہ سے پوچھا۔ "وہ گوشت کا جسم رکھتی ہے یا روحوں کی طرح صرف دھوئیں کے مجسمے کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔"

"میرے لئے تو وہ گوشت ہی گوشت ہے.... دہکتا ہوا گوشت.... ہڈیوں کو پگھلا دینے والا.... مگر مندر میں وہ دھوئیں کے مجسمے کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ ارے مجھے تو وہ بے تحاشہ پلاتی ہے۔ خود بھی پیتی ہے۔ اس سے پہلے خدا کی قسم کبھی چکھی بھی نہیں تھی مگر اب.... تم ہی بتاؤ پیارے جب زہرہ ہفت افلاک اپنے ہاتھوں سے پلائے.... کون کافر انکار کر سکتا ہے۔"

دفعتاً حمید نے "یا شہنشاہِ مریخ" کا نعرہ لگایا.... چند لمحے ساکت کھڑا رہا پھر آنکھیں کھول کر جیلانی سے بولا۔ "جاؤ.... یہاں سے جاؤ.... ورنہ تمہیں یہیں بھسم کر دوں گا.... تم مریخ کے بھتیجے کے سامنے زہرہ ہفت افلاک کا نام لیتے ہو.... جاؤ آرٹسٹ سمجھ کر چھوڑ دیا۔"

"تم.... تم....!" جیلانی انگلی اٹھا کر بولا۔ "مریخ کے بھتیجے ہو....!"

"میرا درجہ بہت بلند ہے۔ میں مریخ کا بھتیجہ ہوں۔ عطارد کا بہنوئی اور مشتری کا خالو ہوں۔ کیا سمجھے۔ زہرہ ہفت افلاک.... شو.... ہینہ.... اب یہ نام میرے سامنے زبان پر نہ لانا۔"

دفعتاً اس مقبرہ نما عمارت میں ایک نسوانی قہقہہ گونجا۔ آواز اُسی پُر اسرار عورت کی تھی۔

"کیپٹن حمید یہ نہ سمجھو کہ تم مجھے بیوقوف بنانے میں کامیاب ہو گئے ہو۔ مجھے تمہاری فرار والی بیہوشی بھی یاد ہے۔ کیا اس میں صداقت تھی اور آج جو تم نے سوانگ رچایا تھا اس میں کتنی سچائی تھی۔"

"ہائیں" شرابی آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "تم زہرہ ہفت افلاک سے فراڈ کرتے ہو۔ اے ملکہ افلاک.... یہ کہتا ہے کہ میں.... مشتری کا سالا ہوں۔"

"جیلانی.... تم اپنی خواب گاہ میں آؤ.... میں یہاں تمہاری منتظر ہوں۔"

"نہیں....!" حمید جیلانی کا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔ "میں اسے نہیں جانے دوں گا کیونکہ قید تنہائی مجھے پسند نہیں ہے۔"

"قید....!" آواز میں تحیر تھا۔ "تم یہ کیا کہہ رہے ہو کیپٹن! تم قیدی نہیں ہو۔ ارے میں تو تمہیں اپنی جنت کی سیر کرانا چاہتی تھی۔ کچھ دن عیش کرو.... چلے جانا جیلانی.... تم انہیں جوانوں کی جنت میں چھوڑ کر اپنی خواب گاہ میں چلے آؤ۔"

"مگر مجھے کفن کیوں پہنایا گیا ہے۔"

"کفن سے گزرے بغیر جنت کا دیدار کیسے کرو گے۔ کیپٹن! بس جاؤ.... تمہیں مایوسی نہیں ہو گی۔"

"چلو....!" جیلانی جھومتا ہوا بولا۔

"ٹھہرو....!" اس نے کفن کو تہمد کی طرح باندھتے ہوئے کہا.... اور پھر اس کے ساتھ چل پڑا.... ایک لمبی راہداری سے گزر کر جیلانی ایک بڑے دریچے کے سامنے رک گیا۔ جس سے ایک دبیز پردہ لٹک رہا تھا۔

"جاؤ.... پیارے خدا حافظ.... مگر یہ ضرور لیتے جاؤ۔" اس نے ایک بوتل حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "جاؤ راوی عیش لکھتا ہے جاؤ.... تم پر ملکہ افلاک کا سایہ رہے۔"

حمید نے غیر ارادی طور پر بوتل اس سے لے لی اور جیلانی نے اُسے دھکا دیا اگر وہ سنبھل نہ گیا ہوتا تو پردے سے الجھ کر گر جانا یقینی تھا۔ لیکن سنبھلنے کے باوجود بھی جب گر ہی جانے کو دل چاہے تو....؟

اندر پہنچ کر اس کی یہی کیفیت ہوئی! یہاں تو.... راوی عیش ہی نہیں بلکہ "عیش کا چچا" لکھتا تھا۔ درجنوں لڑکیاں.... پن اَپ گرلز.... ایک فوارے کے گرد پڑی ہوئی تھیں.... بالکل ہالی وڈ کے کسی رنگین فلم کی حرم سرا کا منظر تھا۔

حمید کو دیکھتے ہی وہ کھڑی ہو گئیں؟ پھر جھک کر کورنش بجالائیں۔ ان میں سے ایک بے حد خوبصورت لڑکی آگے بڑھی اور بلند آواز میں بولی۔ "جہاں پناہ کا ملبوس مبارک لایا جائے.... جہاں پناہ حمام سے برآمد ہوئے ہیں۔"

فوراً ہی ایک خوان لایا گیا جس میں کپڑے تھے اور ان پر نیام میں کی ہوئی ایک جڑاؤ تلوار رکھی تھی۔

خوان حمید کے سامنے رکھ دیا گیا اور دو لڑکیاں اُسے کپڑے پہننے میں مدد دینے لگیں۔ پھر جب وہ سب کچھ پہن لینے کے بعد کمر سے پٹکا باندھ کر اس میں تلوار ٹھونس رہا تھا اسے بیساختہ ہنسی آگئی.... پھر جب سر پر تاج رکھا جانے لگا تو اس نے تلوار کھینچ لی اور لال پیلی آنکھیں نکال کر

بولا۔ "جاؤ.... دفع ہو جاؤ...." وہ سب سریلی سیٹیوں میں چیختی ہوئی پیچھے ہٹ گئیں۔

"رحم.... جہاں پناہ.... رحم.... ہمارا قصور...." سب سے حسین لڑکی دوزانو ہو کر بولی۔

اور پھر حمید نے اُسی پُر اسرار عورت کی آواز سنی جو چاروں طرف سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

"کیوں کیپٹن یہ کیا بدحواسی ہے.... ان بیچاریوں کو کیوں سہار رہے ہو۔"

"انہیں لمبے فراک اور شلواریں پہنا کر بھیجو....!" حمید تلوار ہلا کر دھاڑا۔ "مجھے دم کٹی چھپکلیاں بالکل اچھی نہیں لگتیں....!"

"تمہارے اندر ہزاروں برس پرانی روح معلوم ہوتی ہے۔" جواب ملا۔

"اچھا لڑکیوں.... اپنا پورا جسم ڈھانک کر اس مسخرے کے سامنے آؤ.... ورنہ یہ سچ مچ قتل عام شروع کر دے گا۔"

لڑکیاں دوڑتی ہوئی ایک دریچے سے نکل گئیں۔

❋

وہ ہیلی کوپٹر کے ذریعے وادی میں اُتر گئے تھے۔ ان میں آصف اور کرنل فریدی ہی تھے۔ فوجی تحقیقاتی کمیشن دس ممبروں پر مشتمل تھا۔ جس کی قیادت کرنل داراب کر رہا تھا۔ یہ ایک تجربہ کار آفیسر تھا اور ان دنوں ملٹری کی سیکرٹ سروس کا سربراہ تھا۔ وہ اپنے ساتھ ضروری اور جدید ترین اسلحہ جات اور بڑی طاقت والی سرچ لائٹ لائے تھے۔ آصف نے اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں اس نے پچھلی رات چمکدار غبار دیکھا تھا۔

بڑی عجیب وادی تھی۔ ایک جانب ٹیکم گڈھ والے سلسلے کی خشک اور بے آب گیاہ بھوری چٹانیں تھیں اور دوسری جانب گھنا سرسبز جنگل اور دونوں کے درمیان میں پتھریلی جگہ مسطح زمین تھی۔ اسی مسطح حصے میں ایک جگہ پچھلی رات کو وہ چمکدار غبار نظر آیا تھا جس نے بعد کو اوپر اٹھنے والے منارے کی شکل اختیار کر لی تھی۔

چونکہ اس وقت بھی آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اس لئے انہیں کسی سایہ دار جگہ کی ضرورت نہیں تھی۔ انہوں نے کھلے میدان ہی میں ڈیرہ ڈال دیا۔

کرنل داراب اور فریدی حفاظتی چوکی کے کمانڈر کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔

"پتہ نہیں اس بیچارے کا کیا حشر ہوا ہو۔" کرنل داراب کہہ رہا تھا۔ "غالباً اسے غائب کر کے

اس کی جگہ لینے کا مقصد یہی تھا کہ کسی کو وادی میں نہ اترنے دیا جائے.... نقلی کمانڈر ادھر بھی دو چار آدمی ہر وقت لگائے رہتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اسی کی وجہ سے معاملہ اتنے دنوں تک تھما رہا۔ ورنہ جانے کتنے سر پھرے سیاح اب تک نیچے اتر چکے ہوتے۔"

"آپ کا خیال قطعی درست ہے۔ میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا تھا....!" فریدی نے سر ہلا کر جواب دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ جنگل کی طرف روانہ ہو گئے.... تقریباً چار فرلانگ کے فاصلے پر زمین کی سطح کچھ اونچی تھی اور یہیں سے جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

"یہ جنگل ایسے کاموں کیلئے بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔" کرنل داراب نے کہا۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ داراب کی اس بات کا جواب اس کے کسی ساتھی نے دیا تھا۔

پھر فریدی اور آصف اس پارٹی سے کچھ پیچھے رہ گئے.... آصف اب سیدھا ہو گیا تھا۔ فریدی جو کچھ بھی کہتا کان دبا کر کرتا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ انگوٹھی ہر وقت گیت ہی کیوں سناتی رہتی ہے۔" اس نے فریدی سے پوچھا۔

"اس کا مصرف ہی یہی ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔ "اسی نوعیت کے کسی ٹرانسمشن سسٹم سے کوئی ریکارڈ اٹیچ ہو گا اور یہ ریکارڈ کئے ہوئے گیت اسی کے ذریعہ اس مخصوص ریسیور کے لئے نشر ہوتے ہوں گے ورنہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہر وقت گاتی ہی رہتی ہو گی۔"

"کیا اس وقت بھی یہی آواز آ رہی ہو گی۔"

"یقیناً....!" فریدی مسکرایا۔ "کیا سنواؤں؟ اچھا ٹھہرئیے۔"

وہ اپنا داہنا ہاتھ سر پر پھیرنے لگا۔

دفعتاً آواز آئی۔ "ورنہ پچھتاؤ گے.... آصف کرنل فریدی کو سمجھاؤ.... یہاں سے چلے جاؤ.... ورنہ پچھتاؤ گے۔ آصف کرنل فریدی کو سمجھاؤ.... یہاں سے چلے جاؤ.... ورنہ پچھتاؤ گے.... آصف کرنل....!"

فریدی نے اپنا ہاتھ آصف کے کان کے قریب کر دیا۔ آصف تھوڑی دیر تک سنتا رہا پھر بولا۔ "تمہارا یہ خیال بھی درست ہی نکلا کہ دوسری طرف ریکارڈ ہے دیکھو نا یہی ایک جملہ بار بار

دہرایا جارہا ہے۔"

"اور مجھے صرف اس کی خوشی ہے کہ ایک بات تو اس آسیب سے پوشیدہ رہ سکی۔" فریدی نے کہا۔

"کیا....؟"

"یہی کہ وہ انگوٹھی اب میرے پاس ہے۔ آپ کے پاس نہیں.... دیکھئے نا وہ آپ ہی کو مخاطب کررہی ہے۔"

"گڈ....!" آصف خوش ہو کر بولا۔ "ہاں یہ بات تو ہے.... مگر تم نے ابھی اپنے سر پر ہاتھ کیوں پھیرا تھا۔"

"اس کے بغیر آواز ہی نہیں نکل سکتی۔ بالوں کی رگڑ سے اس میں ہلکی سی برقی رو پیدا ہوتی ہے اور یہی برقی رو اس آواز کو کھینچ کر کے ہمارے کانوں تک پہنچاتی ہے۔ جب تک اس میں رو باقی رہتی ہے ہم آواز بھی سنتے رہتے ہیں جہاں ختم ہوئی آواز غائب! ورنہ یہ ریکارڈنگ ہمیں ہر وقت سنائی دیتی رہے۔"

"یار مانتا ہوں.... تم ہر فن مولا ہو۔"

"اوہ ہم بہت پیچھے رہ گئے۔" فریدی نے کہا اور رفتار تیز کردی۔

وہ کئی گھنٹوں تک اس جنگل میں بھٹکتے پھرے جب شام ہونے لگی، تو انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا مگر تھوڑی ہی دیر بعد انہوں نے محسوس کیا کہ وہ نہ صرف راستہ بھول گئے ہیں بلکہ اب تو سمتوں کا تعین کرنا بھی محال ہوگیا ہے۔ اگر مطلع صاف ہوتا تو غروب ہوتا ہوا سورج ہی ان کی رہنمائی کرسکتا۔

مگر قدرت مہربان تھی۔ کچھ دیر بعد فریدی اس سرے تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گیا جدھر سے وہ لوگ جنگل میں داخل ہوئے تھے۔ لیکن اپنے مستقر پر پہنچنے کے لئے انہیں چار فرلانگ کی بجائے تقریباً تین میل چلنا پڑا۔ اور اس دوران میں اندھیرا پھیل گیا۔ یہ اندھیرا بھی انہیں بھٹکا دیتا۔ اگر فریدی نے چلتے وقت احتیاطاً ایک ٹارچ نہ رکھ لی ہوتی۔ ٹھیک آٹھ بجے وہ اپنے مستقر پر پہنچے تھے۔

انہوں نے ٹھنڈا کھانا کھایا اور بیٹھ رہے.... دراصل وہ اس منارے کو قریب سے دیکھنا

چاہتے تھے اور صحیح اندازہ کرنا چاہتے تھے کہ وہ کس جگہ سے نمودار ہوتا ہے۔

فریدی ان لوگوں سے کچھ دور ہٹ کر بیٹھا تھا اور آصف تو اب اس کے پیچھے لگا ہی رہتا تھا۔ اس وقت وہ بھی کھسکتا ہوا ان لوگوں سے دور نکل آیا تھا اور فریدی کے سر پر مسلط تھا۔

"یار ذرا پھر گھسوا انگوٹھی۔" آصف نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"شاید اب کی کوئی جن برآمد ہو کر ہماری مشکل آسان کردے۔"

"ڈرائی جن....!" فریدی مسکرایا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے آج تک نہیں پی۔" آصف بول پڑا۔

وہ ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے اور اس کا سلسلہ دس بجے تک جاری رہا۔ پھر اچانک انہیں تقریباً سو گز کے فاصلے پر کوئی چمکدار چیز دکھائی دی۔ جو ان اطراف وجوانب میں ہلکی سی روشنی پھیلا رہی تھی۔ لیکن زمین کی سطح سے اونچی نہیں تھی۔ رفتہ رفتہ اس کی چمک اتنی بڑھ گئی وہ ایک دوسرے کے خدوخال تک بخوبی دیکھ سکتے تھے لیکن دفعتاً انہوں نے ایک آنچ سی بھی محسوس کی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی بہت بڑی بھٹی کا کوئی در کھل گیا ہوا ہو۔ اور وہ اس سے قریب ہی ہوں۔ یہ آنچ بھی اسی طرح بڑھ رہی تھی جیسے آہستہ آہستہ اس روشن دھبے کی روشنی تیز ہوتی گئی تھی بالآخر انہیں بڑی بدحواسی کے عالم میں وہاں سے بھاگنا پڑا۔ وہ جلد از جلد اس حدت کے حیطہ اثر سے نکل جانا چاہتے تھے انہیں اس کا بھی ہوش نہیں تھا کہ مڑ کر دیکھتے.... کافی دیر تک تیز دوڑتے رہنے کے بعد انہیں اس آنچ میں کمی محسوس ہوئی۔ پھر رفتہ رفتہ انہیں محسوس ہوا جیسے وہ جہنم سے دوبارہ جنت کی طرف پلٹ آئے ہوں۔

وہ رک گئے اور اب انہوں نے مڑ کر دیکھا.... بہت دور روشن منارہ بڑی تیزی سے فضا میں بلند ہورہا تھا۔

"سو فیصد راکٹ....!" کرنل داراب بڑبڑایا۔ "افسوس سب کچھ وہیں رہ گیا۔" فریدی کچھ نہ بولا۔

"میں کل وہاں بڑی شدید بمباری کراؤں گا۔ اتنی شدید کہ وہاں غار ہی غار نظر آئیں گے۔" داراب پھر بولا۔

"میری دانست میں وہ بھی وقت کی بربادی ہی ہوگی۔" فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "انہوں نے اسکے امکانات پر بھی نظر رکھی ہوگی اور اس کے خلاف بھی کچھ انتظام کرلیا ہوگا۔"

"کیا راکٹ زمین توڑ کر نکلا ہوگا۔" کسی نے کہا۔

لیکن اس کا جواب فی الحال فریدی کے پاس بھی نہیں تھا۔

تقریباً دو گھنٹے بعد جب دوبارہ مکمل تاریکی پھیل گئی تو وہ مستقر پر پہنچے یہاں پر ہر چیز جوں تو تھی۔۔۔ پھر ہیلی کوپٹر چنگھاڑنے لگے اور انہیں بے نیل و مرام واپس ہونا پڑا۔

حالانکہ فریدی نے بمباری والی اسکیم کی مخالفت کی تھی لیکن کرنل داراب نے دھیان نہ دیا۔ دوسرے دن ایک بمبار گرجتا ہوا وادی کی فضا میں تیر ہی گیا لیکن ایک چھوٹا سا راکٹ جنگل کے کسی گوشے سے پرواز کرتا ہوا آیا اور جہاز سے ٹکرا کر اس کے پرخچے اڑا دیئے۔

"میرے خدا۔" کرنل داراب کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ چلا۔

"میں نے پہلے ہی آپ کو روکا تھا۔۔۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "مفت میں ایک باز کی جان گئی۔ ایک جہاز تباہ ہوا۔۔۔ وہ ہمارے ہیلی کوپٹرز کو بھی فنا کر سکتے تھے۔ لیکن انہیں تھا کہ اس طرح ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے میں یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ وہ غیر ضروری کشت و خو سے احتراز کرتے ہیں۔"

"مگر یہ ہیں کون اور یہاں کیا کر رہے ہیں۔" کرنل داراب نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"کوئی بھی ہوں۔۔۔ لیکن ہمیں یہ ضرور دیکھنا پڑے گا کہ ہمیں زیادہ نقصان نہ پہنچے۔ ا اس بمبار کے حادثے نے بتا دیا ہے کہ ہم اپنے حربوں سے ان پر قابو نہیں پا سکتے کیونکہ ان پاس ایسے جدید ترین ہتھیار ہیں جن کی ہوا بھی ہمیں ابھی نہیں لگی۔" ان پر موت کی سی خامو مسلط ہوگئی۔

وہ کون تھی

حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کروٹ بدلی۔ منڈولین کا نغمہ اس کے نیم خوابیدہ ذہن کو جھنجھو تھا۔ وہ اٹھ بیٹھا۔۔۔ مسہری جس کے چاروں طرف ریشمی جالی لٹک رہی تھی کمرے کے گوشے سے نظر آئی۔۔۔ اور پھر اسے ایک دوسری مسہری بھی دکھائی دی جو پہلے وہاں نہیں غالباً اسی کے لئے اس طرح جگہ نکالی گئی تھی۔

صبح کو وہ اسی طرح جگایا جاتا تھا! منڈولین پر کوئی دھن بجائی جاتی تھی اور وہ بیدار ہو جاتا تھا۔ بالکل شاہانہ ٹھاٹ تھے۔

منڈولین کا گیت ختم ہوتے ہی اس نے خراٹے سنے جو کبھی ہلکے ہو جاتے تھے اور کبھی بھاری۔۔۔ ریشمی جالی کی مچھر دانی ہٹا کر وہ نیچے اُتر آیا۔۔۔ زرکار چپلیں سلیقہ سے رکھی ہوئی تھیں ان میں پیر ڈال کر وہ دوسری مسہری کی طرف بڑھا۔

"ارے۔۔۔!" اس کی زبان سے بیساختہ نکلا۔ وہ تو قاسم تھا۔ یہ یہاں کیسے پہنچا۔۔۔؟ کیا کرنل بھی پکڑ لئے گئے؟ بیک وقت کئی سوال اس کے ذہن میں چکرانے لگے۔ اس نے مچھر دانی اٹھائی اور قاسم پر ٹوٹ پڑا۔

"اُغے باپ رے۔۔۔!" وہ آنکھیں بند کئے ہوئے چیخا۔ پھر اسی طرح حمید کو ٹٹولنے لگا۔ آنکھیں کھولیں پھر بولا۔ "ہائے جیا ڈارلنگ آخر تمہیں مجھ پر رحم آ ہی گیا۔ اور پھر آنکھیں بند کئے ہی ہوئے حمید کے سر پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرنے لگا۔ نہ جانے وہ آنکھیں کیوں نہیں کھول رہا تھا۔

"ہائیں۔۔۔ ارے باپ رے۔۔۔!" وہ پھر دہاڑا۔ "میری آنکھیں کیوں نہیں کھلتیں۔۔۔ جیا ڈارلنگ۔" حمید جو اس پر لدا ہوا تھا چونک کر اس کی آنکھوں کی طرف دیکھنے لگا۔۔۔ دو باریک جھلیاں سی اس کی دونوں آنکھوں پر چپکی ہوئی تھیں۔

حمید نے انہیں ادھیڑنے کی کوشش کی اور وہ نکلتی چلی آئیں۔

"اب خول دوں۔" قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ہاں گدھے ڈارلنگ۔۔۔!" حمید نے جواب دیا۔

"ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ توں۔۔۔ اُف۔۔۔ فون۔۔۔ ارے تم۔۔۔!" قاسم کی آنکھیں نہ صرف کھل گئی تھیں بلکہ ان کا پھیلاؤ دیکھنے کے قابل تھا۔ حمید نے سوچا کہ اب یہ دیو اچھلے گا لہٰذا چپ چاپ ہٹ جاؤ۔۔۔ اس کا خیال غلط نہیں نکلا۔ اس کے ہٹتے ہی قاسم نے ایک چنگھاڑ ماری اور مسہری سے اچھل کر دھپ سے فرش پر آ رہا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا تھا۔ بُری طرح کانپ رہا تھا اور زبان سے بے تکے الفاظ نکل رہے تھے۔

"مم۔۔۔ مم۔۔۔ مم۔۔۔ بب۔۔۔ بب۔۔۔ بچاؤ۔۔۔ میں۔۔۔ کھوپڑی میں گھس گیا ہوں۔" پھر حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "ارے بچاؤ۔۔۔ نکالو۔۔۔ کھوپڑی سے۔"

اب حمید کو یاد آگیا کہ جس وقت وہ کرنل وارڈ کے خیمے میں بھجن گا رہا تھا فریدی کے ساتھ قاسم بھی آیا تھا۔ مگر کھوپڑی.... یہ کھوپڑی میں گھسنا کیا بلا تھا۔

"ابے.... اولمڈھیگ خاموش ہو جاؤ.... ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"ارے حمید بھائی مجھے بچاؤ.... میں بھی کھوپڑی میں گھس گیا ہوں۔"

"کیسی کھوپڑی۔"

"جس میں تم گھس گئے تھے.... یہ کھوپڑی ہی تو ہے۔"

"ابے اُلو.... یہ ہمارا محل ہے۔ ہم یہاں کے شہنشاہ ہیں۔ سیدھے کھڑے ہو۔ کورنش بجالاؤ۔"

قاسم بوکھلا کر اٹھ بیٹھا.... اور پھر بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ہائیں.... حمید بھائی.... یہ تمہارا لباس کیسا ہے؟"

حمید کے جسم پر "ہالی ووڈ مارکہ بغدادی سلطان" کا لباس تھا۔

"لباس شاہانہ.... کھڑے ہو جاؤ.... اور کورنش بجالاؤ....!"

"کورنش.... کورنش تو نہیں ہے میرے پاس۔ منگوادو۔ بجا کر رکھ دوں گا کورنش کیا ہوتی ہے حمید بھائی!"

"جھک کر سلام کرنے کو کورنش کہتے ہیں۔ موٹی عقل والے.... ہمیں جہاں پناہ کہو۔"

"اے کیوں مذاق کرتے ہو۔" قاسم بے ڈھنگے پن سے ہنسا۔

حمید نے تین بار تالی بجائی اور دو نیم عریاں لڑکیاں اندر داخل ہو کر آداب بجالائیں۔ "حمام تیار کیا جائے۔" حمید نے اکڑ کر کہا۔

وہ پھر جھکیں اور الٹے قدموں واپس چلی گئیں۔

قاسم کھڑا حیرت سے پلکیں جھپکاتا رہا۔ پھر ہونٹ چاٹتا ہوا بولا۔ "ارے واہ پیارے حمید بھائی یعنی کہ ہی ہی ہی.... اُف فوہ۔"

"حمید بھائی نہیں جہاں پناہ....!"

"اچھا بے جہاں پناہ.... ٹھینگے کی نہیں تو....!" قاسم جھلا گیا۔ "چار دن سے سالے جہاں پناہ ہوگئے ہیں تو مجاز ہی نہیں ملتے.... ارے ہاں۔"

وہ دونوں ضروریات سے فارغ ہوئے۔ غسل کیا.... پھر ناشتے پر جم گئے۔ چاروں طرف لڑکیاں ہی لڑکیاں موجود تھیں اور قاسم دل کھول کر کھا رہا تھا۔

ناشتے کے بعد در و دیوار سے سازوں کی آوازیں آنے لگیں اور لڑکیوں نے رقص کرنا شروع کر دیا۔

"واہ پیارے جہاں پناہ.... بھائی! ارے باپ رے میں کیا کروں۔" قاسم بے چینی سے پہلو بدلتا ہوا بڑبڑایا۔

"ان میں سے کسی ایک کو پسند کر لو...." حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"اچھا اچھا.... وہ.... نہیں وہ.... اونہوں.... وہ بھی نہیں.... وہ جو ادھر ناچ رہی ہے.... ارے باپ رے یہ تو اس سے بڑی زیادہ حسین ہے نہیں یار حمید بھائی.... اوغ اوغ.... جہاں پناہ میری سمجھ میں نہیں آتا.... ارے سبھی تو تگڑی ہیں.... ارے پیارے۔" وہ یک بیک حمید سے لپٹ گیا اور حمید کو اپنی ہڈیاں کڑکڑاتی محسوس ہونے لگیں۔

"اُغے.... اُغے.... حمید بھائی۔" وہ دانت پر دانت جمائے کہہ رہا تھا۔

"میں قیا قروں.... میں مر جاؤں غا! ہائے پیارے جہاں پناہ مری جان!"

ساتھ ہی قاسم کی گرفت بھی تنگ ہوتی جا رہی تھی اور حمید کا دم گھٹ رہا تھا۔

"ابے چھوڑ! او ہاتھی کے بچے.... چھوڑ!" اس نے قاسم کی کھوپڑی پر دو ہتھڑ چلائے۔ "ابے ہٹ ورنہ میں ابھی انہیں حکم دیتا ہوں یہ اپنے سینڈل اتار کر تجھ پر پل پڑیں گی۔"

قاسم نے بوکھلا کر اُسے چھوڑ دیا اور کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "ماف کرنا حمید بھائی سالا دماغ الٹ پلٹ جاتا ہے۔"

❁

آصف نے رات حفاظتی چوکی پر بسر کی تھی۔

صبح اٹھ کر وہ قاسم کے خیمے کی طرف روانہ ہو گیا۔ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ اس نے زیبا کو دیکھا جو بڑی بدحواسی سے اسی طرف بھاگی آ رہی تھی۔

"اوہ.... سیٹھ جی.... سیٹھ جی۔" وہ دور ہی سے چلائی۔

آصف بھی تیزی سے قدم اٹھانے لگا تھا۔

"سیٹھ.... موٹے صاحب غائب ہیں۔" زیبا نے چیخ کر کہا۔

"جہنم میں جائے۔" آصف بڑبڑایا۔

"ارے سنئے تو سہی! میں صبح سو کر اٹھی تو وہ غائب تھے۔ کچھ دیر انتظار کرتی رہی جب نہ آئے میں انہیں شبانہ میں دیکھنے گئی۔ لیکن وہ وہاں بھی نہیں ملے۔ واپسی میں خیمے کی پشت پر آئی۔ یہاں ایک چھوٹے سے غار میں ان کے جوتے پڑے دیکھے۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔" آصف جھنجھلا کر بولا۔ "میرے کان نہ کھاؤ! مجھے اب تم سے یا ان سے کیا سروکار۔"

"میرے خدا اب میں کیا کروں؟"

"تم نے ایسی ہی مکاری کی باتیں مجھ سے بھی کی تھیں۔ تم فراڈ ہو میں تمہیں جیل بھجواؤں گا۔"

"نہیں.... نہیں۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "میں ایک غریب لڑکی ہوں۔ آپ ہی لوگوں سے میری روزی چلتی ہے۔ آپ نے کیوں کہہ دیا تھا کہ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔"

"ختم کرو۔!" آصف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "جاؤ یہاں سے اور اس خیمے سے اپنا سامان اٹھا لے جاؤ۔"

یک بیک زیبا بھی بگڑ گئی "خیمہ موٹے صاحب کا ہے اور میں ان کی سیکریٹری ہوں، ان کی عدم موجودگی میں کوئی ان کے خیمے میں قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔ آپ جیل وغیرہ کی دھونس کسی جاہل کو دیجئے گا سمجھے۔"

"ہٹو سامنے سے۔" آصف دہاڑا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت اُس نے قہقہے کی آواز سنی اور یہ آواز اُسی پُراسرار عورت کی تھی۔

"آصف صاحب.... میری بھی سنئے۔ آواز کی طرف چلے آیئے۔ ڈریئے نہیں۔ میں صرف چند باتیں کروں گی جو آپ کے لئے بھی مفید ہوں گی۔ آیئے ڈریئے نہیں۔"

آصف کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ لیکن پھر زیبا کی موجودگی کا خیال آتے ہی تن گیا اور زبردستی آواز میں بھاری پن پیدا کر کے بولا۔ "میں ڈروں گا کیوں؟ آرہا ہوں۔"

یہ آواز ایک سوراخ سے آرہی تھی۔

"ہاں! کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔" آصف نے کہا۔

"کرنل کو سمجھاؤ۔ میں پچھلی رات بھی تمہیں پیغام دیتی رہی ہوں۔ دیکھو میں کسی کو

کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتی ایک کام کر رہی ہوں۔ اس کے اختتام پر یہاں سے چلی جاؤں گی کیا تم مجھے جانتے ہو۔"

"نہیں....! میں نہیں جانتا۔"

"کرنل جانتا ہے کیونکہ وہ بھی میری ہی طرح کوئی معمولی آدمی نہیں ہے....! وہ کہاں مل سکے گا۔ آصف صاحب۔"

"مجھے علم نہیں ہے۔ بہر حال پچھلی رات وہ کمیشن کے چند ممبروں کے ساتھ کہیں گیا ہے۔"

"خیر.... مجھے صرف اتنا ہی کہنا تھا کہ وقت نہ برباد کرو۔ میں آسیب نہ سہی! پھر بھی تم لوگوں کے لئے آسیب ہی ثابت ہو سکتی ہوں.... پتہ نہیں کتنی بار میں تمہیں ختم کر سکتی تھی۔"

"پھر کیوں نہیں ختم کر دیا۔"

"اس امید پر کہ ہو سکتا ہے کبھی تم میرے کام آسکو....!"

"یا دوسرے الفاظ میں ملک و قوم سے غداری کر سکوں۔"

"ہر چیز سے متعلق نظریات بدلتے رہتے ہیں۔ کل ایک ہی چیز کے متعلق تمہارا کچھ خیال تھا آج کچھ ہے اور کل دونوں ہی سے مختلف ہوگا۔"

"مگر تم نے مجھے روکا کیوں ہے۔"

"محض یہ بتانے کے لئے میرے خلاف تمہاری کوئی بھی حرکت بہت بڑی تباہی لا سکتی ہے اور تمہارے ڈیڑھ ہزار آدمیوں کا خون خود تمہاری گردن پر ہو سکتا ہے حمید اور قاسم کو بھی انہیں میں شامل سمجھو۔ کل اپنے بمبار کا حشر دیکھ چکے ہو! ہمارے ایک معمولی سے خود کار راکٹ نے اُسے تباہ کر دیا تھا۔ مفت میں ایک آدمی کی جان ضائع ہوئی.... یا اس پر دو ہوا باز تھے۔"

"مجھے علم نہیں ہے۔ مگر پھر تمہارے آدمیوں نے دو فوجیوں کو کیوں مار ڈالا تھا۔"

"وہ مجبوری تھی۔ اگر انہوں نے ریوالور نہ نکالے ہوتے تو وہ بھی معاف کر دیئے جاتے۔"

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔"

"یہ شائد تمہیں کبھی نہ معلوم ہو سکے۔"

"مگر اسے بھی یاد رکھو کہ فریدی صرف ایک آنکھ سے پوری نیند لے سکتا ہے۔"

"میں جانتی ہوں کہ وہ دنیا کا چالاک ترین آدمی ہے لیکن.... خیر ہٹاؤ۔ تم نہیں سمجھ سکو گے

میں اب کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ میری باتوں میں اگر کچھ وزن نظر آئے تو ان پر عمل کرنے کی کوشش ضرور کرنا.... بس.... پھر کبھی....!"

آواز آنی بند ہوگئی۔ آصف زیبا کی طرف مڑا۔ جو قریب ہی کھڑی بُری طرح کانپ رہی تھی۔

"سنا تم نے....!" قاسم بھی وہیں پہنچ گیا ہے۔ "اب تم چپ چاپ چھوری پیک کا راستہ لو۔"

"ناممکن ہے۔ جناب میں ان کا سامان ان کے سپرد کر کے ہی جاسکوں گی۔"

"جہنم میں جاؤ....!" آصف نے کہا اور پھر چوکی کی طرف پلٹ گیا۔ نہ جانے کیوں اب وہ زیبا سے دور ہی رہنا چاہتا تھا۔ عشق کا بھوت تو اُسی دن اُتر گیا تھا جب فریدی نے "ازراہِ خودری" اُسے چند نصیحتیں کی تھیں۔

❁

زہرۂ ہفت افلاک.... اس وقت گوشت پوست میں حمید کے سامنے کھڑی تھی۔ لیکن اس کے گرد فرش پر ایک چمکدار حصار تھا۔ اتنا چمکیلا کہ پٹرومیکس لیمپوں کی روشنی میں بھی اس کی چمک الگ ہی نظر آرہی تھی.... وہ دونوں اس کمرے میں تنہا تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ ایک ہی جست میں اس تک پہنچے اور اس کا گلا گھونٹ کر پھر اپنی جگہ پر واپس آجائے لیکن وہ حصار کیسا تھا۔

"کیوں کیپٹن خاموش کیوں ہو۔" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں اس وقت سوچ رہا ہوں کہ ابابیل انڈے دیتی ہے یا بچے۔"

"نہیں تم بھول رہے ہو۔" وہ مسکرائی۔ "تمہارے لاشعور میں دراصل چمگادڑ ہے اور ساتھ ہی تم یہ بھی سوچ رہے ہو کہ میرا خاتمہ کردو.... لیکن اچھے دوست اس حصار میں داخل ہونا موت ہی کو دعوت دینا ہوگا۔ یہ دیکھو۔"

اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک رول تھا اس نے اُسے حصار کے باہر پھینکا لیکن وہ حصار سے گزرنے کی بجائے چمکدار لکیر پر آتے ہی ریزہ ریزہ ہو کر چاروں طرف بکھر گیا۔

"یہ تو لوہا تھا کیپٹن حمید.... آدمی اگر گزر جانا چاہے تو اُسے قیمہ کہیں گے۔"

"مگر تم نے اس وقت مجھے شربت دیدار پلایا ہے.... ویسے اگر فالودہ ہوتا تو اس سے بھی اچھا تھا۔"

"فضول باتیں چھوڑو! یہ بتاؤ کہ میں کون ہوں۔"

"جیلانی کی محبوبہ۔" حمید نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"بکواس! یہ جیلانی ہی تو میرے لئے مصیبت کا باعث بنا ہے۔ ورنہ فریدی کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوتی کہ یہاں کیا ہورہا ہے۔ واضح رہے ہم یہاں تین سال سے کام کر رہے ہیں۔"

"کیا کام کر رہی ہو۔"

"یہ نہیں بتایا جاسکتا۔ ہاں تو جب اس جیلانی کی بنائی ہوئی تصویر آرٹ گیلری میں لگائی گئی تو مجھے بھی اس کی اطلاع ہوئی۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ تصویر کے ساتھ ہی ساتھ اس کی آسیب والی کہانی بھی شہرت پارہی تھی۔ مجھ سے اور کرنل وارڈ دونوں ہی سے حماقتیں سرزد ہوئیں۔ میں جیلانی کو دیکھنے اس کے گھر دوڑی گئی میں دیکھنا چاہتی تھی کہ آخر وہ ہے کون وہ نہیں ملا تھا لیکن میں نے اس کے گھر پر اس کی تصویر دیکھی تھی۔ لیکن میری یادداشت میں ایسا کوئی آدمی نہیں تھا پھر اس تصویر کا کیا چکر تھا نہ کبھی میں نے اُسے دیکھا اور نہ اس نے مجھے دیکھا۔ پھر وہ تین سال تک صرف میری ہی تصویر کیسے بناتا رہا۔ کرنل وارڈ سے یہ حماقت سرزد ہوئی کہ اس نے اس تصویر کے نیلام میں حصہ لے لیا اور بولی بڑھاتا گیا۔ اُسے علم نہیں تھا کہ کرنل فریدی بھی وہ تصویر دیکھ کر چونک پڑا ہے اور میں ابھی اس سے بے خبر تھی کہ اس تصویر کے گرد کرنل فریدی کا جاگتا ہوا ذہن کوئی جال بن رہا ہے۔ تصویر کا نیلام اس کے اشارے پر ہوا تھا۔"

"کچھ بھی ہو۔" حمید بولا۔ "تصویر ہوتی یا نہ ہوتی لیکن چمکدار دھوئیں کا منارہ ہمیں لامحالہ اپنی طرف متوجہ کر لیتا۔"

"کچھ بھی نہ ہوتا.... لاکھ متوجہ ہوتے.... کل رات کیا ہوا آپ کے فریدی صاحب اترے تھے وادی میں لیکن منارہ بننے سے پہلے وہ جگہ جہنم بن گئی اور انہیں میلوں دور بھاگ کر دم لینا پڑا.... پھر فوجی تحقیقاتی کمیشن کے ایک کرنل صاحب کے مشورہ سے وادی پر وزنی بم گرانے کا پروگرام طے پایا۔ لہٰذا آیا ایک بمبار گرجتا ہوا آیا۔ لیکن جنگل سے چلنے والے ایک خودکار راکٹ نے اس کے پرخچے اڑا دیئے۔ نہیں کیپٹن تم کبھی کامیاب نہ ہوتے۔ لیکن کرنل فریدی کو نانوتہ کے طریق کار کا علم ہے۔"

"تم نانوتہ ہو....!" حمید یک بیک اچھل پڑا۔ "تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا کی ساتھی۔"

"دنیا میں اس وقت دو ہی عورتیں تو ہیں۔" وہ مسکرائی۔

"تم کس ملک کے لئے کام کر رہی ہو۔"

"اب کیا یہ بھی بتانے کی ضرورت رہ جاتی ہے۔ زیرولینڈ کا نام تو کم از کم تم لوگوں کے لئے راز نہیں رہا۔ تم نے تاریک وادی میں بھی ہمیں بڑا نقصان پہنچایا تھا۔ ہم جب چاہیں تم لوگوں کا خاتمہ کر دیں لیکن ہم سوچتے ہیں کہ ایک دن تمہیں بھی زیرولینڈ کا شہری بننا ہے۔ پھر ہم کیوں اتنے ذہین آدمیوں کا خون بہائیں۔ تمہیں یہاں اس لئے نہیں لایا گیا کہ میں تم پر عاشق ہو گئی ہوں۔ نہیں ہو سکتا ہے کہ تم یہی سوچ رہے ہو۔ تم اس لئے لائے گئے ہو کہ میں تمہیں اپنے ساتھ زیرولینڈ لے جاؤں فریدی بھی آج ہی کل میں بندھا چلا آئے گا اور ہم جلد ہی یہاں سے کوچ کر دیں گے کیونکہ ہمارا کام قریب قریب ختم ہو چکا ہے۔"

"وہاں شادی ہو سکے گی میری۔" حمید نے خوش ہو کر پوچھا۔

"خواہ مخواہ مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔" نانوتہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ اچانک دو آدمی داخل ہوئے جو کرنل وارڈ کو گھسیٹتے ہوئے لا رہے تھے۔ کرنل وارڈ کا لباس تار تار تھا اور جسم پر کئی جگہ گہری خراشیں تھیں جن سے خون بہہ رہا تھا۔

"کیوں کرنل وارڈ! تم یہاں کیسے۔" نانوتہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"پھر کیا میں خود کو فریدی کے شکاری کتوں سے نچوا ڈالتا۔" کرنل وارڈ نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"وہ مجھے پاتال میں بھی نہ چھوڑے گا۔ میں نے پہلے ہی آپ کو مشورہ دیا تھا کہ ابھی کیپٹن حمید کو آزاد ہی رہنے دیجئے۔"

"میں پوچھتی ہوں تمہیں راستہ کیسے معلوم ہوا۔" اس نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"اوہ.... مادام! کیا اب میں اتنا بھی نہ جانوں گا جب کہ ہزاروں میرے ہی توسط سے یہاں تک پہنچے ہیں۔"

"تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اپنے کام سے کام رکھنے کی بجائے میری ٹوہ.... میں رہتے تھے۔ جانتے ہو اس کی سزا کیا ہو سکتی ہے۔"

"رحم.... رحم.... مادام....!" وہ گھٹنوں کے بل گر کر گڑگڑایا۔ نانوتہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر اپنے دو آدمیوں سے نرم لہجے میں کہا۔ "یہ بھی مہمان خصوصی ہیں۔ نمبر آٹھ میں ان کے لئے انتظام کرو۔"

وہ دونوں زخمی کرنل وارڈ کو وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔

"فریدی کہاں ہے۔" نانوتہ نے اس سے پوچھا۔

"کل رات وہ ٹیکم گڈھ گیا تھا مادام اور آج پھر واپس آ گیا اور اس وقت اس کے شکاری کتے چاروں طرف میری بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔"

"تم کہاں تھے کل سے اب تک۔" نانوتہ نے سوال کیا۔

"یہ نہ پوچھئے نہ جانے کہاں کہاں چھپتا پھرا ہوں۔"

"گدھے.... اگر تمہارے پیچھے وہ بھی لگا چلا آیا ہو تو۔" نانوتہ نے کہا اور کچھ سوچنے لگی۔

لیکن کرنل وارڈ دم بخود ہی رہا۔

آخری حادثے

"ہائے.... جیا ڈارلنگ....!" قاسم اوندھا پڑا ہوا سسکیاں لے رہا تھا۔ "تمہیں کہاں ڈھونڈوں.... تم نے کہا تھا کہ آنکھیں بند کر لو.... تب ہی دل کی آنکھیں کھلیں گی.... میں نے آنکھیں بند کر لیں.... اور تم غائب ہو گئیں۔ اب میں تمہیں کہاں تلاش کروں.... تم کتنی اچھی ہو.... میرا سر دکھ رہا تھا.... تم نے ہولے ہولے میرا سر دبا دیا تھا.... ہائے آج تک کسی سالی نے میرا سر نہیں سہلایا۔ اُس اُلو کی پٹھی نے بھی نہیں جسے لوگ.... میری جورو کہتے ہیں۔"

یک بیک قاسم اچھل کر بیٹھ گیا اور سامنے والی دیوار کو گھونسہ دکھا کر کہنے لگا۔ "ایسی جورو کو تڑپ تڑپ کر مرنا چاہئے.... مر مر کر تڑپنا چاہئے، اُلو اُلو کی پٹھی میری چھاتی پر چڑھی بیٹھی ہے.... اُتر.... اُتر.... میں جیا سے شادی کروں گا.... تجھے تلاخ دوں گا.... ہائے وہ نازک نازک ہاتھ.... ہائے وہ لمبی لمبی انگلیاں.... جیا.... میں مر جاؤں گا.... آؤ۔"

حمید کو ہنسی آ گئی وہ دیر سے دریچے میں کھڑا اس کی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔

قاسم جھلا کر مڑا اور غصیلے انداز میں اس نے بھی دانت نکال دیئے!

"ہی ہی ہی!.... بس ہنسا کرو اور کیا آتا ہے تمہیں.... دوسرے سالے اُلو کے پٹھے تمہا.... وہ رونا چاہیں تو تم انہیں رونے بھی نہ دو۔"

"گھبراؤ نہیں...." حمید سنجیدگی سے بولا۔ "اتنی لڑکیاں ہیں یہاں کسی کو پسند کرلو۔"

"نہیں قرتا۔" قاسم حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "وہ سالیاں مجھ پر ہنستی ہیں میرا مذاق اڑاتی ہیں۔ ٹھینگے پر ہیں.... ہاں.... میں بھی لعنت بھیجتا ہوں.... جیبا فرشتہ ہے.... جب میں نے اُسے اپنی دکھ بھری کہانی سنائی تھی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے.... ہائے.... جیبا.... پتہ نہیں اس سالی جہرۂ ہفت افلاک نے اُسے کہاں پھینکا۔"

"بیٹا پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہارے دل کی آنکھیں کیسے کھلی تھیں! یہ تم نے آج تک نہیں بتایا حالانکہ آج تمہیں یہاں آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا ہے۔"

"نہیں بتاؤں گا.... ورنہ تم جیباڈارلنگ پر شک کرو گے! میں جانتا ہوں سالے جہاں پناہ حمید بھائی تم اور کرنل صاحب بہت شکی ہو.... جراجرا سی بات پر شک.... ایسی کی تیسی!"

قاسم بُرا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔

"تم سمجھے نہیں پیارے....!" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "دل کی آنکھیں صرف وہی لڑکی کھولتی ہے جو واقعی محبت کرتی ہے۔"

"کرتی ہے نا....!" قاسم خوش ہو کر بولا اور خوشی کا مظاہرہ کرتا ہی رہا "ہی.... ہی.... ہی.... ہی۔"

"مگر حمید۔" ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ہر لڑکی کا طریقہ الگ ہوتا ہے! میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ زیبا نے کون سا طریقہ اختیار کیا تھا۔"

"ہائے جہاں پناہ بھائی کیا بتاؤں.... میں نے اس سے کہا تھا کہ مجھ سے محبت کرو ورنہ میں مر جاؤں گا.... اس نے کہا تم خود ہی کرو نا مجھے کیا پڑی ہے میں نے رو کر کہا تھا کہ مجھے محوبت کرنا نہیں آتا۔ اس نے کہا میں سکھاؤں گی.... دل کی آنکھوں کھولو.... محوبت ہو جائے گی۔ میں کہا کیسے کھولوں مجھے یہ بھی نہیں آتا۔"

اس نے کہا ایک گھنٹے تک آنکھیں بند رکھو۔ میں نے کوشش کی مگر یہ سالی آنکھیں بار بار کھل جاتی تھیں۔ آخر اس نے کوئی چیز اوپر چپکادی۔ پھر سالیاں کھل ہی نہ سکیں۔ اس نے کہا اب چلو چل کر ٹھنڈی ہوا میں بیٹھیں خیمے کے پیچھے.... اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور خیمے کے پیچھے لائی.... وہاں بیٹھ کر ہولے ہولے میرا سر سہلانے لگی.... ہائے حمید بھائی.... کتنا پیار تھا....

کتنا پیار تھا.... ہائے میں کیا کروں۔"

قاسم کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

حمید نے بڑے پیار سے دو چار بار اس کا سر سہلایا اور آنسو گالوں پر ڈھلک آئے۔

"میں اُسے تلاش کروں گا۔" حمید نے کہا۔ "ہاں تو پھر کیا ہوا تھا۔"

قاسم نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے اور غصیلی آواز میں بولا۔ "پھر سالے مچھر میرے کانوں میں بھنبھنانے لگے۔ میں نے انہیں تھپڑ مارنے شروع کر دیئے.... اور حمید بھائی بس میں گائب ہو گیا.... ہائے جیباڈارلنگ میں تمہیں کہاں ڈھونڈوں۔"

"غائب ہو گئے.... میں نہیں سمجھا۔"

"ٹھینگے سے نہیں سمجھے....!" قاسم جھلا کر بولا۔ "اَمے تم بھیجا چاٹ ڈالتے.... جاؤنا اپنی لونڈیوں سے دل بہلاؤ جا کر....!"

"بس اتنا بتادو کہ غائب کیسے ہو گئے تھے۔"

"مجھے یاد نہیں! میں نہیں جانتا.... آنکھ یہاں کھلی تھی.... تم نے کھولی تھی۔ بھاگ جاؤ.... میں اس وقت جیبا کو یاد کر رہا ہوں۔"

"زیبا بھی یہیں کہیں قید ہو گی۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر تم اس کی رہائی چاہتے ہو تو سنجیدگی سے میرا ساتھ دو.... جو کچھ میں کہوں وہی کرو۔ یہ تہہ خانے ہیں ان سے نکلنا آسان کام نہ ہوگا۔ تمہیں پہاڑوں کی وہ گپھائیں یاد ہی ہوں گی جن سے ہم برف کے بھوتوں والے کیس میں دوچار ہوئے تھے یہ بھی اسی قسم کی قدیم گپھائیں ہیں جنہیں اس خطرناک عورت نے دریافت کیا ہے۔"

"پھر بتاؤ میں کیا کروں۔"

"دماغ ٹھنڈا رکھو اور میرا ساتھ دینے کے لئے تیار رہو۔"

دفعتاً نانوتہ کے قہقہے کی آواز گونجی اور وہ دونوں چونک کر خاموش ہو گئے۔

"جہاں پناہ۔" نانوتہ کا لہجہ طنزیہ تھا۔ "اگر سازشوں سے فرصت مل گئی ہو تو ذرا حرم سرا تک آنے کی زحمت گوارا فرمایئے۔ آپ کیلئے ایک تحفہ حاضر ہے۔ آپ دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔"

"ارے باپ رے....!" قاسم بوکھلا کر بولا۔ "سن لیا سالی نے.... ارے بب۔" اس نے

دونوں ہاتھوں سے منہ دبالیا۔

"میں آرہا ہوں۔" حمید نے سخت لہجہ میں کہا اور قاسم کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کرتا ہوا دریچے سے گزر گیا۔

حرم سرا والے حصے تک پہنچنے میں اُسے دو منٹ سے زیادہ نہیں لگے! وہ ان تہہ خانوں میں آزادانہ چل پھر سکتا تھا۔ لیکن آج تک باہر نکلنے کا راستہ نہیں ڈھونڈ سکا تھا۔ حالانکہ اس نے کوشش کی تھی۔ آج اُسے یہاں آئے ہوئے آٹھواں دن تھا۔ اس کا اندازہ اس نے اپنی گھڑی سے لگایا تھا۔ ورنہ یہاں سورج تو دکھائی نہیں دیتا تھا کہ دن اور رات کا اندازہ کیا جاسکتا۔ یہاں تو ہر وقت مومی شمعیں یا پٹرومیکس روشن رہتے تھے۔ نانوتہ نے حمید کو بتایا تھا کہ وہ باقاعدہ برقی روشنی کا انتظام بھی کرسکتی تھی لیکن چونکہ قیام عارضی ہے اس لئے زیادہ پھیلاؤ پسند نہیں کرتی۔ وہ پردہ ہٹا کر حرام سرا میں داخل ہوا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایسا محسوس ہوا جیسے سر پر بجلی گری ہو۔ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔

سامنے ہی فریدی سر جھکائے کھڑا تھا اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں اور پیروں میں بیڑیاں لباس تار تار تھا۔ خشک بال گرد سے اٹے ہوئے تھے اور آنکھوں کے گرد حلقے نظر آرہے تھے۔ شیو بڑھا ہوا تھا۔

دوسری طرف نانوتہ کھڑی فاتحانہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔ اس کے گرد چمکدار حلقہ تھا اور اس کے قریب ہی حلقہ سے باہر کرنل وارڈ تنا ہوا کھڑا تھا۔

"کیپٹن حمید....!" نانوتہ نے کہا۔ "میں اس شاعر کا کلام سننا چاہتی ہوں لیکن اس نے چپ رہنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ اب تم بھی کوشش کرو۔"

"نانوتہ....!" دفعتاً حمید پھٹ پڑا۔ "اس حصار سے باہر آؤ۔ پھر میں دیکھوں۔"

اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ غصے سے بُری طرح کانپ رہا تھا اور حلق میں سانسیں گھٹی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھیں۔ نانوتہ نے قہقہہ لگایا اور بولی۔ "نہیں کیپٹن حمید.... میں بڑی نا[illegible] ہوں۔ تم دیکھ رہے ہو! یعنی کہ عورت ہوں.... چوڑیاں پہنتی ہوں.... مجھے تاؤ نہیں آئے گا۔ میں حصار کے اندر رہوں گی کیونکہ مجھے اپنے آدمیوں پر بھی اعتماد نہیں ہے۔ جب میں سوتی ہوں تب یہ حصار میری مسہری کے گرد قائم رہتا ہے، اسے دنیا کی کوئی چیز عبور نہیں کر سکتی۔ اس کا

یہاں میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا.... کرنل وارڈ.... کیپٹن حمید کو ریوالور دو تاکہ یہ مجھ پر فائر کرسکے۔"

"مادام آپ حصار کے اندر ہیں.... لیکن میں...." کرنل وارڈ نے کچھ اور بھی کہنا چاہا لیکن نانوتہ جلدی سے بولی۔ "خیر جانے دو! میں تو اسے یہ دکھانا چاہتی تھی کہ ریوالور کی گولی بھی اسے نہیں کراس کرسکتی اس کے قریب آتے ہی پگھل کر نیچے گر جائے گی۔ ہاں تو کیپٹن حمید اب میرا کام مکمل ہوگیا ہے۔ میں تم لوگوں کو زیرولینڈ لے جاؤں گی۔ کرنل فریدی کو کسی چوہے کی طرح پکڑلیا ہے.... مگر کتنی دقتوں سے۔ پانچ دن تک میرے آدمی اس کے لئے سرگرداں رہے ہیں۔ یہ میرا کتنا بڑا کارنامہ ہے کہ خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر میں کرنل فریدی کو پکڑنے میں کامیاب ہوگئی اور تمہارے ملک کی ایک بڑی دولت اپنے ساتھ لے جارہی ہوں ساری دنیا پر ہم زیرولینڈ والوں کا حق ہے۔ کیونکہ ہم ساری دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ موٹا خصوصیت سے میرے کام آئے گا۔ زیرولینڈ کے بہترین سائنس داں اس کی ذہنی حالت ٹھیک کرنے کی کوشش کریں گے.... اور پھر یہ زہرہ ہفت افلاک کے جلاد کا رول ادا کرنے کے لئے بہت مناسب ہوگا۔ اکثر دنیا کے گھنے جنگلوں میں مجھے کام کرنا پڑتا ہے۔ وہاں جنگلیوں کو ڈرانے کے لئے میں اسے دیو بناؤں گی۔ یہ خاص الخاص تحفہ میرے ہاتھ لگا ہے۔ اس کے لئے میں تم لوگوں کی شکر گزار ہوں۔"

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو اب بھی اس طرح سر جھکائے کھڑا تھا۔ حمید کا دل چاہا کہ اپنا سر دیوار سے ٹکرا دے۔ اس نے کبھی فریدی کی آنکھوں میں مایوسی کی دھندلاہٹ نہیں دیکھی تھی۔ وہ سر ہی نہیں اٹھا رہا تھا۔ کسی سے نظر نہیں ملا رہا تھا۔ ایک عورت کے ہاتھوں اس کی خودی مجروح ہوئی تھی۔ حمید کا دل رو پڑا.... اس نے سوچا کہ نانوتہ تک تو رسائی ناممکن ہے کیوں نہ کرنل وارڈ ہی پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن اس کا انجام کیا ہوتا۔

"مگر نانوتہ....!" حمید نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم نے کرنل کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں کیوں ڈال رکھی ہیں۔ میں نے اتنے دنوں میں تمہارا کیا بگاڑ لیا جو یہ آزاد رہ کر بگاڑ لیں گے۔"

"تم ایک آسیب کو یہ مشورہ دے رہے ہو کہ وہ قابو میں آئے ہوئے دوسرے آسیب کو آزاد کردے.... نہیں کیپٹن حمید میں اتنی احمق نہیں ہوں۔ مجھے ایسا مشورہ نہ دو۔"

"تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے۔" حمید نے دانت پیس کر پوچھا۔

"محض یہ دکھانے کے لئے.... کہ تم تانوتہ کی قوت دیکھ لو۔"

"ختم کرو تانوتہ....!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ہم چوہوں والی جنگ کا تجربہ نہیں رکھتے۔ ہمیں زیرولینڈ ضرور لے چلو.... میں کرنل کی طرف سے بھی تمہارا مشکور ہوں گا مگر خدارا اس موٹے کا بھی خیال رکھنا۔ اُسے تم سے عشق ہو گیا ہے۔"

"خاموش رہو بد تمیز....!" کرنل وارڈ گھونسہ دکھا کر بولا۔ "اگر تم پر مادام کی نظر عنایت نہ ہوتی تو میں ابھی تمہارے جبڑے توڑ دیتا۔"

"آؤ....!" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "مادام کو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔" کرنل وارڈ نے مڑ کر تانوتہ کی طرف دیکھا۔

"نہیں....!" تانوتہ کا لہجہ سخت تھا۔ "میں ان لوگوں کو یہاں سے صحیح وسالم لے جانا چاہتی ہوں۔"

"خیر مادام....!" کرنل وارڈ نے کہا۔ "اب مجھے اجازت دیجئے کرنل فریدی پکڑا جا چکا ہے۔ میں باہر جا کر اپنا کام دیکھوں۔"

"نہیں.... اب تم بھی براہِ راست یہیں سے زیرولینڈ ہی جاؤ گے۔ پرسوں ہمارے نئے گراز یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"میں.... زیرولینڈ...." کرنل وارڈ ہکلایا۔

"کیوں؟ کیا کبھی تمہارے دل میں خواہش نہیں پیدا ہوئی کہ جس ملک کے لئے تم کام کر رہے ہو اُسے دیکھو بھی۔"

"ہوئی ہے.... ہوئی ہے....!" وہ جلدی سے سر ہلا کر بولا۔ "مگر مادام اگر میں یہاں نہ ہوں گا تو اوپر والوں کو کنٹرول کون کرے گا۔"

"تم اس کی پرواہ نہ کرو کرنل وارڈ.... کوئی دوسرا تمہاری جگہ لے لے گا۔"

"مم.... مگر....!"

"صاف صاف کہو کہ تم زیرولینڈ نہیں جانا چاہتے۔" تانوتہ کو غصہ آ گیا۔

"یہ بات نہیں مادام.... یہ بات نہیں مادام....!" وہ دونوں ہاتھ ہلاتا ہوا خوفزدہ آواز میں چیخا۔ "مم.... میں تو اتنی مہلت مانگ رہا تھا کہ اپنے بینک بیلنس کو سونے کی شکل میں تبدیل کر لوں۔"

"کیا تم بینک تک جانے کی ہمت کر سکو گے۔ جب کہ فریدی کے شکاری کتے تمہاری تلاش میں تھے۔"

"اوہ.... میں اتنا بیوقوف نہیں ہوں مادام....!" کرنل وارڈ مسکرایا۔ "میرے حسابات میرے نام سے نہیں ہیں.... بلکہ ایک مقامی سرمایہ دار کے نام سے ہیں اور اسے میرے اور اس کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں جانتا۔"

"خیر تو تم اُسے سونے میں تبدیل کرو گے۔"

"ہاں مادام....!"

"لیکن تمہیں یہ سن کر افسوس ہو گا کہ زیرولینڈ میں سونے کو سب سے گھٹیا دھات سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس سے تو چھریاں اور چاقو بھی نہیں بنائے جا سکتے۔ البتہ اگر تم اپنی رقومات کو اری ڈیم۔ ریڈیم۔ یا پورے نیم میں تبدیل کر سکو تو یقیناً امیر آدمی سمجھے جاؤ گے۔ ان دھاتوں کے عوض تم وہاں زندگیاں تک خرید سکو گے۔"

"یعنی تو پھر.... وہ اتنی بڑی رقم یہیں رہ جائے گی۔"

"خاموش رہو! میرے پاس بکواس سننے کے لئے وقت نہیں ہے۔ کیپٹن حمید تم اپنی خواب گاہ میں جا سکتے ہو۔" حمید چپ چاپ "حرم سرا" سے نکل آیا۔

اُسے اس کا غم نہیں تھا کہ خود اس کا کیا انجام ہو گا۔ وہ تو صرف فریدی کے متعلق سوچ رہا تھا کیونکہ اس نے اُسے آج تک اتنا مضمحل اور صورتاً اتنا شکست خوردہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔

❋

دوسری صبح کسی تیز قسم کی آواز ہی نے نہ صرف حمید بلکہ قاسم کو بھی جگایا تھا۔ آج منڈولین کے نغموں نے خوابیدہ سماعت کو نہیں گدگدایا تھا بلکہ وہ کوئی ایسی آواز تھی کہ بیداری کے بعد دل کی بڑھتی ہوئی دھڑکن پر قابو پانا محال معلوم ہو رہا تھا۔ وہ اور قاسم اپنی اپنی مسہریوں سے سر نکالے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

دفعتاً انہوں نے کرنل وارڈ کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ "کیپٹن حمید۔ موٹے سمیت تین منٹ کے اندر اندر حرم سرا میں پہنچ جاؤ ورنہ چوتھا منٹ تمہارے لئے موت کا پیغام ہو گا! وہ دونوں ہی مسہریوں سے کود پڑے!"

"اب قیا چکر ہے! حمید بھائی....!" قاسم نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"مطمئن رہو....! اب کوئی لمبا سفر درپیش ہوگا۔ میں نے رات ہی تمہیں سب کچھ بتادیا تھ

"خدا کرے جیا ڈارلنگ کو بھی ساتھ لے چلیں۔ اَبے میں تو خوشی سے جاؤں گا سالے حمید بھا

"چلو....!" حمید غرایا۔

وہ دونوں حرم سرا میں آئے لیکن یہاں کا منظر دیکھ کر ان کے دل بلیوں اچھلنے لگے۔ گے دس خاص آدمی جوان تہہ خانوں میں رہتے تھے اور جنہیں وہ براہِ راست زیرولینڈ سے تھی بندھے پڑے تھے۔ اس کی کنیزیں بھی اسی حال میں مبتلا نظر آئیں ان کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور وہ فرش پر دوزانو بیٹھی ہوئی تھیں۔ کرنل وارڈ کے ہاتھوں میں ٹامی گن تھی۔

"چلو....!" وہ ٹامی گن کو جنبش دے کر غرایا۔ "تم دونوں بھی عورتوں کے پاس اسی ط بیٹھ جاؤ۔ جلدی کرو۔"

"کیوں....!" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"چلو.... ورنہ ٹریگر دب جائے گا.... کل تم نے اس سور کی بچی کے سامنے میرا گڑگڑانا دیکھا تھا۔ آج مرنے سے پہلے اس کی ذلت بھی دیکھ لو....!"

"کیا تم نے اپنی توہین کا بدلہ لے لیا۔" حمید خوش ہو کر بولا۔

"ہاں.... چلو بیٹھ جاؤ....!"

"اب تو میں ضرور بیٹھوں گا۔ پیارے کرنل وارڈ! تم واقعی شاندار ہو پروانہ کرو۔ تمہ لینے کا ذمہ میں لیتا ہوں۔"

"خاموش رہو حقیر کیڑے تم تینوں بھی سورج کی روشنی نہ دیکھ سکو گے۔ میں اتنا گدھا ہوں کہ تمہیں چھوڑ دوں.... اس تہہ خانے سے صرف پانچ آدمی باہر جائیں گے میں اور چار خاص آدمی ہیں۔"

اتنے میں زنجیروں کی جھنکار سنائی دی اور کرنل فریدی بیڑیاں پہنے ہوئے کسی زخمی طرح جھومتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے نانوتہ تھی۔ اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہو اور وہ اپنا نچلا ہونٹ چبا رہی تھی۔ نانوتہ کے بعد کوئی عورت آئی اس کے بھی ہاتھ پشت پر ہوئے تھے اور وہ بُری طرح چیخ رہی تھی۔

"ارے.... یہ پٹیاں کھولو.... ارے میرے چہرے پر آگ لگی ہوئی ہے.... پٹیاں کھولو.... ارے میں مری.... یہ کون ہے کس نے اس کی ہمت کی ہے....!"

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گھنٹوں سے چیختی رہی ہو.... کیونکہ اس کا گلا رندھا ہوا تھا اور آواز نہیں پہچانی جاسکتی تھی۔ شکل اس لئے نہیں پہچانی جاسکتی تھی کہ اس کا سارا چہرہ پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

"خاموش رہو کتیا۔" کرنل وارڈ دہاڑا۔ "میرے ہاتھ میں ٹامی گن ہے! اگر اب ایک لفظ بھی تمہاری زبان سے نکلا تو ایک درجن گولیاں تمہارے جسم میں اتر جائیں گی۔"

عورت خاموش ہوگئی۔ لیکن اس کے جسم کی لرزشیں بتا رہی تھیں کہ وہ کسی بہت بڑی اذیت میں مبتلا ہے۔

نانوتہ کھڑی خونخوار نظروں سے کرنل وارڈ کو گھور رہی تھی۔ دفعتاً اس نے کہا۔ "غدار نمک حرام.... تجھے اس کی سزا ضرور ملے گی۔"

"یہ کون عورت بول رہی ہے۔ یہ کون ہے۔" وہ عورت چیخی جس کے چہرے پر پٹیاں چڑھی ہوئی تھیں۔

"خاموش...." کرنل وارڈ چیخا اور ساتھ ہی دس بارہ گولیاں ٹامی گن سے نکلیں۔ مگر نشانہ وہ عورت نہیں تھی۔ دریچے کے دبیز پردے میں البتہ کئی سوراخ ہو گئے تھے۔

عورت خاموش ہوگئی۔ شاید وہ سہم گئی تھی۔

"تم" کرنل وارڈ نے نانوتہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب لے جاؤ مجھے زیرولینڈ! یہ دولت میں نے اسی لئے پیدا کی تھی کہ اس سے دست بردار ہو جاؤں۔ کیوں؟ جس دولت کے حصول کے لئے میں نے اپنے ملک سے غداری کی تھی اُسے چھوڑ کر زیرولینڈ میں جاؤں جہاں گدھے بستے ہیں۔ جہاں سونے کی کوئی وقعت اس لئے نہیں ہے کہ اس سے چاقو اور چھرے بھی نہیں بنائے جاسکتے.... ہاہاہا.... تم پاگل ہو گئی ہو.... نانوتہ.... سونا اور وقعت.... ہاہاہا.... سونے کے لئے نیند حرام ہو جاتی ہے۔ نانوتہ مگر یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی.... تم پاگل ہو گئی ہو نانوتہ.... اس لئے تمہیں مر جانا چاہئے۔"

نانوتہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "مار ڈال مجھے۔ میں موت سے نہیں ڈرتی۔ لیکن تیرا انجام بھی بڑا دردناک ہوگا.... غدار کتے۔"

اچانک وہ عورت پھر چیخی جس کے چہرے پر پٹیاں چڑھی ہوئی تھیں۔ "یہ کون نا
ہے.... یہ کیا فراڈ ہے.... نانوتہ تو میں ہوں.... میں نانوتہ ہوں.... یہ کوئی مکار عور
ہے.... کرنل وارڈ.... میرے چہرے کی پٹیاں کھولو.... میں گمنامی میں نہیں مرنا چاہتی
کوئی عورت تجھے دھوکا دے رہی ہے۔"

"خاموش رہ رومیلا تو بیمار ہے۔ اس لئے مجھے تجھ پر رحم آتا ہے۔" کرنل وارڈ نے کہا۔

تو یہ رومیلا ہے حمید نے سوچا۔ مگر اس کے چہرے پر پٹیاں کیسی چڑھی ہوئی ہیں.... رو
نانوتہ کی مخصوص خادمہ تھی۔

"میں رومیلا نہیں نانوتہ ہوں.... پٹیاں کھولو.... ارے کیا رومیلا نے کوئی فراڈ کیا ہے
او حرافہ تو میری آواز کی نقل اتار سکتی ہے.... مجھے علم نہیں تھا.... وارڈ پٹیاں کھول دے
.... ارے میرا چہرہ بھنا جارہا ہے۔"

"پٹیاں کھول دو۔" کرنل وارڈ نے اپنے ایک آدمی سے کہا۔

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو متحیرانہ انداز میں ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس
حمید سے ایک بار بھی نظر نہیں ملائی۔

یک بیک ساری عورتیں چیخ پڑیں اور حمید بوکھلا کر مڑا اور پھر اس کے حلق سے بھی چیخ
نکلتے رہ گئی۔ کتنا بھیانک تھا اس عورت کا چہرہ.... ساری پٹیاں کھول دی گئی تھیں ایسا معلوم
تھا جیسے اس کے چہرے کو تیزاب میں غوطہ دے دیا گیا ہو۔

"تم نانوتہ ہو....!" کرنل وارڈ نے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں.... میں نانوتہ ہوں.... اس کتیا نے میرا بھیس بدلا ہے۔ پتہ نہیں کیا ہے اس
دل میں۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتی.... اپنی ٹامی گن میرے سینے میں خالی کردے۔ مگر میں
ہوں.... ارے کیا تو خود نہیں دیکھتا اندھا ہوگیا ہے۔"

کرنل وارڈ نے قہقہہ لگایا اور اپنے ایک آدمی سے بولا۔ "نانوتہ کی خواب گاہ سے آئینہ
وہ چلا گیا۔

"کیوں...." وہ چیخی۔ "تو نے کیا کیا ہے ظالم.... ارے بتاتا کیوں نہیں۔ میرے
میں آگ کیوں لگی ہوئی ہے۔"

"میں کیا جانوں۔" کرنل وارڈ نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن تم نانوتہ ہرگز نہیں ہو یہاں کسی
سے پوچھ لو۔" اتنے میں آئینہ بھی آگیا۔ لیکن جیسے وہ اس کے سامنے لایا گیا اس کے حلق سے ایک
کربہہ سی چیخ نکلی۔ اگر کرنل وارڈ کے ایک آدمی نے اُسے سنبھال نہ لیا ہوتا تو زمین پر چاروں
خانے چت گری ہوتی۔

پھر وہ اس کے بازوؤں میں پڑی ہوئی چیختی رہی۔ "ظالم.... تو نے تیزاب ڈال کر میرا چہرہ
بگاڑ دیا۔ میرا چہرہ بگاڑ دیا کمینے کتے۔"

چیختے چیختے اچانک وہ کسی ننھی سی بچی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ہاہا....!" کرنل وارڈ نے قہقہہ لگایا۔ "یہ وہ رو رہی ہے جو کل تک لاف وگزاف کرتی رہی تھی۔"

"ابے چوپ۔ سالے اُلو کے پٹھے۔" دفعتاً قاسم دہاڑا اور جھومتا ہوا اٹھا شائد اس کی ذہنی رو
بہک گئی تھی۔ اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "سالے تم نے اتنی چھوٹی عورت کا چہرہ بگاڑ دیا اَبے
میں تجھے یہیں ختم کردوں گا۔"

"قاسم.... قاسم....!" حمید اس کا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔

"ٹھینگے پر گئے قاسم واسم.... ہاتھ چھوڑو میرا۔" قاسم اُس کا ہاتھ جھٹک کر آگے بڑھنا ہی
چاہتا تھا کہ ٹامی گن کی دس پانچ گولیاں اس کے شانے پر سے گزر گئیں۔

"ارے باپ رے!" وہ دھپ سے زمین پر بیٹھ گیا اور ذہنی رو پھر اپنے صحیح راستے پر آگئی۔

کرنل وارڈ پھر اس عورت کی طرف مڑ گیا وہ اب بھی اسی طرح بلک بلک کر روئے جارہی تھی....
دفعتاً کرنل وارڈ نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ "اس کے چہرے پر اور تیزاب ڈالو.... ابھی اسے
اندھی بھی تو ہونا ہے۔"

"نانوتہ.... ہاں تم نانوتہ ہی ہو۔ دیکھ لیا تم نے کرنل وارڈ کا انتقام.... یہ نانوتہ ہے۔ ہاہاہا....
اور تیزاب لاؤ.... جلدی کرو۔"

ایک آدمی پھر دوڑا گیا لیکن اس نے واپسی میں دیر نہیں لگائی اس کے ہاتھ میں بوتل تھی
اور دوسرے میں روئی۔

"نہیں نہیں! مجھے اندھی نہ بنا بلکہ مار ڈال.... میں تجھ سے استدعا کرتی ہوں۔ کرنل وارڈ
مجھے مار ڈال۔"

"گرادو زمین پر" کرنل وارڈ گرجا۔ "اس کا چہرہ اور بھیانک بناؤ.... اسے اندھی ہو
چاہئے۔" اُسے زمین پر گرا کر بے بس کر دیا گیا۔ لیکن وہ اب بھی چیخ رہی تھی رو رہی تھی آنکھ
بھینچ لی تھیں اس کے چہرے پر مزید تیزاب لگایا جانے لگا۔ تیزاب ڈال کر اُسے روئی سے چا
طرف پھیلایا جا رہا تھا۔

"حمید بھائی.... یہ ظلم ہے۔" قاسم آہستہ سے بولا۔

"خاموش بیٹھو بیٹا.... مجھے مانس گزرہ آرہی ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"ابے.... چوپ....!" حمید نے اسی کے لہجے میں کہا۔

اتنے میں کرنل وارڈ نے اپنے ایک آدمی کو ٹامی گن دیتے ہوئے کہا۔ "انہیں کور کئے رکھو
میں ابھی آرہا ہوں۔ پھر وہ باہر چلا گیا۔"

حمید اس عورت کو صاف دیکھ سکتا تھا جس کے چہرے پر مزید تیزاب لگایا جا رہا تھا۔ گر
کیا؟ وہ اچھل پڑا.... اور پنجوں کے بل اوپر اٹھ کر دیکھنے لگا۔ وہ برابر چیخے جا رہی تھی اس
آنکھیں بھنچی ہوئی تھیں۔ مگر چہرہ تو صاف ہوتا جا رہا تھا۔ سرخ و سفید جلد ظاہر ہوتی جا رہی تھ
ذرا ہی سی دیر میں چہرہ صاف ہو گیا۔ یہ سو فیصدی نانوتہ ہی تھی۔ اس کی رنگت تو اب پہلے سے
زیادہ نکھر آئی تھی۔ مگر وہ چیختی ہی رہی تھی اور پہلے ہی کی طرح زمین پر پیر پٹختی رہی آنکھیں
بھی بھنچی ہوئی تھیں۔

"ابے.... حمید بھائی۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ کیا دو دو نانوتہ.... ارے با
رے بھوت۔" وہ حلق پھاڑ کر چیخا تھا۔

نانوتہ کھڑی کر دی گئی تھی اور اس سے آنکھیں کھولنے کو کہا جا رہا تھا۔

دفعتاً قاسم نے پھر بھوت کا نعرہ لگایا کیونکہ ایک کرنل فریدی تو پا بجولاں کھڑا ہوا تھا اور د
دریچے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس بار تو سبھی چیخے تھے اور نانوتہ نے بوکھلا کر آنکھیں کھول
تھیں۔ کرنل فریدی اس کے قریب کھڑا مسکرا رہا تھا۔ لیکن اس کے جسم پر وہی لباس تھا جو
وارڈ پہنے ہوئے تھا۔ حمید بھی اٹھ کر آہستہ آہستہ ان کے قریب آگیا۔

"نانوتہ.... اب کیا خیال ہے.... تم کتنی عظیم ہو۔" حمید نے طنزیہ لہجہ میں پوچھا۔

"میں شاید پاگل ہو جاؤں گی۔" نانوتہ آہستہ سے بڑبڑائی۔ پھر یک بیک چونک کر بولی۔ "تم نے میرا چہرہ کیوں بگاڑ دیا۔ میں تمہیں اتنا درندہ نہیں سمجھتی تھی۔ یہ بتاؤ کیا میں تم لوگوں کو قتل نہیں کر سکتی تھی۔ تم ہزار بار میری زد پر آئے تھے۔"

"یہ اسی کا جواب ہے نانوتہ....!" فریدی نے مسکرا کر نرم لہجے میں کہا۔

"یہ اس کا جواب ہے کہ تم نے میرا چہرہ بگاڑ دیا۔" وہ چیخ کر بولی۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم اندھی نہیں ہو سکیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مگر نہیں تم پھر آئینہ دیکھو کہ اندھی ہوا یا نہیں۔"

جیسے ہی آئینہ اس کے سامنے لایا گیا ایک بار پھر اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ آنکھیں پھیل گئیں اور منہ حیرت سے کھل گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے سکتہ ہو گیا ہو۔

پھر یک بیک اس نے ہنسنا شروع کر دیا۔ دیوانوں کی طرح ہنستی رہی۔ ہسٹریائی انداز میں قہقہے لگاتی رہی۔

"ختم کرو۔" فریدی اس کا شانہ دباتا ہوا بولا اور وہ چونک کر خاموش ہو گئی۔ چند لمحے فریدی کی طرف دیکھتی رہی پھر مضمحل سی آواز میں بولی۔ "یہ سب کیا تھا۔"

"کل شام والی لاف و گزاف کا جواب۔" فریدی مسکرایا۔ "تمہیں اس پر ناز ہے کہ سارا یورپ تمہارے نام سے تھراتا ہے۔ تمہارے اور تھریسیا کے نام پر یورپ کے ملکوں میں زلزلہ آجاتا ہے۔ لیکن میں اگر چاہوں تو تمہیں رلا دوں تم ننھی ننھی بچیوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتی رہو اور اسی وقت چاہوں تو تم احمقوں کی طرح ہنسنا شروع کر دو.... کہو تو اب تمہیں کچھ دیر کے لئے پاگل ہی بنا دوں اور تم دوڑ دوڑ کر لوگوں کو کاٹتی بھنبھوڑتی پھرو۔ وہ حصار کہاں گیا جو تم نے پچھلی رات اپنی مسہری کے گرد قائم کیا تھا۔ وہ ڈیڑھ ہزار آدمی کہاں گئے جن سے تم کام لیتی تھیں۔ میں نے انہیں باہر نکال دیا تھا۔ تم تو اس وقت بیہوش پڑی تھیں اور دیکھو میں نے یہ سب کچھ خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر کیا ہے۔ تمہاری گردن پر تو ہمارے تین فوجیوں اور خود اپنے ایک آدمی کا خون ہے میں اس وقت بھی چاہوں تو تمہارا گلا گھونٹ کر تمہیں ختم کر سکتا ہوں.... بولو.... خاموش کیوں ہو۔"

"وہ کون ہے.... اور یہ....!" اس نے نقلی فریدی اور نقلی نانوتہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر پوچھا۔

"دونوں میرے ماتحت ہیں۔"

"میک اپ کرنے میں تمہیں کمال حاصل ہے۔ میرے چہرے کی مٹی کیسے پلید کی تھی۔"

"وہ بھی میک اپ ہی تھا۔ ایک ایسا سیال تمہارے چہرے پر لگایا تھا کہ جلن ہوتی رہے۔"

"اور تم نے یہ نفسیاتی طریقے اختیار کر کے مجھے رلایا بھی اور ہنسایا بھی۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "واقعی تم عظیم ہو تمہارے آگے سر جھکاتی ہوں مگر تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گی۔"

"مانگو بھی تو یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ مجھے تو تمہیں قانون ہی کے حوالے کرنا پڑے گا۔ وہ اس پر کچھ بھی نہ بولی۔ بلکہ اس کے انداز سے تو یہ ظاہر ہو رہا تھا جیسے اپنی گرفتاری پر ذرہ برابر بھی تردد نہ ہو!.... چند لمحے ٹھہرا کر اس نے پوچھا۔ "کیا سچ مچ کرنل وارڈ نے غداری کی ہے۔"

"اس غریب نے اس غار کی شکل ہی کہاں دیکھی ہے۔ میں نے تو اُس رات تم لوگوں کو ڈوج دیا تھا۔ میرا ایک ماتحت میرے میک اپ میں ٹیکم گڈھ چلا گیا اور میں یہاں کرنل وارڈ کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ پھر وہ مجھے مل ہی گیا۔ لیکن تہہ خانوں کا راستہ اس گدھے کو بھی نہیں معلوم تھا وہ اس وقت سے اب تک میری قید میں ہے لیکن اس سے میں نے یہ ضرور معلوم کر لیا تھا کہ زیبا بھی اس کی کار پرداز ہے اور اس کا کام ہے نوجوانوں کو پھانس کر اس کے پاس لانا۔ تم سے اس رات یہ حماقت ہوئی کہ تم نے زیبا کو قاسم کے لئے پیغام بھیجا کہ وہ اسے خیمے کی پشت پر لائے۔ تم سے یہ حماقت محض اس لئے سرزد ہوئی تھی کہ تمہیں میرے یہاں سے چلے جانے کی اطلاع مل چکی تھی۔ چونکہ اس دن راکٹ اور جہاز کا معرکہ ہو چکا تھا اس لئے بھی تم مطمئن تھیں کہ کوئی اُدھر آنے کی ہمت نہ کر سکے گا۔ بہر حال زیبا پر میں نے گہری نظر رکھی تھی۔ اُدھر وہ اُسے بتائے ہوئے مقام پر چھوڑ گئی اور ادھر میں الرٹ ہو گیا۔ وہاں سے تمہارا خاص آدمی اُسے اس غار کے دہانے پر لے گیا تھا جس سے تہہ خانوں کا راستہ شروع ہوتا ہے۔ میں نے راستہ پیدا کرنے کا طریقہ دیکھ لیا تھا اور یہ سب کچھ تمہارے آدمیوں کی غفلت کا نتیجہ تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ مجھے تنہا ہی اندر جانا چاہئے۔ کیوں خواہ مخواہ دوسری جانیں ضائع کراؤں۔ بس پھر یہی تدبیر سمجھ میں آئی کہ کرنل وارڈ کا سہارا لیا جائے ویسے یہ تو مجھے معلوم ہی تھا کہ تہہ خانوں تک اس کی رسائی نہیں ہوئی یہاں آیا تو تم نے اس پر غصے اور حیرت کا اظہار کیا اس سے پہلے تمہارے پہرے دار گولی تک مار دینے پر تیار تھے۔ لیکن میں نے تمہاری دہائی دے کر انہیں اپنا نام بتایا تھا اور کہا تھا کہ

تم نے ٹرانسمیٹر کے ذریعہ مجھے تہہ خانوں میں طلب کیا ہے۔ تب وہ مجھے کھینچتے ہوئے یہاں لائے تھے۔ میں نے یہاں رہ کر اچھی طرح سے جائزہ لیا۔ تمہارے یہی دس آدمی مزاحمت کر سکتے تھے وہ ڈیڑھ ہزار مزدور تو موم کی ناک تھے، جو یہاں کی قید سے بُری طرح اکتا گئے تھے۔ پچھلی ہی رات میں نے انہیں یہاں سے نکالا تھا اور باہر سے اپنے پانچ آدمی بلائے تھے۔ یہ لڑکی جسے تم نانوتہ کی شکل میں دیکھ رہی ہو اور یہ چاروں مگر اب اتنا تو بتا ہی دو کہ تم نے ان تین خالی کنوؤں سے کیا نکالا ہے۔ غالباً یہی کام تم یہاں کر رہی تھیں اور اب اس کا اختتام ہو چکا ہے۔"

"قطعی طور پر اختتام....!" وہ مسکرا کر بولی۔ "اب اس علاقے میں ایک بوند بھی نہیں ملے گی۔ وہ ایک نایاب ترین ایندھن ہے کرنل فریدی جسے ہم لمبی پرواز میں استعمال کریں گے یہ بھی زیرولینڈ ہی کی دریافت ہے۔ یہ پٹرولیم سے کئی ہزار گنا ہلکا اور سریع الاثر ہوتا ہے۔ لمبی پرواز سے کہیں تم یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ ہم اسے بین براعظمی راکٹوں میں استعمال کریں گے۔ نہیں.... یہ سیاروں کے سفر کے لئے بہت موزوں ہو گا۔ ہم بہت جلد چاند میں اپنا پرچم نصب کریں گے۔"

"میرے بکرے کو بھی ساتھ لیتی جانا۔" حمید نے کہا۔ "تاکہ وہ واپسی پر چاند کا سفر نامہ باتصویر معہ پرائیویٹ حالات کھول کھول کر لکھ سکے۔"

نانوتہ ہنس کر پھر کرنل کی طرف متوجہ ہو گئی اور کرنل نے کہا۔ "تو وہ تمہارا راکٹ ایندھن ہی لے کر اڑا کرتا ہے۔"

"ہاں.... اب وہ واپس نہیں آئے گا کیونکہ آخری کھیپ جا چکی ہے۔"

"مگر اس کی واپسی کبھی کسی نے نہیں دیکھی۔"

"واپسی ادھر سے نہیں ہوتی۔ واپسی پر وہ یہاں سے دس میل کے فاصلے پر ایک سرنگ میں داخل ہو کر ایندھن کے کنوؤں تک پہنچتا تھا..... واپسی پر اس سے جو گیس خارج ہوتی ہے دیکھی نہیں جا سکتی۔ روانگی کے وقت ایک مجبوری کی بناء پر وہ گیس نظر آنے لگتی تھی۔ ورنہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ دراصل اُسے باہر نکلنے کے لئے راستہ بنانا پڑتا تھا۔ اس لئے اس کے آگے اور پیچھے ایک ایسا آلہ لگایا گیا تھا جس سے حرارت پیدا ہو کر پتھر کو پگھلا دے وہ باہر نکل کر اتنی دیر تک فضا میں معلق رہتا تھا جب تک کہ نچلے آلے سے خارج ہونے والی حرارت اس خلاء کو پُر نہیں کر دیتی تھی۔ آس پاس کے پتھر پگھل کر اُسی خلاء میں سما جاتے تھے تم لوگ جس حرارت سے

پریشان ہو کر میلوں دوڑتے چلے گئے تھے وہی پتھر کو پگھلا دینے والی حرارت تھی۔ نچلے حصے میں حرارت کا آلہ اُس نلکے سے ملحق ہوتا ہے جس سے گیس خارج ہوتی ہے۔ نتیجے کے طور پر وہ نلکا بھی گرم ہو جاتا ہے اور اسی حرارت کی وجہ سے اُس سے خارج ہونے والی گیس چمکیلا پن اختیار کر لیتی ہے، جب تک یہ نلکا گرم رہتا ہے یہی کیفیت برقرار رہتی ہے جہاں ٹھنڈا ہوا گیس کی چمک غائب ہو گئی.... بہرحال یہ ایک مجبوری ہی تھی جس کی بناء پر لوگ اس کے وجود سے واقف ہو سکے ورنہ تم تک بات ہی نہ پہنچتی۔ خیر اگر پہنچتی بھی تو میرا دعویٰ ہے کہ تم بھٹکتے ہی رہ جاتے۔ ستم تو جیلانی کی تصویر ہو گئی تھی وہ تصویر نمائش میں رکھی گئی اور مجھ سے حماقتیں سرزد ہونے لگیں، نہ کرنل وارڈ اس میں بہت زیادہ دلچسپی لیتا اور نہ تم اس کے پیچھے لگتے۔ اوہ.... اب تم یہ بتاؤ کہ تم نے میرا حصار کیسے توڑا تھا۔"

"پانی سے....!" فریدی مسکرایا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا.... تم کیا جانو....!" نانوتہ بوکھلا کر بولی۔

"مشاہدہ....! جب بھی تم حصار میں نظر آئی ہو میں نے تمہارے شانے سے ایک کیمرہ لٹکتا دیکھا ہے اور ہاتھ میں یا حصار کے اندر ہی کہیں شراب کی بوتل بھی دیکھی ہے لیکن کیا اس میں شراب ہوتی تھی....؟ پھر جب خواب گاہ کی مسہری کے گرد حصار نظر آیا تو وہاں بھی پانی موجود تھا اور بڑے اہتمام کے ساتھ حصار کے اندر ہی رکھا گیا تھا۔ پچھلی رات میں نے کافی غور و فکر کے بعد تھوڑا سا پانی حصار کی طرف ڈھلکایا تھا۔ تم بے خبر سو رہی تھیں۔"

"ہائے یہ سوتے میں کیسی لگتی ہو گی حمید بھائی۔" قاسم آہستہ سے بڑبڑایا۔

"چپ رہو....!" حمید اُسے جھڑک کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فریدی کہہ رہا تھا۔ "ہاں تو میں نے پانی ڈھلکایا مقدار کم ہی تھی۔ بہرحال تجربہ تسلی بخش ثابت ہوا جتنی جگہ سے پانی کی لکیر گزری تھی اتنی جگہ میں حصار کی چمکدار لکیر کٹ گئی، اتنی کٹی ہوئی جگہ میں میں نے پتلی سی چھڑی ڈال دی! جو پڑی رہی.... بس اس کے بعد ہی دو گیلن پانی نے پورے حصار کا صفایا کر دیا تھا اور تم میرے قبضے میں تھیں۔ تمہیں گہری قسم کی بیہوشی کی دوا دی تھی جس کے زیرِ اثر تم آج صبح تک رہیں۔ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے تم وہ حصار بناتی کس طرح ہو! وہ کیمرہ بھی اب میرے قبضے میں ہے اس میں وہی گیس بھری ہوئی ہے اور اس کے نوزل سے جو بادی النظر میں نہیں معلوم

ہوتا ہے گیس کی باریک سی لکیر نکل کر وہی شکل اختیار کر لیتی ہے جس کے لئے تم ہاتھ کو حرکت دو۔"

"وہ میری طرف سے تحفے کے طور پر رکھو۔" نانوتہ مسکرائی۔ "میں تمہیں کبھی نہیں بھلا سکتی عرصہ سے خواہش تھی کہ تمہیں قریب سے دیکھوں۔ بہت شاندار ہو کرنل.... عظیم.... لیکن اسے لکھ لو کہ میں ہی ایک نہ ایک دن تمہیں زیرولینڈ لے جاؤں گی۔"

"جیلانی کہاں ہے....!" حمید نے پوچھا۔ "میں نے کئی دنوں سے اُسے دیکھا نہیں۔"

"بیٹھو! تم سب بیٹھ جاؤ۔ میں تھکن محسوس کر رہی ہوں۔ کچھ دیر اور تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں کرنل میری یہ خواہش بھی پوری کر دو۔"

"کوئی چال....!" حمید مسکرایا۔

"میں نانوتہ ہوں...." وہ غصیلی آواز میں بولی۔ "کرنل کے سامنے سر جھکا چکی ہوں لہٰذا اس کی موجودگی میں میرا سر نیچا ہی رہے گا۔ ذرا یہ صرف دس منٹ کے لئے یہاں سے ہٹ کر دیکھیں کیا ہوتا ہے۔"

"میں نے پوچھا جیلانی کہاں ہے۔" حمید نے اُسے پھر ٹوکا۔

"جیلانی کو دارالحکومت واپس بھجوا دیا۔ اس کی ذہنی حالت خراب ہو رہی تھی۔ اُسے تو میں نے صرف اس لئے دیکھنا چاہا تھا کہ شاید میں اُسے پہچان سکوں۔ لیکن میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہے۔ میں نے اُسے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ اس نے مجھے کہاں دیکھا تھا۔ لیکن وہ بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکا تھا۔ اس تصویر کا مسئلہ میرے لئے ہمیشہ الجھن کا باعث بنا رہے گا۔"

"تم دھوئیں کے مجسمے کی شکل میں درشن دیتی تھیں۔ وہ کیا بلا تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"ہمارا ٹیلی ویژن جو ابھی تجرباتی دور میں ہے اس کے لئے کسی ریسیونگ سیٹ کی ضرورت نہیں ہم جہاں چاہیں مناظر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے صرف ایک ہی سال میں ہم اس قابل ہو جائیں کہ تم میرا مجسمہ اپنے گھر میں دیکھ سکو۔"

"میرے گھر میں بھی.... جرور.... جرور.... اچھا۔" قاسم جلدی سے بولا۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھ گئے۔ پورا قافلہ اس تنگ سے درے سے گزرنے لگا جس کا اختتام اس پتھریلے میدان میں ہوا۔ جہاں ایک رات فریدی اور اس کے ساتھیوں نے جہنم کی آنچ محسوس کی تھی۔ اس درے

میں داخل ہونے سے پہلے وہ ایک ایسے سوراخ سے گزرے تھے جس کا قطر تقریباً پانچ فٹ ہو
جسے بند کرنے کے لئے ایک بہت بڑی سل میکنزم پر حرکت کرتی تھی۔ روانگی سے قبل
فریدی اور نقلی نانوتہ کو آزاد کر دیا گیا اور اب وہ دونوں ان شکلوں میں بھی نہیں تھے۔ چہرے
کے لئے بالکل نئے تھے۔ اس لئے وہ اس کے علاوہ اور کیا سمجھ سکتا تھا کہ وہ بلیک فورس ہی کے
ہوں گے۔ نانوتہ کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے.... جیسے ہی وہ سب درے سے باہر آ
نانوتہ نے فریدی سے کہا۔ "اب تم سب جتنی تیزی سے دوڑ سکتے ہو دوڑو.... اگر ہم پندرہ
کے اندر اندر اس سبز نشان تک نہ پہنچے تو ہماری ہڈیوں کا بھی پتہ نہ چلے گا۔"

"کیوں....؟"

"میں اپنے ملک سے غداری نہیں کر سکتی۔ جب ہم اس سوراخ سے گزر رہے تھے میں
اپنے بائیں شانے سے ایک سوئچ آن کر دیا تھا جو سوراخ کے سرے ہی پر لگا ہوا ہے۔ پچیس من
بعد خود بخود اس سوئچ بورڈ سے ایک تحریک ہوگی جو خاص خاص مقامات کے ڈائنامائٹس تک پ
گی اور وہ سب بیک وقت پھٹ جائیں گے۔ دوڑو میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں دس گیارہ من
گزر چکے ہیں وہ سبز نشان میں نے بنایا تھا تاکہ اس قسم کے مواقع پر سب کچھ تباہ کر دوں اور ہمار
آلات غیروں کے ہاتھ نہ آسکیں۔ وہاں سب کچھ ہے کرنل اور یہ بھی سن لو کہ تم اس سو
تلاش نہیں کر سکو گے۔ اگر خود کشی کرنا چاہتے ہو تو ضرور واپس جاؤ.... نانوتہ نے بے تحاشہ
دوڑنا شروع کر دیا۔

پھر سب ہی بھڑک کر بھاگے! مگر فریدی تو بیچارے قاسم کو دیکھ رہا تھا جس کے فرشتے ب
نہیں دوڑ سکتے تھے۔

"ارے.... ارے.... میں.... ارے ارے.... میں" وہ چیختا ہوا دوڑنے کی کوشش کر رہا تھا
دفعتاً فریدی اس کی طرف جھپٹا اور اسے اتنی پھرتی سے اپنی کمر پر لاد لیا کہ خود قاسم نے
بوکھلا کر اوٹ پٹانگ بکواس شروع کر دی۔ "ارے.... ارے.... واہ.... کیا مذاق ہے.... ار
گرو گے کون ہو تم.... کون ہو تم...."

قاسم کو کمر پر کوئی دیو ہی لاد سکتا تھا.... اور پھر لاد کر دوڑنا.... خدا کی پناہ.... مگر ایسا معل
ہو رہا تھا جیسے کوئی چیتا کسی بکرے کو پشت پر لاد کر بھاگا ہو۔

ذرا ہی سی دیر میں فریدی ان دوڑنے والوں کے برابر پہنچ گیا جو اس سے بہت پہلے دوڑے
تھے۔ قاسم برابر چیخے جا رہا تھا۔ "ارے تم کون ہو.... ارے گروں گا تو ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں
گے.... ارے بچاؤ.... بچاؤ....!"

حمید نے دیکھا تو بے تحاشہ ہنس پڑا.... فریدی اب سب سے آگے جا رہا تھا اس کی رفتار میں
ابھی تک فرق نہیں آیا تھا۔

کسی نہ کسی طرح وہ سبز نشان تک پہنچ گئے۔ یہ ایک بڑی سی چٹان تھی جسے سبز رنگ دیا گیا تھا۔

"کرنل تم واقعی آسیب ہو۔" نانوتہ ہانپتی ہوئی بولی۔ کبھی وہ زمین پر پڑے ہوئے قاسم کو
دیکھتی تھی اور کبھی فریدی کی طرف جو بڑے بے تعلقانہ انداز میں کھڑا درے کی جانب دیکھ رہا تھا۔
نہ تو اس کے نتھنے پھول پچک رہے تھے اور نہ سینہ ہی لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

نانوتہ آگے بڑھی اور اس کے بائیں شانے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ حمید بڑی تیزی سے اپنی
کھوپڑی سہلا رہا تھا۔

"ارے باپ رے...." قاسم بڑبڑایا اور منہ پھیر کر دانت نکال دیئے۔

دفعتاً اُسی وقت ایک زور دار گڑگڑاہٹ سنائی دی اور درے کے بعد کا حصہ دھوئیں اور غبار
میں چھپ گیا۔ بڑے بڑے پتھر کافی بلندی تک اڑتے چلے گئے تھے۔

❁

تیسرے دن وہ دارالحکومت میں تھے۔ نانوتہ کو جیل بھیج دیا گیا تھا۔ اس کے سارے ساتھی
بھی تھے۔ زیبا اور کرنل وارڈ بھی سلاخوں کے پیچھے ہی تھے۔

اخبارات نے نت نئی کہانیاں چھاپی تھیں۔ ہر طرف نانوتہ اور فریدی کے چرچے تھے۔
جیلانی بھی موضوع بحث بنا ہوا تھا۔ لیکن جیلانی تھا کہاں؟

فریدی اور حمید بیگم تنویر کے گھر پہنچے۔ وہ گھر ہی پر موجود ملیں۔

"جیلانی تین دن سے ہسپتال میں بیہوش پڑا ہوا ہے۔ کبھی ذرا سی دیر کے لئے ہوش آتا ہے۔
لیکن کسی کو پہچانتا نہیں۔ اس نے صوفیہ کو بھی نہیں پہچانا۔ چار دن پہلے کی بات ہے کہ صبح کو
اچانک بیرونی برآمدے میں پڑا ہوا ملا۔ وہ بیہوش تھا۔ کچھ لوگ اسے ایک رات اس کے کمرے سے
اٹھا کر لے گئے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور وہ پاگل لڑکی رو رو کر جان دیئے دیتی ہے۔ تصویر کی

آسیبی کہانی بُری طرح مشہور ہوئی ہے۔ کئی ماہرین نفسیات اس کے لئے چکر لگاتے رہے تھے۔ اب ایک صاحب وہاں ہسپتال میں اس کے سر پر مسلط ہیں۔"

یہ دونوں بیگم تنویر کے ساتھ ہسپتال پہنچے اور ویٹنگ روم میں بیٹھ کر صوفیہ کو اطلاع بھجوائی۔ صرف صوفیہ کو مریض کے ساتھ رہنے کی اجازت ملی تھی۔ ملاقاتیوں کو جانے سے روکا جاتا تھا۔

دفعتاً صوفیہ دوڑتی ہوئی آئی۔ وہ خوش نظر آرہی تھی۔ "اوہ آنٹی.... وہ آج پہلی بار بولے ہیں.... پروفیسر تاج نے کہا تھا کہ ہوش میں آنے کے بعد جو کچھ بھی ان کی زبان سے نکلے نوٹ کرلینا۔ میں نے.... لکھ تو لیا ہے.... لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے۔"

"لائیے.... دیکھوں۔" فریدی نے ہاتھ بڑھایا.... اس نے کاغذ کا ٹکڑا اُسے دے دیا۔ حمید بھی دیکھنے کے لئے جھکا۔ اس پر تحریر تھا۔

"چنڈوبے یوک نے وَلے.... پَیسے پَیسے کے دَومُوبا۔"

فریدی تھوڑی دیر تک اُسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "یہ تو برمی زبان کے الفاظ ہیں.... دو الگ الگ جملے دونوں کا محل استعمال مختلف ہے۔ پہلے کا مطلب ہے میں کہاں ہوں.... اور دوسرے کا مطلب.... بھاگو بھاگو بچاؤ۔"

صوفیہ بے اعتباری سے فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔ فریدی نے پوچھا۔ "کیفیت کیا ہے۔"

"بس اتنا ہی بول کر خاموش ہوگئے ہیں اور پھٹی پھٹی سی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہے ہیں۔ اچھا میں اب جارہی ہوں.... کہیں وہ پریشان نہ ہوں۔"

وہ چلی گئی اور بیگم تنویر بُرا سا منہ بنائے اُسے جاتے دیکھتی رہیں۔

"یہ لڑکیاں؟" انہوں نے ٹھنڈی سانس لی۔ "پاگل ہوتی ہیں پاگل.... پہلے یہ اس سے متنفر تھی.... دونوں میں روزانہ جھگڑا ہوتا تھا۔ پھر جب اُسے کچھ لوگ اٹھالے گئے تو پاگل ہوگئی۔ رو رو کر آنکھیں سجالیں اور اب رات دن ایک کررہی ہے، دیوانی....!"

"آپ بہتر سمجھ سکتی ہیں۔" فریدی مسکرایا اور حمید ایک دلدوز آہ بھر کر اٹھ گیا تھا۔

❁

تین دن تک وہ اس کیس کے نشیب و فراز میں الجھے رہے۔ حمید صبح سے کرنل وارڈ کے

متعلق مزید چھان بین کر رہا تھا اور فریدی کہیں اور تھا۔ شام کو جب دونوں ملے تو حمید کے لئے دو حیرت انگیز چیزیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ نانوتہ مرگئی اور اس کی لاش مردہ خانے سے غائب ہوگئی اور دوسری یہ کہ جیلانی برمی اور انگریزی کے علاوہ اور کوئی زبان نہیں بول سکتا۔ اس نے بیگم تنویر اور صوفیہ کو بھی پہچاننے سے انکار کردیا ہے۔ اب صوفیہ کو غش پر غش آرہے ہیں اور بیگم تنویر پچھاڑیں کھارہی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ جیلانی کو اپنا بیٹا سمجھتی تھیں.... جیلانی سے جب یہ کہا گیا کہ وہ ایک بہت بڑا مصور ہے تو وہ دیر تک ہنستا رہا کہنے لگا کہ شاید میں ایک سیدھی لکیر بھی نہ کھینچ سکوں آپ مجھے مصور کہتے ہیں اور جب اُسے اس کی بنائی ہوئی تصویر چرواہی دکھائی گئی تو بیساختہ چیخ اٹھا۔ ارے یہ تو نانوتہ ہے.... وہ اکثر فوجیوں کے کیمپ میں ننگی ہو کر ناچتی تھی اور پھر وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر بعد بتایا کہ وہ ان دنوں کی بات ہے جب جاپان برما پر بم باری کر رہا تھا۔ جیلانی جواب نام نوما بتاتا ہے ایک بڑے فوجی افسر کا ملازم تھا۔ نانوتہ اس رات فوجی افسروں کی ایک محفل میں نیم عریاں حالت میں رقص کررہی تھی۔ اس کا بیان ہے کہ وہ اس وقت بہت اچھی لگ رہی تھی۔ دفعتاً وہ ناچتے ناچتے ایک گوشے میں پہنچی اور وہاں سے اُن افسروں پر ٹامی گن سے فائرنگ کرنے لگی۔ جیلانی نکل بھاگا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ آٹھ دس آفیسر تو اس کے سامنے ہی ڈھیر ہوگئے تھے۔ باہر نکلا تو اوپر جاپانی طیارے گرج رہے تھے۔ انہوں نے بمباری شروع کردی۔ اس کے بعد کے حالات اسے یاد نہیں اور اب جیلانی کو بڑی حیرت ہے کہ وہ اتنا بڑا کیسے ہوگیا۔ مونچھیں ڈاڑھی کیسے نکل آئیں.... کیا وہ سولہ سال کی عمر سے اب تک سوتا رہا ہے۔

"تو وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"مکمل طور پر.... اُسے وہ زمانہ قطعی یاد نہیں ہے جب سر دانش نے اُسے فٹ پاتھ سے اٹھا کر آسمان پر پہنچایا۔ حد یہ ہے وہ کہتا ہے کہ اس بم باری والی رات کے بعد سے اس نے پھر کسی نانوتہ کو نہیں دیکھا۔"

"حالانکہ ابھی حال ہی میں عیش کرتا رہا ہے۔" حمید ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔

"جب اس سے کہا گیا کہ نانوتہ کی تصویر اس نے بنائی تھی تو وہ بگڑ گیا ہے۔ کہنے لگا کہ آپ لوگ ایک ایسے آدمی کا مضحکہ کیوں اڑاتے ہیں جس کا دنیا میں کوئی نہ ہو۔"

"کہیں اُلو تو نہیں بنا رہا۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ اسی موقع پر یادداشت بھی واپس آگئی۔"

"ایسے ہی مواقع تو ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے تو نانوتہ کی تصویر لاشعور سے شعور میں آئی تھی۔ یہ واقعہ بھی اسی طرح پیش آیا ہوگا وہ پچھلے تجربات جن کا تعلق نانوتہ سے ہوگا یاد کھو بیٹھنے کے بعد کی کسی سچویشن سے اچانک آ ٹکرائے ہوں اور صرف نانوتہ اس کے شعور میں پھسل آئی ہو۔ لیکن پوری سچویشن یاد نہ آئی ہو۔ پھر جیتی جاگتی نانوتہ سامنے آئی۔ اس کی موجودگی میں بہتیرے پچھلے تجربات لاشعور میں کلبلا کلبلا کر رہ گئے ہوں گے۔ اس نے ان ادھوری جھلکیوں کو مربوط کرنا چاہا ہوگا.... لیکن کامیابی نہ ہونے پر بیہوشی کے دورے پڑنے لگے ہوں گے۔ پھر نانوتہ نے اُسے گھر بھجوا دیا ہوگا۔ دوسری چیز شراب بھی تو تھی۔ تم نے ہی بتایا تھا۔ سوچو کتنی اذیت ناک ہوگی واپس آتی ہوئی یادداشت کی ادھوری غیر مربوط اور ہیجان انگیز جھلکیاں جنہیں وہ کوئی معنی نہیں پہنا سکتا تھا۔"

"ہوگا...." حمید کان جھاڑ کر بولا۔ "آخر ہم کب تک اپنی یادداشت کھو بیٹھنے کے قابل ہو سکیں گے۔ آئے دن تو بھانت بھانت کے حادثات سے دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ یہی ہو جائے کچھ دنوں تک موج میں سارنگی بجاتے پھریں.... اور آئی جی صاحب سے کہیں معاف کیجئے گا۔ ہم نے آپ کو پہچانا نہیں.... خیر سارنگی پر والدین کا خیال سنئے۔ طبلے پر فریدی صاحب سنگت کر رہے ہیں۔ آہم یہ تو آپ نے ابھی تک بتایا ہی نہیں کہ انگوٹھی کا کیا قصہ تھا۔"

فریدی نے آصف والا واقعہ دہراتے ہوئے کہا۔ دراصل وہ انگوٹھیاں نانوتہ کے لئے آدمی مہیا کرنے کا باعث بنتی تھیں۔ اچھے پڑھے لکھے اور تندرست نوجوان کو راہ چلتے پڑی ہوئی ملتیں۔ انہیں اٹھا کر انگلیوں میں ڈال لیتے اور پھر انہیں گیت سنائی دیتے وہ اسے آسیبی عمل سمجھ کر پریشان ہوتے لیکن انگوٹھی کی طرف دھیان نہ جاتا۔ پھر کرنل وارڈ کے ایجنٹ انہیں کرنل وارڈ جیسے روحانیات تک پہنچا دیتے اور پھر انہیں نانوتہ کا دھوئیں والا مجسمہ دکھایا جاتا اور وہ اس کے عشق میں پاگل ہو کر خود ہی وادی میں اتر جاتے تھے۔ وہ ان سے کہتی تھی وادی کا جیک میں آؤ.... میں وہیں ملوں گی.... اس طرح اس نے ڈیڑھ ہزار تندرست مزدور مہیا کئے تھے اور ان سے کام لے رہی تھی۔ بہر حال اسے جو کچھ یہاں سے لے جانا تھا وہ تو پہلے ہی زیرولینڈ پہنچ چکی تھی اب وہ بھی نکل گئی۔"

"آپ تو کہہ رہے تھے کہ مر گئی۔"

"ہاں مر ہی گئی مگر مجھے اس کی اطلاع نہ دی گئی۔ پوسٹ مارٹم کے لئے لاش ہسپتال میں پہنچا دی گئی اور وہ مردہ خانے سے صاف نکل گئی۔"

"صاف نہیں نکل گئی لاش نکل گئی۔ آپ کے سننے میں فرق آیا ہے۔" حمید جھلا گیا۔

"تھریسیا اور نانوتہ دونوں ہی حبس دم کے ماہر ہیں۔ اسی طرح تھریسیا بھی ایک بار عمران کو ڈاج دے کر نکل گئی تھی۔ وہی حربہ نانوتہ نے یہاں آزمایا۔ پہلے مجھے خیال نہیں آیا تھا ورنہ حکام کو اس خطرے سے بھی آگاہ کر دیتا۔"

"اب پہنچے آپ زیرولینڈ! ہاہا....!" حمید نے منہ پر ہاتھ رکھ کر قہقہہ لگایا۔

"میں نے تو پکڑ کر ان کے حوالے کر دیا تھا۔ میری ذمہ داری ختم۔" فریدی کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

"اب کیا ارادہ ہے حکام کو آگاہ کیجئے گا۔"

"اس سلسلے میں آپ کی زبان بند رہنی چاہئے۔ حمید صاحب میں چاہتا ہوں یہی مشہور ہو کہ لاش غائب ہو گئی۔"

دوسرے دن حمید، بیگم تنویر کے یہاں جا پہنچا وہ موجود نہیں تھیں صوفیہ نے نشست کے کمرے میں اس کا خیر مقدم کیا۔ وہ ننگے پیر تھی اور پنجوں کے بل آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر حمید کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

"وہ برابر کے کمرے میں آرام کر رہے ہیں۔" اس نے لجاجت سے کہا تھا۔ "ذرا آہستہ سے بولئے گا۔ میں بڑا خیال رکھتی ہوں کہ شور نہ ہونے پائے وہ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ دیکھئے آپ خود سوچئے۔ انہیں آرام کی کتنی ضرورت ہے۔ میں رات رات بھر جاگتی رہتی ہوں کہ کہیں بلی آکر کوئی چیز نہ گرا دے اور ان کی نیند میں خلل نہ پڑے۔ وہ مجھ سے کہتے ہیں صوفی اب سو جاؤ۔ تم بھی تو کتنی تھکی رہتی ہو۔ میں کہتی ہوں آپ پرواہ نہ کیجئے.... میں ٹھیک ہوں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے.... اب آپ ہی بتایئے جناب کتنی محبت کرتے ہیں.... راتوں کو جاگ کر کام کرتے رہتے ہیں.... دن کو فرصت نہیں ملتی۔ آج کوئی امریکہ سے ملنے چلا آرہا ہے.... پرسوں جرمنی سے.... سارا دن اسی میں ختم ہو جاتا ہے.... پھر رات کو آرام کیسے کریں.... رات کو کام کرتے ہیں.... وہ دیکھئے اس تصویر کی وجہ سے وہ دنیا کے سب سے بڑے مصور ہو گئے ہیں نا! ہائے آپ نے تو مجھے مبارکباد بھی نہیں دی۔" وہ روٹھے ہوئے انداز میں ہنسی اور پھر سنجیدہ ہو کر

کچھ سوچتی ہوئی دانتوں سے ناخن کترنے لگی۔ اتنے میں بیگم تنویر آگئیں وہ انہیں دیکھ کر
سے اٹھی اور اندر چلی گئی۔ "کہئے جناب کیسے تکلیف فرمائی۔" انہوں نے پھیکی سی مسکراہ
ساتھ کہا۔

"جی بس جیلانی صاحب کی خیریت دریافت کرنے آیا تھا۔"

"جیلانی یہاں کہاں ہے۔" وہ مغموم لہجے میں بولیں۔ "اسے تو ہماری شکلوں سے
ہوتی ہے۔ وہ برمی سفیر کی کوٹھی میں مقیم ہے۔ آج کل میں رنگون چلا جائے گا۔ مگر صوز
گئی ہے۔ اللہ اس پر رحم کرے آپ سے کیا کہہ رہی تھی۔"

"جی.... کچھ نہیں.... وہ تو.... آپ کے بارے میں گفتگو کر رہی ہیں۔" حمید نے
پھٹی پھٹی آنکھوں سے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا.... اس کا سارا جسم جھنجھنا اٹھا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 80

سینکڑوں ہمشکل

(مکمل ناول)

پیشرس

ہر ماہ یہ پیشرس کا چرخہ گراں گزرنے لگا ہے! مگر ہونا تو چاہئے، کچھ نہ کچھ
کسی کتاب کے متعلق مصنف کا کچھ لکھنا لغویات ہے۔ کیونکہ وہ تو پہلے ہی سب
کچھ لکھ چکا ہوتا ہے، پھر اس لکھے پر مزید کچھ لکھنا اسی صورت میں جائز ہو سکتا
ہے جب کسی دوسرے کے کاندھے پر رکھ کر بندوق داغنے کا خیال ہو.... یعنی
یہ ہیچمدان یعنی ابن صفی پیش رس کے لئے دوسرا نام اختیار کرے اور کتاب کے
متعلق اپنے ہی قلم سے زمین و آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دے.... آخیر میں
نعرہ لگائے "عظیم ابن صفی زندہ باد".... اور اس کے نیچے "فقط تفضّل حسین
ایم۔اے۔ ڈی۔لٹ بقلم خود" لکھ کر بھاگ کھڑا ہو.... بعد میں آپ بھگتا
کیجئے! کہتے پھریئے کہ ابن صفی واقعی عظیم ہوتا ہے۔ اس لئے اب اُسے ابن صفی
کی بجائے عظیم الدین، عظیم اللہ یا عظیم ڈیری فارم جیسا کوئی نام اختیار
کرنا چاہئے۔

اچھا چلئے میں اس بار پیشرس میں اپنے نام آئے ہوئے ایک خط کا جائزہ
لے ڈالوں.... ایک صاحب رقم طراز ہیں کہ ابن صفی صاحب اب آپ کی
کتابوں میں سراغ رسی کم اور بکواس زیادہ ہوتی ہے۔ آپ فن کا خیال نہیں
رکھتے! اصل موضوع سے ہٹ کر یا تو مزاح ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں یا
معاشرہ کی اصلاح کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ آپ صرف جاسوسی ناول لکھئے! خالص
فنی نقطہ نظر سے!

ان صاحب کے پورے خط کے مضمون سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ

فنِ سراغ نویسی پر بحث کرتے وقت لازمی طور پر ان کے ذہن میں انگریزی کے
جاسوسی ناول تھے! لیکن میں ان سے صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ آج کل اردو
میں انگریزی جاسوسی ناولوں کے ترجمے ردی کے بھاؤ کیوں بکتے ہیں۔ کوئی
پبلشر اب ترجمے چھاپنے کی ہمت کیوں نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ ترجمے عموماً
بہترین اور نامور مصنفین ہی کے پیش کئے جاتے ہیں۔ لیکن اردو میں ان کا حشر
دیکھ لیجئے۔ ہر قوم کا مزاج جداگانہ ہوتا ہے۔ ضروری نہیں ہے ہم بھی وہی پسند
کریں جو دوسری قومیں پسند کرتی ہیں.... اور پھر بھئی میں فن برائے فن کا
قائل بھی نہیں ہوں۔ انگریزی کے جاسوسی ادب میں جسے آپ خالص فن کا
آئینہ دار سمجھتے ہیں بعض چیزیں معاشرہ کے لئے تباہ کن بھی ہیں۔ مثلاً ہیرو
پرستی کے جوش میں جرائم پیشہ افراد کی طرفداری.... یہاں مثال کے لئے
انگریزی کے صرف دو مشہور کرداروں کا تذکرہ کروں گا، جو اردو میں بھی
"لکھنوی پاجامہ" پہن کر مقبول ہونے کی کوشش کر چکے ہیں! یہ کردار ہیں
سائمن ٹمپلر سینٹ اور آرسین لوپن....! یہ ایسے قانون شکن کردار ہیں جو
صریحی مجرم ہونے کے باوجود بھی قانون کی زد پر نہیں آتے اور پڑھنے والے
پولیس کی بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہیں....! ساتھ ہی مصنفین کا اندازِ
تحریر ایسا ہوتا ہے جیسے وہ خود ہی پولیس کا وقار خاک میں ملانے کی کوشش
کررہے ہوں.... بہرحال مجموعی تاثر یہ ہوتا ہے کہ قانون اور قانون کے
محافظ قاری کے لئے مضحکہ بن کر رہ جاتے ہیں۔

مجھ سے اس کی توقع نہ رکھئے۔ میرے شروع سے اب تک کے ناول دیکھ
لیجئے آپ کو قانون کے احترام ہی کی ترغیب نظر آئے گی۔ میرے پڑھنے والوں
کی ہمدردیاں قانون، اور قانون کے تحفظ ہی کے لئے ہوتی ہیں۔

اور پھر میں انگریزی والوں کی پیروی کیوں کروں.... میں نے اپنے لئے الگ راہیں نکالی ہیں.... میرے زیادہ تر پڑھنے والے مجھے پسند کرتے ہیں! بس اتنا ہی کافی ہے میرے لئے۔

یہ ضرور ہے کہ میں نے انگریزی ہی سے سیکھا ہے۔ لیکن انگریز تو نہیں ہوں۔ پاکستانی ہوں۔

بعض خطوط میں ایک شکائت اور بھی اکثر نظر آجاتی ہے وہ یہ کہ اب میرے ناولوں میں پچھلا سا "زور" باقی نہیں رہا.... ان خطوط کا تجزیہ کرنے پر جو نتیجہ میں نے اخذ کیا ہے وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ اُن پڑھنے والوں کو اب میری کہانیوں میں دھول دھپا برائے نام ملتا ہے.... اس سلسلے میں گذارش ہے کہ پچھلے ایک سال سے دانستہ طور پر "دھول دھپے" سے گریز کررہا ہوں۔ کوشش ہے کہ آپ کا "دھول دھپہ پسندی" والا رجحان ختم ہو جائے اور آپ صرف کہانی کی دلچسپی سے لطف اندوز ہونا سیکھیں! جس طرح دھول دھپہ بجائے خود ایک بُری چیز ہے، اسی طرح اس سے لطف انداز ہونا بھی ایک ایسی خواہش ہے جس کا ختم ہونا بھی انسانیت کی سربلندی کا باعث بن سکتا ہے....

ویسے یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ یہ خواہش ایک حیوانی جبلت سے تعلق رکھتی ہے، جس کی تہذیب آج تک نہیں ہو سکی۔ میں نے بہت ہی سنجیدہ آدمیوں کو بھی جھگڑے کی آوازوں میں لپکتے دیکھا ہے اور "معاملہ" آگے نہ بڑھتے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں مایوسی بھی پڑھی ہے!

"دھول دھپہ پسندی" فطری چیز ہے، لیکن اس حیوانی جبلت کی تہذیب ہونی ہی چاہئے اور ہم سب کو مل کر اس کے لئے کام کرنا ہے!

ابنِ صفی

۲۵ر نومبر ۱۹۵۸ء

سیکریٹری کی تلاش

یہ خیال قاسم کے ذہن میں بُری طرح جڑ پکڑ گیا تھا کہ ہر بڑے آدمی کو ایک لیڈی سیکریٹری ضروری رکھنی چاہئے۔ مگر مشکل یہ آپڑی تھی کہ رکھتا کہاں؟ آج کل اس کے والد عاصم صاحب اے بڑی پابندیوں میں رکھتے تھے اور دیکھ بھال کے فرائض تو اس کی بیوی کے سپرد پہلے ہی سے تھے! وہ اس پر کڑی نظر رکھتی تھی اور قاسم کو اس قدغن پر بے حد تاؤ آتا تھا۔ لیکن دم بخود رہنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ اپنے باپ کے غصے کے تصور ہی سے اس کی روح فنا ہوتی تھی۔ بیوی کا منہ اسے دیکھنا ہی پڑتا تھا کہ کہیں پیشانی پر شکن تو نہیں ہے وہ دراصل اس کے باپ سے اس کی شکائتیں کرتی رہتی تھی اور کبھی کبھی ان شکائتوں کے جھکڑ میں سچ مچ قاسم کی ٹانگ الجھ جاتی!

عاصم صاحب بوڑھے سہی لیکن قاسم ہی کے باپ تھے۔ اب بڑھاپے نے ان کا حجم قدرے کم کر دیا تھا لیکن پھر بھی ان کا سامنا ہوتے ہی قاسم محسوس کرنے لگتا تھا جیسے ابھی کسی بات پر خفا ہوں گے اور اس کے ہاتھ پیر توڑ کر رکھ دیں گے۔

بیوی بھی جانتی تھی کہ قاسم بس انہیں کے حوالے سے اس کے کنٹرول میں رہ سکتا ہے، لہٰذا اٹھتے بیٹھتے اسے دہلاتی رہتی تھی۔

قاسم سہار رہتا لیکن کبھی کبھی ذہنی رو بہک ہی جاتی اور وہ سوچنے لگتا کہ یہ بالشت بھر کی منحنی سی عورت خواہ مخواہ اس کی چھاتی پر سوار ہے اور پھر وہ کوئی ایسی اوٹ پٹانگ حرکت کر بیٹھتا کہ پوری کوٹھی میں بھونچال آجاتا! لیکن شکست بہرحال اسی کی ہوتی۔ جہاں اس کی بیوی فون کی طرف جھپٹی! بس ہوش آگیا۔ گڑگڑاتا ہوا دوڑا اس کے اور فون کے درمیان حائل ہو گیا۔

مگر لیڈی سکریٹری والا مسئلہ کیسے حل ہوتا۔ سالی ہرگز نہ مانے گی۔ قاسم سوچتا رہ...
ہی رہ جاتا۔ قصہ حقیقتاً یہ تھا کہ نانوتہ[1] کے کیس والی زیبا جیل میں تھی اور قاسم کی...
ضمانت کی کوشش کر چکا تھا لیکن اسے ناکامی ہی ہوئی تھی.... وہ چونکہ ملک دشمن سرگرمیوں...
الزام میں گرفتار کی گئی تھی اس لئے اس کی رہائی کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ لیکن قاسم...
سمجھاتا! بہرحال جب کرنل فریدی نے اسے ڈانٹ پلائی تو اس نے زیبا کا خیال تو ترک کر...
لیڈی سکریٹری کا خیال بدستور اس کے ذہن کے نیم تاریک گوشوں میں مضطرب رہا۔ وہ...
کہ ہمدردانہ انداز میں باس کے سر پر ہاتھ پھیرنا بھی لیڈی سکریٹری کے فرائض میں داخل...
ہے۔ زیبا نے اُسے کچھ اسی طرح ٹریٹ کیا تھا کہ اسے مامتا اور "محوبت" دونوں کا مزہ آگیا...
یہ ذہنی لذت اس کے لئے بالکل نئی چیز تھی۔ ماں بچپن ہی میں مرگئی تھی۔ بیوی ملی تو بے...
اس سے دور ہی دور رہتی تھی اور یہ بھی چاہتی تھی کہ وہ اس کے کنٹرول میں رہے۔ لہٰذا...
برتاؤ اسے ایک ایسی ذہنی زندگی میں لے گیا تھا، جو اس کے لئے بالکل نئی انوکھی اور لذت...
تھی.... بس پھر وہ یہی سمجھنے لگا تھا کہ اب وہ کسی لیڈی سکریٹری کے بغیر زندہ نہ رہ سکے گا۔

لہٰذا آج کھانے کی میز پر وہ ایک طرف تو بکرے کی مسلم ران ادھیڑتا جا رہا تھا اور دوسری
طرف ذہنی طور پر اپنی بیوی کی سات پشتوں کی بھی تکا بوٹی کر رہا تھا۔ ذہنی ہیجان دانتوں
سے ہم آہنگ ہو گیا تھا۔ یعنی وہ کسی غصہ میں بھرے ہوئے شیر کی طرح بکرے کی ران پر...
تھا۔ طرح طرح کے منہ بن رہے تھے۔ کبھی آنکھیں پھیلتیں اور کبھی سکڑ جاتیں.... بھنویں...
آڑھی ترچھی ہو جاتیں.... کبھی ناک پر شکنیں آجاتی اور کبھی پیشانی پر۔

اچانک اس کی بیوی ہنس پڑی! وہ دیر سے ہنسی ضبط کئے نوالے چبا رہی تھی۔ لیکن اب تو...
حلیہ اتنا مضحکہ خیز ہو گیا تھا کہ سینے میں دیر سے چکرانے والا قہقہہ آزاد ہو گیا۔

"قیوں؟" قاسم کی آنکھیں نکل پڑیں۔ ران کو دانتوں سے چھٹکارا ملا اور اس کے...
موٹے ہونٹوں نے دائرے کی شکل اختیار کر لی۔

بیوی کی ہنسی تیز ہو گئی اور قاسم نے اس کو طشت میں پٹختے ہوئے خود بھی "ہی ہی ہی"
شروع کر دی۔ مگر یہ ہنسی نہیں تھی بلکہ جلے کٹے انداز میں بیوی کی ہنسی کی نقل تھی۔

پھر وہ یکلخت اپنی "ہی ہی" میں بریک لگا کر دہاڑا۔ "قیوں ہنستی ہو۔ کیا میرے....

[1] اس دلچسپ کہانی کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "چاندنی کا دھواں" ملاحظہ فرمایئے۔

...دم نکل آئی ہے۔"

بیوی نے سوچا ہنسی پر تو زور نہیں تھا۔ مگر اب کھایا پیا حرام ہو جائے گا۔ لہٰذا اس نے بڑی
چالاکی سے چویشن ہینڈل کی۔

"جب میں خوش ہوتی ہوں تو مجھے ہنسی آجاتی ہے۔"

"آئے.... ہائے.... کیسی خوشی.... بڑی آئیں خوشی والی۔" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

"میں تمہیں دیکھ کر خوش ہوتی ہوں۔"

"قیوں....!"

"اس وقت تم بڑے اچھے لگ رہے تھے.... میں نے کسی فلم میں تمہارا ہی جیسا ایک بادشاہ
دیکھا تھا جو بالکل تمہارے ہی جیسے انداز میں اونٹ کی ران چبا رہا تھا۔"

"اونٹ کی ران....!" قاسم نے حیرت سے کہا۔ پھر تھوڑی سی حقیقی قسم کی "ہی ہی ہی"
کے بعد "اے کیوں مجاخ کرتی ہو.... اونٹ کی ران.... غوب غوب.... ہی ہی ہی۔"

بیوی کو خوش دیکھ کر اس کا موڈ اچانک بالکل ٹھیک ہو گیا۔ بس بھٹکنے والی ذہنی رو ٹھہری۔

"ہاں.... ہاں اونٹ کی ران.... کیونکہ وہ بہت بڑا بادشاہ تھا۔ یہ یاد نہیں کہ چنگیز خان تھا یا ہلاکو۔"

"یار تم بہت اکلمند ہو گئی ہو۔ مجھ سے بھی ایک بار ایک فلم ڈائریکٹر نے یہی کہا تھا وہ چاہتا تھا
کہ میں اس کے فلم میں چنگیز خان بن جاؤں.... مگر ابا جان.... ارے باپ رے.... کیا ہوتا اگر
میں اس سالے کی بات مان لیتا۔"

بیوی کو خوش دیکھ کر اچانک قاسم کے ذہن نے پھر قلابازی کھائی اور اسے لیڈی سکریٹری یاد
آگئی۔ مگر وہ سوچنے لگا کہ بات کس طرح شروع کی جائے۔ آخر کھسیانی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"مغر.... میں بڑا آدمی نہیں ہوں۔"

"ارے.... یہ آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ تم ہر اعتبار سے بڑے آدمی ہو۔ شہر
میں کوئی تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

"نہیں.... میں بالکل گھٹیا معلوم ہوتا ہوں۔"

"کیوں....؟" اس کی بیوی کو شاید سچ مچ حیرت ہوئی تھی۔

"ارے اور کیا....!" قاسم مردہ سی آواز میں بولا۔ "میرے سیڈی لکریٹری کہاں ہے۔"

"کیا....؟" بیوی نے استفہامیہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"لیڈی سیکریٹری.... یہ سالی زبان کھڑ لڑاتی.... لڑکھڑاتی ہے۔"

"اوہ....!" بیوی نے ایک طویل سانس لی اور کسی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر یک بیک بولی۔ "یہ کونسی بڑی بات ہے.... رکھ لو ایک لیڈی سیکریٹری۔"

"قیا....!" قاسم بھاڑ سا منہ پھاڑ کر رہ گیا اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

"ہاں.... ہاں.... مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اگر تم لیڈی سیکریٹری رکھنے کے بعد بھی آدمی سمجھ سکو.... تو ضرور رکھ لو.... تمہاری خوشی میں میری بھی خوشی ہے۔"

"اَے.... اے کہیں تم مجاخ تو نہیں کررہیں۔" قاسم کسی جھینپی ہوئی عورت کے انداز میں مسکرایا۔

"نہیں سچ مچ میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔"

"مم.... مغر.... ابا جان۔"

"ارے ہٹو بھی.... انہیں پتہ ہی کیسے چلے گا۔"

"کبھی کبھی آتے تو رہتے ہیں.... اگر نجر پڑ گئی تو۔"

"وہ مجھے فون پر اطلاع دیئے بغیر کبھی نہیں آتے۔ جب وہ آئیں گے اگر تم گھر پر ہوئے تو میں اسے کہیں چھپادوں گی۔"

قاسم نے ایک بار پھر اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا لیکن وہ بدستور سنجیدہ رہی اور قاسم کو اس کی آنکھوں میں خلوص کے علاوہ اور کچھ نہ نظر آیا۔

اور پھر اسے مکاری کی سوجھی۔ اِدھر اُدھر کی غمناک باتیں سوچ سوچ کر نتھنے پھلانے لگا۔ ناک میں سرسراہٹ تو ہونے لگی تھی لیکن آنسو کم بخت تھے کہ نکلنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ بہزار دقت دو موٹے موٹے قطرے اس کی پلکوں میں لرز کر گالوں پر بہہ چلے۔

"ارے ہائیں.... یہ کیا.... تم رونے کیوں لگے۔" بیوی نے گھبراہٹ کی ایکٹنگ کی۔

"قق.... قچھ.... نہیں....!" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ارے.... واہ.... روئیں تمہارے دشمن۔ کیا میری ذات سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچی"

لہجہ ایسا ہمدردانہ تھا کہ سچ مچ قاسم کا دل بھر آیا اور وہ پھوٹ پڑا۔

"ارے.... ارے۔" بیوی جھپاک سے کھڑی ہوگئی۔ مگر اس بار اس نے ہنسی روکنے میں کمال ہی کردیا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ دیدہ دانستہ اس کے چہرے سے نظر ہٹائے ہوئے تھی ورنہ.... ہنسی! بھلا وہ کیسے رکتی اگر چہرے پر نظر پڑجاتی۔

"نہیں....!" قاسم ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔ "تم سے کیا تکلیپھ پہنچ.... چچ.... چے گی.... تم تو....!" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہوگیا اور سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کہنا چاہئے۔ لیکن اس نے اپنے آخری الفاظ "تم تو" ذہن میں ہی رکھے کہ کہیں جملہ بے ربط نہ ہوجائے.... تم تو فرشتہ ہو.... قاسم نے سوچا.... مگر فرشتہ تو مرد ہوتا ہے.... یہ سالی ٹھہری عورت۔ پھر کیا کہا جائے.... اوہ.... واہ.... خوب.... وہ جلدی سے بولا۔

"تم سے کیا تکلیف پہنچے گی.... تم تو فرشتے کی جورو ہو۔"

بیوی کے پیٹ میں قہقہوں نے بھونچال مچادیا اور وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اوہ.... اب چپ بھی رہو.... مت روؤ.... ٹھہرو میں پانی لاؤں۔" وہ جھپٹتی ہوئی ڈائننگ روم سے باہر آگئی اور غڑاپ سے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

پھر جو اس نے پیٹ دبائے ہوئے فرش پر مچل مچل کر ہنسنا شروع کیا ہے تو آواز بلند نہ ہونے کی کوشش ہی کے سلسلے میں اس کا دھیان دوسری طرف بٹ سکا اور پیٹ کے درد سے بھی نجات ملی۔ اس کے بعد وہ اٹھ ہی رہی تھی کہ قاسم کی آواز آئی۔

"ارے پانی تو یہیں ہے.... میں پئے لیتا ہوں.... آجاؤ۔"

وہ پھر بہت زیادہ سنجیدہ بن کر ڈائننگ ہال میں داخل ہوئی۔ یہاں قاسم ایک طرف منہ لٹکائے چہرے پر پانی کے چھینٹے دے رہا تھا۔

وہ خاموش بیٹھی رہی اور قاسم پھر ران ادھیڑنے میں مشغول ہوگیا۔ لیکن اب اسے تاؤ آنے لگا تھا اپنے رونے پر کہ اس کی وجہ سے خواہ مخواہ اُس گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

بیوی کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ "تم اپنا دل تھوڑا نہ کرو۔ کسی اچھے اخبار میں لیڈی سیکریٹری کے لئے اشتہار دے دو۔"

"اشتہار.... ارے باپ رے۔" قاسم اچھل پڑا۔

"کیوں....!"

"ارے.... ابا جان نے دیکھ لیا تو۔"

"ہش.... تم بھی یونہی رہے۔ ارے ابا جان کو پتہ ہی کیسے چلے گا سنو میں نے ایک ترکیب سوچی ہے۔ اسلم بھائی جان آج کل باہر گئے ہوئے ہیں۔ انہیں کے پتہ پر اشتہار دے دیں گے۔ بھابی کو میں سمجھالوں گی اور ہم دونوں وہیں چل کر انٹرویو دیں گے۔"

"اَلاقسم.... بڑی گریٹ ہو! واہ.... وا.... ایسی بیوی کی میں قدر نہیں کرتا۔ لانت ہے مجھ پر۔"

قاسم نے جھک کر پیروں سے دونوں چپلیں نکالیں اور ان سے اپنا سر پیٹنے لگا۔

"ارے ارے.... یہ کیا۔" بیوی کو بیساختہ ہنسی آگئی۔

"میں اسی قابل ہوں۔" قاسم نے کہا اور چپلوں سے بدستور سر پیٹتا رہا۔

یہ سلسلہ شاید گھنٹوں ختم نہ ہوتا مگر بیوی نے ہاتھ پکڑ لئے۔ چپلیں چھینیں، جو بے عذر چھوڑ دی گئیں۔ قاسم اس وقت "قربان جاؤں" کی تصویر بنا ہوا تھا۔

"تو پھر میں مضمون بناؤں۔" بیوی نے پوچھا۔

"ہائے جرور.... جرور.... یا اللہ ان کا سایہ میرے سر پر ہمیشہ کائم رکھیو۔" قاسم نے ہاتھ پھیلا کر دعا دی۔

وہ پھر منہ دبا کر کمرے سے نکل بھاگی اور تقریباً دس منٹ بعد دوبارہ آئی اور کاغذ کا ایک ٹکڑا قاسم کے ہاتھ میں تھما دیا۔

وہ مزے لے لے کر پڑھنے لگا۔

"ضرورت ہے ایک ذہین اور چست و چالاک لیڈی سیکریٹری کی۔ عمر بیس اور تیس کے درمیان ہونی چاہئے۔ یوریشین کو ترجیح دی جائے گی۔ تنخواہ کا مسئلہ بالمشافہ طے کیا جاسکتا ہے۔ مندرجہ ذیل پتہ پر کل شام کو چار بجے ملئے۔"

اس نے پرچہ میز پر رکھ دیا اور متحیرانہ نظروں سے بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔

"تو پھر میں اسے چھپنے کے لئے بھیج دوں۔" بیوی نے پوچھا۔

"جرور.... جرور.... ہائے.... میں تمہاری کیسے پوجا کروں۔ تم کتنی اچھی ہو۔ یوریشین سیکریٹری ارے۔ میں بہت بڑا آدمی ہو جاؤں گا۔"

"اور میں دیکھ کر کتنی خوش ہوں گی۔" بیوی نے خوش ہو کر کہا۔

پھر قاسم کو سکتہ سا ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان غیر متوقع عنایات کو کیا سمجھے۔ یہ سب کیا ہو رہا تھا۔ اس کی بیوی اتنی رحم دل کیوں ثابت ہو رہی تھی۔

"اچھا میں اسے اخبار کے دفتر میں بھجوانے جا رہی ہوں۔" اس نے پرچہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ لیکن قاسم بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ اس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔

وہ سیدھی اپنے کمرے میں آئی اور دوسرا اشتہار لکھنے لگی۔

"ضرورت ہے ایک انتہائی درجہ تجربہ کار لیڈی سیکریٹری کی۔ عمر پچاس سال سے ہرگز کم نہ ہونی چاہئے۔ دیسی عیسائی خاتون کو ترجیح دی جائے گی۔ تنخواہ معقول.... مندرجہ ذیل پتہ پر کل شام چار بجے بالمشافہ گفتگو کی جائے۔"

لکھ چکنے کے بعد ایک بار پھر اس پر ہنسی کا دورہ پڑا۔

دوسرے دن اشتہار شہر کے سب سے زیادہ مقبول روزنامے میں شائع ہو گیا۔ لیکن بیوی نے قاسم کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی بلکہ اسے گھر سے باہر قدم ہی نہیں نکالنے دیا تھا اور کچھ اتنی زیادہ مہربان ہو گئی تھی کہ قاسم الجھن میں پڑ گیا.... الجھن بھی اس کی تھی کہ اب لیڈی سیکریٹری رکھے یا نہ رکھے۔ جب بیوی ہی اتنا خیال کرنے لگے تو لیڈی سیکریٹری کی کیا ضرورت ہے۔ پھر سوچا چلو پڑی ہی رہے گی کیا برا ہے۔ پتہ نہیں پھر کب اس گلہری کا دماغ سنک جائے۔

شام کو وہ اسے ساتھ لیکر اپنے اسلم بھائی جان کے بنگلے میں جا پہنچی۔ اس نے اس کا انتظام پہلے ہی کر لیا تھا کہ امیدوار کسی ایسی جگہ بٹھائی جائیں جہاں ان پر قاسم کی نظر نہ پڑ سکے۔

وہ اسے ایک کمرے میں لائی۔ یہاں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"دیکھو تم بالکل نہ بولنا۔" بیوی نے اس سے کہا۔ "بس جو پسند آجائے اسے دیکھ کر اثبات میں سر ہلا دینا۔ میں سب معاملات طے کرلوں گی۔"

"ہائے.... میں تم پر.... کربان.... اب میں کبھی تمہارا جی نہیں جلاؤں گا۔ الا قسم.... یا اللہ سب کو ایسی ہی فسٹ کلاس بیگم صاحب عطا کر.... میں تیرا سو کر یہ ادا کرتا ہوں۔" قاسم نے چھت کی طرف ہاتھ جوڑے۔

ایک ملازمہ امیدواروں کی فہرست لائی یہ تعداد میں چھ تھیں! قاسم نے ان کے نام دیکھے اور اسا منہ بنایا۔

"ارے.... یہ تو سبھی.... مسز ہیں۔ مگر نہیں ایک ہے.... مس بھو.... یا کیا دیکھو، لکھا ہے۔"

"مس ڈھو....!"

قاسم نے اس طرح اپنا سینہ تھام لیا جیسے کسی بل ڈوزر نے ٹکر ماری ہو۔

"مسز سلیمہ.... خان۔" بیوی نے امیدوار کے نام کا اعلان کیا اور ملازمہ باہر چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد ایک معمر عورت داخل ہوئی اور قاسم بہت زور سے نفی میں سر ہلانے لگا لیکن اس کی بیوی نے اس سے کچھ سوالات پوچھے اور باہر جا کر انتظار کرنے کو کہا۔

سبھی بوڑھی عورتیں آئی تھیں۔ اعلان ہی پچاس سال کی عورتوں کے لئے کیا گیا تھا۔ چوتھی عورت کے باہر جاتے ہی قاسم بیوی کو پانچویں نام کا اعلان کرنے سے روکتا ہوا بولا.... "بیگم یہ کیا کصہ ہے.... اماں سبھی بوڑھی آ رہی ہیں۔"

"میں کیا بتاؤں.... مجھے خود بھی الجھن ہو رہی ہے۔ مگر نہیں دیکھو، ان میں سے ایک مس بھی ہے۔"

"اماں تم نے تو صاف لکھ دیا تھا کہ بیس سال کی ہونی چاہئے۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

"یہی تو غلطی ہوئی تھی کہ عمر کے متعلق کچھ لکھنا بھول گئی تھی۔"

"مجھے یاد ہے.... تم نے لکھا تھا۔"

"غلط یاد ہے...." بیوی نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"تو پھر گلت ہی ہوگا۔" قاسم نے مردہ سی آواز میں کہا کیونکہ ابھی ایک "مس" کی توقع تھی۔ ڈھو، بھو یا ٹھو سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس نے سوچا اگر نام برا ہوگا تو وہ اسے پیاری رسیلی یا کٹیلی وغیرہ کچھ کہہ لیا کرے گا۔

پانچویں امیدوار آئی اور وہ بھی واپس گئی.... اب باری تھی مس ڈھو کی۔ قاسم سنبھل کر بیٹھ گیا۔ بیوی نے کہا۔ "اگر یہ بھی خراب نکلی تو سبھوں کو بھگا دوں گی۔ دوسرا اشتہار دیا جائے گا۔ تم خاموش ہی رہنا۔"

مس ڈھو اندر داخل ہوئی اور قاسم غصے کے مارے اچھل پڑا۔ اس کی کھوپڑی انتہائی شدت سے ہل رہی تھی کہ اس کا پہاڑ سا جسم متزلزل نظر آنے لگا تھا۔ یہ مس ڈھو پستہ قد

اندام اور سو فیصد کوئلہ فام تھی۔ عمر اس کی بھی چالیس یا پینتالیس سال سے کسی طرح کم نہ تھی۔ بھینگی بھی تھی لیکن آواز ایسی تھی جیسے کسی اجاڑ ویرانے میں کوئل کوک رہی ہو۔

بیوی اس سے گفتگو کرتی رہی اور قاسم انگاروں کے بستر پر لوٹتا رہا۔ اُسے اس عورت کی ویران سی مسکراہٹ زہر لگ رہی تھی۔ مسکراہٹ کی ویرانی غالباً بھینگے پن کی وجہ سے تھی۔

دفعتاً قاسم بول پڑا۔ "اے.... پہلے یہ تو بتاؤ تم میری طرف دیکھ رہی ہو یا ان کی طرف" اس نے بیوی کی طرف اشارہ کیا۔

"میں تو.... میں تو.... اس خوبصورت گلدان کی طرف دیکھ رہی تھی جناب کتنا حسین ہے۔"

"ٹھینگے سے حسین ہے.... تم جاؤ۔" قاسم کھڑا ہو کر دہاڑا۔

مس ڈھو بوکھلا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"اچھا.... اچھا! باہر ٹھہرو.... صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" بیوی جلدی سے بولی۔ "میں ابھی آ کر فیصلہ سناتی ہوں۔"

مس ڈھو جلدی سے باہر نکل گئی۔

"یہ تم نے کیا کیا۔" بیوی اس کی طرف مڑی۔

"آئے.... ہائے۔" قاسم دانت نکال کر اور ناک پر شکنیں ڈال کر ہاتھ نچاتا ہوا بولا۔ "تو پھر کیا یہ کہتا.... آؤ.... آؤ.... کھش آمدید.... میری کھوپڑی پر بیٹھ جاؤ۔"

"خدا کے لئے آہستہ بولئے۔" بیوی نے کہا۔ میں ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر واپس کر دوں گی۔ تم یہیں بیٹھو ورنہ اگر تمہارے منہ سے کوئی الٹی سیدھی بات نکل گئی تو اسلم بھائی جان کی بدنامی ہوگی۔ یہ تمام میں کہتی پھریں گی۔ اس کا تو خیال رکھو کہ ہم نے اس انٹرویو کے لئے دوسرے کا گھر استعمال کیا ہے۔"

"اچھا.... اچھا.... جاؤ بھگاؤ۔" قاسم برا سا منہ بنا کر بولا۔ "معلوم نہیں صبح کس صورت حرام کا چہرہ دیکھا تھا۔"

"آئینہ تو نہیں دیکھا تھا۔" بیوی نے گھبرا کر پوچھا۔

"نہیں.... نہیں جاؤ کھسکاؤ سالیوں کو میرا دل گھبرا رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے.... جیسے.... بہت سے کچے کریلے چبا لئے ہوں.... اوخ۔"

اسے ایک زوردار ابکائی ہوئی.... اور اس کے بعد وہ کھانسنے لگا۔ بیوی باہر جا چکی تھی۔

"قیوں....؟" قاسم ہمہ تن سوالیہ نشان بن گیا۔

"ارے کیا بتاؤں.... بڑا.... گڑبڑ ہو گیا۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"کیا ہوا....!"

"سب چلی گئیں.... مگر وہ اڑ گئی ہے.... مس ڈھو۔"

"مس ڈھو....!" قاسم نے آنکھیں نکالیں اور پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "مار ڈالوں گا سالی کو۔ اڑ کیوں گئی ہے۔ کیا میں اس کے باپ کا نوکر ہوں.... آئے ہائے.... مجاز ہی نہیں ملتے۔ ذرا سا حسین ہوتیں تو نہ جانے کیا ہوتا.... یوں.... یوں.... یوں.... مسکراتی ہے۔"

قاسم نے جلے کٹے انداز میں اس کی مسکراہٹ کی نقل اتارنے کی کوشش کی اور خود کارٹون بن کر رہ گیا۔ بیوی ایسے مواقع پر ہمیشہ ادھر اُدھر دیکھنے لگتی تھی، ورنہ اس کی ہنسی کو موت بھی نہ روک سکتی۔ مرنے کے بعد بھی دانت ہی نظر آتے۔

"تم سمجھے نہیں۔ اس سے تو اب خوف معلوم ہونے لگا ہے۔ میں کہتی ہوں چپ چاپ اسے ایک آدھ ماہ کے لئے رکھے لیتے ہیں۔ پھر کوئی الزام لگا کر پتہ کاٹ دیں گے۔" بیوی نے کہا۔

"مگر قیوں رکھ لیں.... اس کی تو ایسی کی تیسی.... آخر تم ڈرتی کیوں ہو۔ ایک گھونسے پر اٹھا ہو کر رہ جائے گی۔"

"اف فوہ! ارے وہ چچا جان کو جانتی ہے۔ تمہیں بھی پہچانتی ہے۔ دھمکیاں دیتی ہے کہتی ہے میں عاصم صاحب کو بتاؤں گی کہ صاحب زادے اسی طرح لڑکیوں کو بلایا کرتے ہیں۔"

"ارے باپ رے...." قاسم بے سدھ سا ہو کر کرسی میں گر گیا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"پھر بولو کیا کہتے ہو.... رکھ لوں ایک ماہ کے لئے۔"

"راخ.... لوغ....!" قاسم نے پھنسی ہوئی سی آواز میں کہا اور دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر ہانپنے لگا۔

پُراسرار عورت

کرنل فریدی اور کیپٹن حمید ڈائننگ روم میں شام کی چائے پی رہے تھے۔ حمید خاموش تھا۔

بس یونہی کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔

دفعتاً ایک ملازم اندر آیا اور ایک وزیٹنگ کارڈ میز پر فریدی کے سامنے رکھ دیا۔

حمید نے سر اٹھا کر نام پڑھا اور بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔

"پھر وہی مس ڈھو.... اگر یہ ڈھو کے آگے پیچھے بھی کچھ لگا لے تو کیا حرج ہوگا۔ مس ڈھولک.... میرے.... خدا.... آخر یہ کیوں آتی ہے آپ کے پاس۔"

"معلوم کرنے کی کوشش کرو۔"

"آپ نہیں بتائیں گے۔"

"ہرگز نہیں.... ویسے تمہیں اجازت ہے کہ ہماری گفتگو سن سکو۔"

"اس کی مسکراہٹ سے مجھے اختلاج ہوتا ہے۔ ضرورت ہو یا نہ ہو مسکرائے گی ضرور بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ وہ تنہائی میں بھی مسکراتی رہتی ہوگی۔"

ملازم پہلے ہی جا چکا تھا۔ فریدی نے خالی کپ آگے کھسکا کر سگار سلگایا۔

"تو کیا اب مجھے آپ کی سراغ رسی کرنی پڑے گی۔" حمید نے کہا۔

"ہاں اب تمہاری ٹریننگ کے لئے صرف یہی ایک طریقہ رہ گیا ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ آج سے میرا طریق کار قطعی بدل گیا ہے۔ میں جانتا ہوں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تمہاری صلاحیتیں اسی طرح بروئے کار لائی جاسکتی ہیں۔"

"مثلاً....!"

"معلوم کرو کہ مس ڈھو کیا چاہتی ہے۔"

"آپ کو تو معلوم ہی ہے.... پھر میں کیوں جھک ماروں۔"

"خیر چلو.... تم ہماری گفتگو سن کر اندازہ لگانے کی کوشش کرنا۔"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کہیں اب اندازہ مجھے ہی نہ لگا بیٹھے! ابھی تک تو میں آپ کو اسسٹ کرتا رہا ہوں اور یہ میرا دل ہی جانتا ہے کہ اس اسسٹنس میں مجھ پر کیا گذری ہے۔ لیکن اب یہ طریق کار کم از کم ایک ہفتہ تو لیٹ کر غور کرنے دیجئے کہ طریق کار بدلنے کا مقصد کیا ہوسکتا ہے۔"

"مقصد یہ کہ میں کچھ دن دوسرے کام دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"کاموں کی نوعیت کیا ہوگی۔"

"بکواس مت کرو.... اٹھو....!"

حمید نے پائپ سلگاتے ہوئے اٹھنے کا ارادہ کیا۔ فریدی کمرے سے جا چکا تھا۔ پائپ سلگا کر وہ بھی ڈرائنگ روم کی طرف روانہ ہو گیا۔

مس ڈھو صوفے پر براجمان تھی اور فریدی شاید حمید کا منتظر تھا۔

حمید کے پہنچتے ہی اس نے مس ڈھو کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہاں تو آپ انٹرویو میں گئی تھیں۔"

پہلے مس ڈھو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے کہا۔ "جی ہاں اور وہ میرے لئے ایک بالکل نیا تجربہ تھا۔ ویسے میں درجنوں انٹرویوز سے دو چار ہو چکی ہوں لیکن یہ اپنی نوعیت کا انوکھا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس مصیبت میں گرفتار ہو گئی ہوں۔"

"خیر مصیبت کا اندازہ بھی نہیں ہو سکتا۔ آپ فی الحال اس انٹرویو کے متعلق بتایئے۔"

"غالباً وہ میاں بیوی تھے۔ بیوی چوہیا سی پھرتیلی پستہ قد اور نازک اندام تھی۔ اس کے برخلاف شوہر صاحب پہاڑ تھے پہاڑ۔ صورت سے پرلے سرے کے احمق اور کاہل معلوم ہوتے تھے۔ جب میں انٹرویو لے رہی تھی اس وقت نہ جانے کیوں انہیں یک بیک غصہ آ گیا.... اور پوچھیئے جناب میں دہل کر رہ گئی تھی۔ بس خواہ مخواہ اٹھے اور ڈانٹ کر کہا باہر نکل جاؤ.... اس کے بعد بیگم صاحبہ تشریف لائیں۔ دوسری پانچ عورتوں کو تو رخصت کر دیا اور مجھ سے فرمانے لگیں معقول تنخواہ ملے گی۔ ہر طرح کا آرام رہے گا لیکن صاحب تمہیں الگ کرنا چاہیں گے۔ ہو سکتا ہے بھی باہر نکلیں اور گرجنے برسنے لگیں۔ لیکن تم گھبرانا مت فوراً کہہ دینا میں آپ کو بھی پہچانتی ہوں اور آپ کے باپ کو بھی۔ خان بہادر عاصم صاحب سے کہوں گی کہ صاحبزادے اس طرح اشتہار دے کر لڑکیوں کا انتخاب فرمایا کرتے ہیں۔ بیگم صاحبہ کی اس حرکت نے مجھے چکر میں ڈال دیا۔ مگر مجھے فوراً ہی آپ کا خیال آ گیا جناب اور دل کو بڑی تقویت پہنچی۔ میں نے چپ چاپ بیگم صاحبہ سے اتفاق کیا۔ وہ اندر تشریف لے گئیں اور تھوڑی دیر بعد واپس آ کر اطلاع دی کہ صاحب نے اپائنٹمنٹ کر دیا ہے اور مجھے کل سے کوٹھی پر حاضری دینی ہو گی۔"

وہ خاموش ہو کر اپنا ہینڈ بیگ کھولنے لگی۔ حمید آنکھیں نکالے ہوئے اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا۔ تذکرہ سو فیصدی قاسم اور اس کی بیوی کا تھا۔ مگر ان دونوں سے یا ان کی حماقتوں سے فریدی کو کیا سروکار۔

مس ڈھو نے ہینڈ بیگ سے ایک تعارفی کارڈ نکال کر فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کوٹھی کا پتہ۔"

فریدی نے کارڈ لے کر تحریر پڑھی اور حمید کی طرف دیکھا۔

"کیا قصہ ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ایک انٹرویو.... یہ لو.... دیکھو قاسم ہی کا پتہ ہے۔" فریدی نے کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔

یہ قاسم ہی کا پتہ تھا۔ اس لئے حمید کی آنکھوں میں متحیرانہ استفہام اب بھی باقی تھا۔

"اس انٹرویو کا حال تم سن ہی چکے ہو۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "اب وہ اشتہار بھی دیکھ لو جو اس انٹرویو کے لئے شائع ہوا تھا۔"

اس نے ایک الماری کھول کر اخبار نکالا اور دو تین صفحات الٹ کر اسے حمید کی طرف بڑھا دیا۔ حمید نے اشتہار بھی دیکھا اور فریدی کی طرف دیکھ کر پلکیں جھپکائیں۔

"یہ.... محمد اسلم ایڈووکیٹ.... اس کی بیوی کا کوئی رشتے دار ہے۔" اس نے کہا۔

"خیر.... تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ اپنی کوٹھی پر امیدواروں کو نہیں بلانا چاہتے تھے۔"

"مم.... مگر....!"

"اور کچھ مت کہو۔ کوئی غلطی ہوئی ہے۔ میرا یہی خیال ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کہا۔ "ایک گھنٹے کے اندر اندر میں اس انٹرویو کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن یہ واقعہ آپ کے علم میں کیوں لایا گیا ہے۔"

"جاؤ.... سات بج رہے ہیں۔" فریدی نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آج انہوں نے شام کی چائے دیر سے پی تھی۔

حمید چپ چاپ اٹھ گیا۔ اپنے بیڈ روم میں آیا اور قاسم کے فون نمبر رنگ کئے۔ دوسری طرف سے قاسم ہی نے جواب دیا لیکن وہ اس مسئلے پر اس سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے بڑی پھرتی سے آواز بدل دی اور یہ آواز کسی عورت کی انتہائی شیریں آواز تھی۔ قاسم کے کانوں میں اسی کے قول کے مطابق شربت کی بوندیں ٹپک گئی ہوں گی۔

"ذرا آپا جان کو بلا دیجئے۔" حمید نے کہا۔

"قیوں.... ہی ہی.... اچھا اچھا۔" دوسری طرف سے قاسم کی بوکھلائی ہوئی سی آواز آئی۔

"جی ہاں دیکھئے بلاتا ہوں.... اے آپا جان۔"

اس نے غالباً ماؤتھ پیس بند کئے بغیر ہانک لگائی تھی اور پھر شاید اسے احساس ہو گیا تھا
اسے آپا جان نہ کہنا چاہئے۔ اس لئے فوراً ہی آواز آئی۔ "ارے.... لاحول.... ولا کوۃ
بیغم.... اے بیغم.... یہ فون پر وہ بلا رہی ہیں.... جی.... جی ہاں.... کیا کہہ دوں کون بلا رہی ہیں

"رقیہ....!"

"آہائیں.... تم روقیا ہو.... ارے اب تم آتی کیوں نہیں ہو۔ اے بیغم.... روقیا ہیں
روقیا...." وہ پھر دہاڑا۔

رقیہ دراصل قاسم کی رشتے میں سالی ہوتی تھی۔ خاصی قبول صورت تھی۔ حمید اسے جا
اس لئے اسی کی آڑ لے بیٹھا۔

"ہاں بھائی صاحب۔" اس نے کہا۔ "میں آج کل بہت مشغول ہوں۔ ہاں دیکھئے آپ ذرا
آپا جان کو دے کر چپ چاپ کمرے سے چلے جائیے۔ کچھ پرائیویٹ باتیں ہیں۔"

"پرائیویٹ.... ہی ہی ہی.... غچھاغچھا.... میں چلا جاؤں غا.... لاقسم بالکل نہیں سن
غا.... ہی ہی ہی....!"

حمید جانتا تھا کہ قاسم سالیوں کے معاملے میں بے حد "نیاز مند" واقع ہوا ہے۔ لہٰذا وہ
کمرے سے چلا جائے گا۔

حمید نے جلد ہی اس کی بیوی کی آواز سنی اور بولا۔ "ہیلو.... میں حمید بول رہا ہوں۔"

"کیا مطلب....!"

"کیا آپ کسی مس ڈھو کو جانتی ہیں۔"

"اوہ.... تو اب آپ ذرا ذرا سی بات کی ٹوہ میں رہنے لگے۔" قاسم کی بیوی کا لہجہ زہریلا تھا۔

"ہام.... تو آپ اسے جانتی ہیں۔"

"آپ چاہتے کیا ہیں....!"

"ٹھہرئیے.... بتاتا ہوں۔ لیکن وہ خبر آپ دونوں کے لئے منحوس ہی ہو گی۔"

"جلدی بات ختم کیجئے۔ مجھے دوسرے کام بھی ہیں۔"

"ہمیں ابھی تھوڑی دیر گذری ایک پستہ قد، فربہ اندام اور قطعی سیاہ فام عورت کی لاش ملی ہے"

"لاش.... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں حمید بھائی۔"

"ہاں لاش اور اس کے پاس سے قاسم کا وزیٹنگ کارڈ برآمد ہوا ہے اور کاغذات سے پتہ چلتا
ہے کہ مرنے والی کا نام مس ڈھو تھا۔"

"یقیناً تھا.... میں اسے جانتی ہوں.... اوہ.... حمید بھائی خدا کے لئے یہاں آجائیے۔"

"تنہا آؤں.... یا دس پندرہ کانسٹیبل ساتھ لانے پڑیں گے۔"

"اف.... فوہ.... کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ اس کی موت کے ذمہ دار ہیں۔ آپ
آیئے تو خدا کے لئے۔"

"کہاں آؤں۔"

"گھر آیئے۔"

"قاسم کو کہیں کھسکا دیجئے۔"

"میں یہی کروں گی.... جلدی سے آجائیے.... حمید بھائی۔ خدا کے لئے۔"

حمید نے بائیں آنکھ دبا کر ریسیور رکھ دیا۔

کچھ دیر بعد اس کی ونیس قاسم کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔

قاسم کو سچ مچ اس کی بیوی نے کوٹھی سے کہیں اور بھیج دیا تھا۔ حمید نے اس کے چہرے پر
ہوائیاں اڑتی دیکھیں۔

"کیا کہنا چاہتی ہیں آپ۔" حمید نے خالص آفیسرانہ انداز میں پوچھا۔

"حمید بھائی.... دیکھئے۔ اگر وہ مر گئی ہے تو اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔"

"آپ نے اسے کب دیکھا تھا۔"

"دو گھنٹہ پہلے وہ ہم سے گفتگو کر رہی تھی۔"

"کہاں....!"

"دیکھئے.... ٹھہرئیے.... مجھے شروع سے بتانا پڑے گا۔"

"ضرور بتائیے۔"

"آج کل قاسم صاحب پر لیڈی سیکریٹری کا بھوت سوار ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ ایک لیڈی سیکریٹری رکھنا چاہتے ہیں تاکہ بڑے آدمی معلوم ہو سکیں۔"

"ہوں.... تو پھر....!"

"میں نے سوچا کہ یہ بھوت اتر جائے تو بہتر ہے۔" اس نے کہا اور اشتہار بازی سے سیکریٹری کے اپائنٹمنٹ تک سب کچھ بتا گئی۔ اس کے بعد کہنے لگی۔ "بھلا بتایئے۔ میں اس کی موت کی خواہاں کیوں ہونے لگی۔"

"ہو سکتا ہے قاسم نے اس سے چھٹکارہ پانے ہی کے لئے....!"

"نہیں نہیں۔" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔ "ہرگز نہیں۔ وہ اسے رخصت کر دینے کے بعد میری نظروں کے سامنے ہی رہے ہیں۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "ٹھہریئے.... میں کرنل سے گفتگو کئے بغیر کوئی فیصلہ نہ کر سکوں گا۔ کیا میں آپ کا فون استعمال کر سکتا ہوں۔"

"کچھ کیجئے.... جلدی کیجئے ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔ حمید بھائی جان.... خدا کی پناہ مذاق کتنی مصیبتیں لائے گا.... ہائے چچا جان تو زندہ ہی دفن کر دیں گے۔"

"پرواہ مت کیجئے.... میں پتہ لگا کر انہیں بھی وہیں پہنچا دوں گا۔"

"اس وقت تو مذاق نہ کیجئے۔" وہ جھنجھلا گئی۔

حمید اس کمرے میں آیا جہاں فون تھا۔ قاسم کی بیوی کو وہ ہدایت کر آیا تھا کہ وہ وہاں نہ آئے۔ حمید نے کوٹھی کے نمبر رنگ کئے۔ دوسری طرف سے فریدی ہی نے ریسیور اٹھایا تھا۔ حمید نے قاسم کی بیوی کا بیان دہرایا۔

دوسری طرف سے ہلکے سے قہقہے کی آواز آئی اور پھر فریدی نے کہا۔ "میرا پہلے ہی خیال تھا کہ ضرور کچھ غلطی ہوئی ہے۔ خیر اگر یہ مذاق ہی ہے تو اسے جاری رہنا چاہئے۔ یعنی اسے قاسم کی سیکریٹری کی حیثیت سے کام کرنا چاہئے۔"

"خاصی تفریح رہے گی۔ کیوں؟" حمید نے ہنس کر کہا۔

"بہت زیادہ.... اور شاید اسی تفریح کے سہارے تم بھی کچھ کر سکو۔"

"دعا کرتا رہوں گا آپ کے لئے۔" حمید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس نے فریدی کو یہ نہیں بتایا کہ قاسم کی بیوی سے یہ بات اگلوائی کیسے تھی۔ اب سوال تھا

"معاملہ برابر" کرنے کا۔ وہ چند لمحے دروازے میں کھڑا رہا۔ پھر ایک زوردار قہقہہ لگا کر دہاڑا۔ "آپا جان۔"

"جی بھائی جان۔" قاسم کی بیوی دوڑی چلی آئی۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ حمید کو قہقہے لگاتے دیکھ کر بوکھلا گئی۔

"ارے سب ٹھیک ہو گیا۔" حمید نے پُرمسرت لہجے میں کہا وہ اب بھی ہنسے جا رہا تھا۔

"سچ....!" وہ بھی ہنس پڑی۔ "کیا ہوا۔"

"ارے اسے سکتہ ہو گیا تھا۔ کرنل نے ابھی بتایا ہے کہ اب ہوش میں آ گئی ہے اور آپ لوگوں کے وزیٹنگ کارڈ کے متعلق وہی بتایا ہے جو آپ ابھی بتا چکی ہیں۔ یعنی وہ قاسم کی سیکریٹری ہے۔"

"شکر ہے.... خدا کا.... آپ نے تو جان ہی نکال لی تھی حمید بھائی جان۔"

"اور اب پھر ڈال دی.... ہاہا.... ہے نا۔" حمید نے کہا اور پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر بولا۔ "آخر اسے سکتہ کیوں ہو گیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ اعصابی اختلال کی مریضہ ہو۔" قاسم کی بیوی نے کہا۔

"خدا جانے....!" حمید بولا۔

اور قاسم کی بیوی اس کی مدارات کے لئے انتظامات کرنے لگی۔ قاسم غائب تھا۔

ایک بار پھر حمید چائے کی میز پر نظر آیا۔ جہاں چائے کے ساتھ اس کی دوسری مرغوب چیزیں بھی تھیں۔ وہ قاسم اور اس کی سیکریٹری کے مستقبل کے بارے میں سوچ سوچ کر ہنستے رہے۔

لیکن ساتھ ہی مس ڈھو ایک موٹے سے سوالیہ نشان کی شکل میں اس کے ذہن پر مسلط ہو گئی تھی۔ وہ آخر تھی کیا بلا....؟ کیا چاہتی تھی۔ اس کی اور کرنل کی گفتگو سے تو حمید نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ فریدی نے اسے اس انٹرویو میں حصہ لینے پر مجبور کیا تھا....؟ کیوں آخر کیوں؟.... اس مذاق کی اسکیم نے تو قاسم کی بیوی کے ذہن میں جنم لیا تھا؟ پھر فریدی کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی؟

اس کی کہانی

آج حمید نے تہیہ کر لیا تھا کہ فریدی کو "اڑنے" نہیں دے گا۔ کیونکہ مس ڈھو اس کے لئے

سوہان روح بن کر رہ گئی تھی۔ ادھر فریدی کا یہ عالم تھا کہ ہر شام اس سے مس ڈھو کے متعلق رپورٹ ضرور طلب کرتا تھا۔ لیکن رپورٹ؟ اس کے علاوہ اور کوئی رپورٹ نہیں ہوتی تھی کہ قاسم آج کل کس کس انداز سے قلابازیاں کھا رہا ہے اور مس ڈھو اس کے لئے بھی وبالِ جان بن کر رہ گئی تھی۔ قاسم کی بیوی بے حد خوش نظر آتی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ ان دنوں اس کا وزن کئی پونڈ بڑھ گیا ہے۔

آج آفس سے واپسی پر حمید الجھ ہی گیا اور فریدی نے کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد کہا۔

"آخر تم اس سلسلے میں کیا معلوم کرنا چاہتے ہو۔"

"یہی کہ مس ڈھو آپ سے کیا چاہتی ہے اور آپ نے اسے قاسم والے انٹرویو کے لئے کیوں بھیجا تھا۔"

"یہ سب کچھ مضحکہ خیز ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "اسی لئے میں یہ کیس کلی طور پر تمہارے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔"

"یعنی مضحکہ خیز کیس اب میرے ہی سپرد کئے جایا کریں گے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"تم سمجھے نہیں۔ مطلب یہ کہ تمہاری ذہانت اسی وقت پر پرزے نکالتی ہے جب تم مضحکہ خیز حالات سے دوچار ہوتے ہو۔ اس لئے.... یہ کیس تم بہتر طور پر نپٹا سکو گے۔"

"مجھے آپ کی صحت کی فکر ہے جناب...." حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"کیا مطلب....!"

"اگر آپ نے کیس کلی طور پر میرے سپرد کرنا شروع کر دیا تو پھر آپ کی صحت کا کیا بنے گا.... میں آج کل آپ کو اداس بھی دیکھتا ہوں.... اکثر تنہائی میں ٹھنڈی آہیں بھرتے ہیں.... اور وہ تو میں جانتا ہی ہوں کہ ایک دن یہ پتھر موم ضرور ہوگا اور آپ کو کسی ایسی عورت سے محبت ہوگی جس کی طرف کوئی آنکھ اٹھانے کی ہمت بھی نہ کر سکے گا۔ مگر آخر بیچارے قاسم کی شامت کیوں آئی ہے۔ وہ مجھ سے رو رو کر کہتا ہے حمید بھائی خدا کے لئے اس سکریٹری سے پیچھا چھڑا دو.... اس سالی نے مجھ سے کوئی پرانی دشمنی نکالی ہے۔ بہلا پھسلا کر اسے سکریٹری کرا دیا۔"

فریدی ہنستا رہا۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولا۔

"کیا تم اسے مضحکہ خیز نہیں سمجھو گے کہ ایک بہت خوبصورت آدمی مس ڈھو سے شادی

کرنا چاہتا ہے۔"

"خیر آپ اتنے خوبصورت تو نہیں ہیں۔" حمید نے بسور کر خشک لہجے میں کہا۔

فریدی کے تیور بدلے لیکن پھر نہ جانے کیوں وہ حمید کے اس ریمارک پر دل کھول کر ہنسا۔

"گدھے.... وہ پریشان ہے۔"

"کون....!"

"مس ڈھو.... اور اس لئے پریشان ہے کہ ایک بہت خوبصورت آدمی کو اس سے محبت ہوگئی ہے اور وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"کیا یہ مس ڈھو کوئی کروڑ پتی عورت ہے۔"

"ایک ریٹائرڈ نرس ہے! شاید بدقت تمام بسر اوقات کر سکتی ہو۔"

"آہا.... تب تو اس کی کوئی مالدار چچی یا خالہ افریقہ کے جنگلوں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئی ہوگی اور اب یہ مس ڈھو اس کا ترکہ حاصل کر کے لیڈی ڈھولک کہلائے گی۔"

"فی الحال ایسی کوئی بات میرے سامنے نہیں آئی۔"

"میں کہتا ہوں آخر آپ کیوں دلچسپی لینے لگے ہیں۔ اس معاملے میں۔"

"اس لئے کہ دلچسپ ہے یہ معاملہ.... وہ اکثر بڑے عجیب و غریب حالات سے دوچار ہوتی رہی ہے۔ ان دنوں پھر اچانک اس کی زندگی میں ناقابل یقین واقعات رونما ہونے لگے ہیں۔"

"مثال کے طور پر۔"

"میرا خیال ہے کہ تم سب کچھ اسی کی زبانی سنو" فریدی نے کہا اور اس ملازم کی طرف متوجہ ہوگیا جو میز پر چائے لگا رہا تھا۔

حمید نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ اس نے تو ویسے بھی تہیہ کر لیا تھا کہ آج مس ڈھو سے ضرور نپٹے گا۔ قاسم کی بیوی نے آج اسے رات کے کھانے پر مدعو کیا تھا۔ مقصد غالباً یہی تھا کہ حمید بھی قاسم اور اس سکریٹری کی تفریحات میں شریک ہو سکے۔

سات بجے قاسم کی بیوی نے اسے فون پر پھر یاد دلایا کہ شام اسے ان کے ساتھ گزارنی ہے۔

پھر وہ بیس منٹ کے اندر ہی اندر قاسم کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔

یہاں اچھا خاصہ ہنگامہ برپا تھا۔ قاسم حلق پھاڑ رہا تھا اور اس کی بیوی دور کھڑی ہنس رہی

تھی۔ لیکن مس ڈھو موجود نہیں تھی۔ حمید کو دیکھ کر قاسم پر گویا "ڈبل" قسم کے دورے پڑنے لگے۔

"کیوں آپا جان.... کیا بات ہے۔" حمید نے اس کی بیوی کو مخاطب کیا۔

"ابے پھر جان کہا۔" قاسم دہاڑا.... "صرف آپا کہو۔"

"کیا بکواس ہے۔" قاسم کی بیوی نے کھسیاہٹ اور جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"ہائے تو یہ تمہیں جان کہیں۔" قاسم ناک پر انگلی رکھ کر لچکا۔

"میں کرسی پھینک دوں گی تم پر اگر بکواس کی۔"

"نہیں بلکہ خان بہادر صاحب کو فون کیجئے۔" حمید نے کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" اس نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

"اے.... اے.... سنو ٹھہرو۔" قاسم نے اس کے پیچھے دوڑنے کی کوشش کی مگر وہ تو ویسے بھی رک ہی گئی تھی۔

"کیا ہے۔"

"مم.... مطلب یہ کہ.... سنو تو.... کیا پھائیدہ....!"

"فائدہ ہو یا نہ ہو.... میں یہ چاہتی ہوں کہ تمہیں ایک آدھ ماہ کے لئے چپ لگ جائے۔"

"لگ جائے گی۔ لگ جائے گی۔ انشاء اللہ۔" قاسم نے بڑے خلوص سے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ وہ بُری طرح بوکھلا گیا تھا۔ شاید اس کے اس رویہ کا محرک یہ نکتہ بھی ہوا تھا کہ وہ اسے اس جان لیوا اسکریٹری سے بھی نجات دلائے گی۔

کچھ دیر کے لئے کمرے کی فضا پر سکوت طاری ہو گیا۔ لیکن قاسم کی بیوی کے چہرے پر اب بھی غصے کے آثار باقی تھے۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ لوگ ہر وقت لڑتے کیوں رہتے ہیں۔" حمید نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"اے.... میں تو مجاخ کر رہا تھا۔" قاسم نے دانت نکال دیئے۔

"اور کیا....!" حمید نے اس کی بیوی کی طرف دیکھ کر ایسے انداز میں کہا جیسے اس کے لئے سفارش کر رہا ہو۔

"نہیں میں تو فون کروں گی۔"

"حمید بھائی سمجھاؤ...." قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

بہرحال حمید نے اس کی بیوی کو سمجھانے کی ایکٹنگ میں کئی منٹ ضائع کئے اور جب وہ فون نہ کرنے پر آمادہ ہو گئی تو اس نے مس ڈھو کے متعلق پوچھا۔

"ارے.... تو میری جان جلانے آئے ہو۔" قاسم آنکھیں نکال کر دہاڑا۔ "کیا یہ چاہتے ہو کہ وہ ہر وقت میری چھاتی پر سوار رہا کرے۔ میں نہیں جانتا کہاں گئی ہے۔ خدا کرے اسے ہیضہ ہو جائے.... جہاں گئی ہو وہیں رہ جائے۔"

"تم چپ رہو۔ میں نے تم سے نہیں پوچھا۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا اور اس کی بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ اپنے کمرے میں ہو گی.... اب رات کو بھی یہیں رہتی ہے۔" قاسم کی بیوی نے بتایا۔

"نہیں.... تم اب اسے میری کھوپڑی پر باندھ دو.... ہر وقت اٹھائے پھرا کروں گا۔" قاسم جلے کٹے لہجے میں بولا۔

"پھر بہک رہے ہو۔ اٹھاؤں فون۔" اس کی بیوی نے دھمکی دی۔

"نہیں.... اب جنا جا.... اٹھاؤ میرا.... ایسی کی تیسی اس فون کی۔ سالا سمجھ میں نہیں آتا کیا قروں.... ابے ابا جان کب مرو گے تم....!" وہ ہاتھ اٹھا کر چیخا.... مگر شاید یہ جملہ بدحواسی ہی میں زبان سے نکلا تھا۔ کیونکہ اس کے بعد ہی ایسا معلوم ہوا جیسے فرشتہ موت نے اس کی روح قبض کر لی ہو۔ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ آنکھیں ویران ہو گئیں۔

"کیا کہا تم نے....!" بیوی آنکھیں نکال کر غرائی۔

"ارے باپ رے۔" قاسم نے سہم کر آنکھیں بند کر لیں اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "گلتی ہو گئی۔ یہ سالی زبان پھسل جاتی ہے۔" پھر ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "خدا کے لئے ماپھ کر دو.... میں جبان کاٹ کر پھینک دوں گا۔ خدا کرے میں مر جاؤں.... ابا جان پر کربان ہو جاؤں۔"

اس کی بیوی منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ دراصل وہ ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم ہی سمجھاؤ.... حمید بھائی۔" قاسم نے بسور کر اس سے کہا۔

حمید نے سوچا کہ اس وقت وہ قاسم کو ہزاروں گالیاں دے سکتا ہے اس کی پیشانی پر شکن تک نہ آئے گی۔ لہٰذا کچھ کہنے سے پہلے اسے پوری طرح ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کرنی پڑی۔

"آپا جان....!" وہ آخر کار لمبی لمبی سانسیں لے کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ قاسم سور ہے، چمار ہے، مردود ہے، گدھا ہے اور پتہ نہیں کیا کیا ہے۔ لیکن اس بار معاف کر دو۔ خان بہادر صاحب سے شکایت نہ کرو۔"

"اور کیا....!" قاسم نے سر ہلا کر کہا۔ "میں خود ہی کہتا ہوں کہ میں بالکل گدھا ہوں۔"

"آپ کو اعتراف ہے۔" بیوی نے تیزی سے اس کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"ارے.... ہاں.... ہاں اور کتا بھی ہوں۔" قاسم نے بڑے خلوص سے کہا۔

بیوی بڑی تیزی سے کمرے سے نکل گئی اور حمید پھوٹ پڑا۔

"ہنس لو.... ہنس لو" قاسم نے دانت نکال کر زہریلے لہجے میں کہا۔ "اللہ نے چاہا تو کبھی تم پر بھی گجب نازل ہو گا۔"

"ابے میں نے کیا کیا....!" حمید نے ہنستے ہوئے آنکھیں نکالیں۔

"تم قیوں آئے ہو.... قس نے بلایا ہے۔"

"مجھے مس ڈھو نے بلایا تھا۔"

"قیوں....؟"

"پتہ نہیں.... شاید وہ مجھ سے عشق کرے گی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"ابے.... تم ہوش میں ہو یا نہیں.... یہاں عشق کرو گے۔ میرے گھر میں۔"

"ہاں....!"

"ذرا کر کے تو دیکھو.... میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں.... لاٹ صاحب ہو گے اپنے گھر کے۔"

"تمیز سے بات کرو بیٹا۔ میرے کانوں نے سنا ہے تم نے اپنے باپ کو کوسا تھا۔"

"اچھا قیا تھا۔" قاسم اکڑ گیا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم دل سے چاہتے ہو ان کی موت.... نہیں مریں گے تو زہر دلواؤ گے.... میں ابھی انہیں فون پر ہوشیار کئے دیتا ہوں۔"

قاسم ایک بار پھر سناٹے میں آ گیا۔ ذہنی رو پھر خوف کے راستے پر آ گئی اور اس نے کھسیانی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "کیا واقعی وہ تم سے عی شق کرنے لگی ہے۔"

"میرا یہی خیال ہے۔"

"ارے پیارے بھائی لے جاؤ اسے یہاں سے۔" قاسم گھگھیایا۔

"پھر تم کیا کرو گے.... تمہیں لیڈی سیکریٹری کی ضرورت ہے۔"

"پیچھا چھڑاؤ میرا نہیں تو میں مر جاؤں گا.... ہائے اس گلہری کی بچی نے نہ جانے کیا گھپلا کر دیا۔"

"اچھی بات ہے.... مجھے مس ڈھو کے کمرے تک لے چلو میں اسے یہاں سے کھسکانے کی کوشش کروں گا۔"

"چلو....!" قاسم خوش ہو گیا۔

"مگر ہماری گفتگو چھپ کر سننے کی کوشش مت کرنا۔"

"اللہ قسم اگر کروں تو رانڈ ہو جاؤں.... رانڈ.... ارے نہیں.... وہ کیا کہتے ہیں.... ٹھینگے کہتے ہوں گے کچھ.... نہیں حمید بھائی نہیں میں بہت دور چلا جاؤں گا کمرے سے۔"

"اور بیوی کو بھی ادھر مت آنے دینا۔"

"ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا.... جا کر تو دیکھے.... اور نہیں تو کیا۔ میں نہیں ڈرتا ورتا کسی سے۔" قاسم حمید کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچنے لگا۔

مس ڈھو کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ قاسم اسے وہیں چھوڑ کر واپس آ گیا۔ حمید کو یقین تھا کہ قاسم چھپ کر ان کی گفتگو سننے کی کوشش نہیں کرے گا۔

حمید نے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی۔

"اوہ.... آپ....!" مس ڈھو نے غالباً حیرت سے کہا اس کے سپاٹ چہرے سے تو جذباتی تغیر کا اندازہ کرنا قطعی ناممکن تھا۔ لہجے ہی کی بناء پر البتہ کبھی کبھی یہ سوچا جا سکتا تھا کہ وہ بھی جذبات سے عاری نہیں ہے۔

حمید نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ کھلا ہی رہنے دیا تاکہ کسی کے چھپ کر سننے کا امکان باقی نہ رہ جائے۔

"تمہارا کیس اب میرے پاس ہے۔" حمید نے کہا۔

"جی ہاں! مجھے کرنل صاحب نے مطلع کیا تھا۔"

"تفصیل میں تمہاری ہی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔"

مس ڈھو کسی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر بولی۔ "بار بار دہرانے سے بھی الجھن ہوتی ہے کیا کر
صاحب نے آپ کو نہیں بتایا۔"

"میں نے کہا تھا کہ میں تفصیل تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔"

"ایک ایسا آدمی مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے جو بہت خوبصورت ہے۔ مالدار ہے اور عمر
مجھ سے چھوٹا ہے۔"

"ابھی اس کی نوبت تو نہیں آئی کہ محکمہ سراغ رسانی شادی بیاہ کرانے کے ادارہ میں تبد
ہو جائے۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آپ نہیں سمجھے۔" مس ڈھو مسکرائی اور حمید نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں۔ م
ڈھو نے کچھ دیر بعد کہا۔ "آج سے پچیس برس پہلے بھی میں ایسے ہی ایک واقعہ سے دوچار ہو کر
جانے کیا کیا بھگت چکی ہوں۔ ان دنوں میں سرکاری ہسپتال میں نرس تھی۔"

وہ پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی اور حمید کو تاؤ آگیا اور اس نے کہا۔

"کیا سرکاری ہسپتال میں نرس ہونے کیلئے بھی کسی پُراسرار مرحلے سے گذرنا پڑتا ہے۔"

"ٹھہریئے! میں بتاتی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں سے شروع کروں، مگر کپتان
صاحب خدارا طنزیہ لہجہ نہ اختیار کیجئے۔ میرے حالات مضحکہ خیز مگر بھیانک ہیں۔ کرنل صاحب
رویہ تو بے حد ہمدردانہ رہا ہے۔ ایسا شریف پولیس آفیسر آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا
مجھے بالکل ایسا معلوم ہوا تھا جیسے باپ یا ہمدرد بڑے بھائی سے اپنا رونا رو رہی ہوں.... میں
ڈرتے ڈرتے ان کے پاس گئی تھی.... میں سمجھتی تھی بڑے خونخوار آدمی ہوں گے مگر میرے
خدا.... وہ تو خدا کی رحمت ہیں.... ان کے قریب رہ کر ایسا ہی محسوس ہوتا ہے جیسے چلچلاتی ہوئی
دھوپ کے مسافر کو کسی تناور اور گھنے درخت کی چھاؤں نصیب ہو گئی ہو۔"

"مس ڈھو پلیز.... غیر متعلق باتیں نہ چھیڑو تو بہتر ہے۔" حمید نے گھڑی کی طرف دیکھتے
ہوئے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

"ہسپتال میں ایک ڈاکٹر تھا جوان العمر تھا صحت مند تھا لیکن اتنی خوفناک شکل والا کہ لوگ
مریض بچوں کو اس کے پاس نہیں لے جاتے تھے۔ میں بیان نہیں کر سکتی کہ وہ کتنا بدصورت
ڈراؤنا تھا۔ شاید اس کا باکمال ہی ہونا وہاں اس کی موجودگی کا باعث بنا تھا۔ ورنہ میڈیکل بورڈ

ے آدمی کو رکھنا کب پسند کرتا ہے جسے دیکھ کر ہی مریضوں کی حالت غیر ہو جاتی تھی۔ وہ
رجری کا ماہر تھا۔ نازک سے نازک آپریشن اتنی صفائی سے کرتا کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ مجھے تو یاد
نہیں پڑتا کہ کبھی اس کا کوئی کیس ناکام رہا ہو۔ مگر وہ چہرے پر نقاب لگائے بغیر آپریشن تھیٹر میں
ہیں داخل ہوتا تھا۔ شروع شروع میں ایک بار جب وہ نقاب آپریشن کرتے ہی وقت لگایا کرتا تھا
یک مریضہ اس کی شکل ہی دیکھ کر چیخ مار کر بیہوش ہو گئی تھی تب سے وہ احتیاط برتنے لگا تھا۔
اب لگائے بغیر آپریشن تھیٹر میں نہیں داخل ہوتا تھا۔"

مس ڈھو پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

"تب تو وہ ڈاکٹر آپریشن کرنے سے پہلے کلوروفارم وغیرہ کا جھگڑا نہ پالتا رہا ہو گا۔" حمید نے کہا۔

"میں نہیں سمجھی جناب۔" وہ چونک پڑی۔

"مطلب یہ کہ ادھر مریض نے جلوہ دیکھا اور ادھر بیہوش۔ پھر کلوروفارم کی ضرورت
ہاں باقی رہی۔"

"جی ہاں۔" وہ ہنس پڑی۔ "ہونا تو یہی چاہئے تھا۔ مگر اس واقعہ کے بعد سے اس نے یہ
شش کی تھی کہ آئندہ اس کا کوئی ایسا مریض جس کا آپریشن ہونا ہو اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔ ہاں
وہ بے حد چڑچڑا تھا۔ سب اس سے نفرت کرتے تھے۔ اسے کوئی بھی دوست بنانا پسند نہیں کرتا
ا۔ عورتیں اس سے دور بھاگتی تھیں۔ میں نے کبھی اس کے ساتھ کوئی عورت نہیں دیکھی۔
سیں اس کے قریب جاتے ہوئے ڈرتی تھیں۔ میں نے کبھی کسی نرس کو نہیں دیکھا کہ اس سے
ام کی باتوں کے علاوہ اور کسی قسم کی باتیں کی ہوں وہ عموماً خاموش ہی رہا کرتا تھا۔ کبھی کسی سے
یر ضروری گفتگو کرتا ہوا نہیں دیکھا گیا تھا۔"

"مگر....!"

"ٹھہریئے کیپٹن.... اب میں اصل معاملہ کی طرف آرہی ہوں۔ مجھے آپ دیکھ ہی رہے
یں مجھے بھی کبھی کسی نے منہ نہیں لگایا۔ لوگ میرے منہ پر میری ہنسی اڑاتے ہیں اس لئے مجھے
اکٹر ڈوبے سے ہمدردی تھی لیکن مجھے اس سے خوف معلوم ہوتا تھا۔ میں اس سے ڈرتی تھی۔ اس
کے سامنے پہنچتے ہی کانپنے لگتی تھی لیکن اس نے مجھے کبھی اپنے غصے کا شکار نہیں بنایا۔ کبھی میرے
لئے چڑچڑاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ خوبصورت نرسوں کو وہ اکثر گالیاں بھی دے بیٹھتا تھا۔ مارنے

دوڑتا تھا لیکن مجھ سے کبھی تلخ کلامی نہیں کی۔ مجھ سے گفتگو کرتے وقت اکثر مسکرایا بھی کرتا تھا۔ ایک قطعی غیر معمولی حرکت تھی۔ کیونکہ عام طور پر اس کی معمولی گفتگو بھی غضب ناک لہجے میں ہوتی تھی۔"

حمید نے دیکھا کہ وہ مسکرا رہی ہے۔ نہ جانے کیوں اس کی ہڈیاں سلگ کر رہ گئیں اسے اس کی مسکراہٹ ایسی ہی زہر لگتی تھی۔ اس نے فوراً ہی اس کے چہرے سے نظر ہٹالی اور بیان سنتا رہا۔

وہ کہہ رہی تھی "ایک شام میں تھیٹر دیکھنے گئی تھی۔ آغا حشر کا کوئی ڈرامہ اسٹیج کیا جانے والا تھا۔ میں تنہا تھی۔ وہاں ڈاکٹر دوبے سے ملاقات ہوگئی۔ وہ بھی ڈرامہ دیکھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس نے مجھے مدعو کیا میں انکار نہ کرسکی۔ لیکن مجھے بڑی کوفت ہو رہی تھی۔ بھلا سوچئے تو بدصورتی کے اس جوڑے نے کیا قیامت ڈھائی ہوگی۔"

مس ڈھو بیساختہ ہنس پڑی۔ حمید صرف مسکرایا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر بولی۔ "ہاں تو جناب لوگ ہمیں دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ پھر میں نے ڈاکٹر کو اداس ہوتے دیکھا۔ وہ بے حد مضطرب ہوگیا تھا۔ ہم نے بڑے بددلی سے ڈرامہ دیکھا۔ لیکن ساتھ ہی میں اپنے خیالات پر خود کو برا بھلا کہتی رہی اور سوچتی رہی کہ مجھے ہر حال میں ان کا دل رکھنا چاہئے سب اس سے نفرت کرتے ہیں۔ شاید وہ اسی توقع پر میری طرف جھک رہا ہے کہ میں بدصورت ہوں مجھے بھی کوئی نہیں پوچھتا۔ شاید اسے قبول کرلوں۔"

وہ خاموش ہوگئی۔ حمید کو بھی چونکنا پڑا کیونکہ کوٹھی کے کسی حصہ میں شور ہو رہا تھا۔ حمید اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرکے باہر نکل گیا۔

حمید کی گرفتاری

دروازے سے نکلتے ہی وہ کسی سے ٹکرایا اور اس کی چیخ سنی۔ یہ قاسم کی بیوی تھی۔

"حمید بھائی.... خدا کے لئے جلدی چلئے۔ پتہ نہیں وہ کون ہے۔ اس نے ایک ملازم کو پیٹ ڈالا اور اب باہر کھڑا للکار رہا ہے۔ دوسرے ملازم ڈر کر اندر بھاگ آئے ہیں۔"

حمید ہال کی طرف جھپٹا۔ ادھر ہی سے باہر جانے کا راستہ تھا۔

ہال والی راہداری میں اس نے قاسم کی آواز سنی۔ شاید وہ کسی کمرے سے چیخ رہا تھا۔ "ارے کھولو.... میں بتاؤں سالے کو.... کھولو.... نہیں تو دروازہ توڑ دوں غا.... اے بیغم.... میں تمہاری بھی گردن مروڑ دوں گا۔"

حمید نے چلتے چلتے رک کر اس کی بیوی کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے۔"

"ارے میں نے انہیں کمرے میں بند کردیا ہے۔ پتہ نہیں کیا ہو جائے۔ ادھر باہر کے دروازے بند کرادیئے ہیں مگر وہ آدمی بھی دروازے توڑ ڈالنے کی دھمکی دے رہا ہے۔"

حمید بڑھتا چلا گیا۔ اس کے پیچھے مس ڈھو، قاسم کی بیوی اور تین ملازم بھی تھے۔ نشست کے کمرے کے ایک دروازے پر باہر سے کوئی زور آزمائی کر رہا تھا۔ پاٹ چرچرا رہے تھے۔

"کون ہے....؟" حمید نے گرج کر پوچھا۔

"مس ڈھو کو باہر نکالو....!" بھرائی ہوئی سی بھاری آواز آئی۔

حمید مسکرا کر قاسم کی بیوی کی طرف مڑا۔

"آپ قاسم کو احمق سمجھتی ہیں محترمہ....!" اس نے کہا۔ "وہ اس وقت کتنی شاندار ایکٹنگ کر رہا ہے۔"

"اوہ.... تو کیا....!"

"مس ڈھو باہر آؤ" باہر سے پھر آواز آئی۔ "ورنہ ایک ایک کو چن چن کر قتل کردوں گا۔"

حمید نے ان دونوں کو اشارہ کیا کہ وہ اندر جائیں۔ دونوں چپ چاپ مڑ گئیں۔ ملازم وہیں موجود رہے۔ حمید نے ملازمین سے چپکے سے کہا۔ "تم لوگ دروازے کے قریب دیوار سے چپک کر کھڑے ہو جاؤ۔ جیسے ہی دروازہ کھلے اُس پر ٹوٹ پڑنا۔"

ملازموں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"نہیں صاحب۔" ایک نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "ہم نے رجب کا حال دیکھا ہے۔ پتہ نہیں مر رہا ہے یا مر گیا۔"

"کیا مطلب....!"

"ہم نے اسے کمپاؤنڈ میں روکنے کی کوشش کی تھی، چاروں لپٹ گئے تھے۔ لیکن اس نے

رجب کو اپنے سر سے اونچا اٹھا کر پٹخ دیا تھا جناب۔"

"مس ڈھو....!" باہر سے پھر آواز آئی۔

"دروازہ کھول دو.... میں دیکھوں گا یہ کون ہے۔" حمید نے گرج کر کہا۔

"بہتری اسی میں ہے کہ دروازہ کھول دو۔ ورنہ پوری عمارت کھنڈر ہو جائے گی۔"

ایک ملازم ڈرتے ڈرتے دروازے کی طرف بڑھا اور چٹخنی گرا کر تیزی سے پیچھے ہٹ آیا۔

کمرے میں داخل ہونے والا اتنا دراز قد تھا کہ اسے سات فٹ اونچے دروازے سے گز
وقت جھکنا بھی پڑا تھا۔

اس کا چہرہ اتنا بھیانک تھا کہ اس کے بیان کے لئے الفاظ تلاش کرنے میں بھی دشو
ہوتی۔ ڈیل ڈول کے معاملہ میں قاسم سے بیس ہی تھا۔ لباس بے حد عجیب.... جو تن پوشی
اور عریانی کا مظہر بھی.... جو چیز اس نے جسم کے نچلے حصے پر پہن رکھی تھی ٹانگوں سے چپک
رہ گئی تھی اور اوپری حصے پر چمڑے کی جیکٹ تھی۔ سر پر بڑے بالوں والی سفید ٹوپی تھی۔ جسے
سنبھالے رکھنے کے لئے ایک چرمی تسمہ ٹھوڑی سے کنپٹیوں تک کسا ہوا تھا۔

"مس ڈھو کو میرے حوالے کر دو۔" وہ حمید کو گھورتا ہوا بولا۔

حمید کی پلکیں جھپک گئیں۔ اس کی آنکھیں بے حد چمکیلی تھیں۔ حمید نے محسوس کیا کہ و
سے آنکھیں نہیں ملا سکتا۔ اور پھر اب اسے احساس ہوا کہ نوکر بھی وہاں سے کھسک چکے ہیں۔

"تم کون ہو۔" اس نے اپنی آواز میں گرج پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔
صرف کانپ کر رہ گئی۔

"میں کوئی بھی نہیں ہوں.... مس ڈھو کو بلاؤ۔"

"تم چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ! ورنہ بہت بری طرح پیش آؤں گا۔" حمید نے
محسوس کیا کہ اس کا لہجہ کچھ خوفزدہ سا ہے اور اسے اپنی کمزوری پر تاؤ آ گیا۔

"سامنے سے ہٹ جاؤ۔" خوفناک اجنبی غرایا۔ حمید نے اس کی آنکھوں کی وحشت
ہوئی سی محسوس کی۔ وہ بآسانی کشت و خون کر سکے گا۔ حمید نے اس کے تیور دیکھ کر
دوسرے ہی لمحے میں اس کا ریوالور کوٹ کی جیب سے باہر آ گیا۔

"یہ کیا ہے۔" خوفناک اجنبی نے پوچھا۔

"پیچھے ہٹو ورنہ گولی مار دوں گا۔"

"مار کر دیکھو....!" وہ حمید کی طرف جھپٹا اور حمید نے اس کے پیروں پر فائر جھونک
دیا.... اور پھر اتنا زور دار دھماکہ ہوا کہ فائر کی آواز اس میں دب کر رہ گئی۔ حمید کو دھچکا سا لگا اور
وہ پچھلی دیوار سے ٹکرا کر ڈھیر ہو گیا۔ لیکن سوچنے سمجھنے کی صلاحیت باقی تھی۔ کانوں میں
سیٹیاں سی بج رہی تھیں، شاید یہ دھماکے کا اثر تھا۔ وہ بڑی تیزی سے دروازے کی طرف رینگ
گیا۔ کیونکہ کمرہ دھوئیں سے بھر گیا تھا اور اب وہ وہاں ٹھہر کر سانس نہیں لے سکتا تھا۔

راہداری میں بھی وہ گھٹنوں ہی کے بل چلتا رہا۔ دھماکہ اس کے اعصاب پر بری طرح اثر
انداز ہوا تھا کہ وہ فی الحال سیدھا نہ کھڑا ہو سکتا پھر راہداری میں بھی کمرے کا دھواں گھس آیا مگر وہ
اتنا گہرا نہیں تھا کہ سانس لینے میں بہت زیادہ دشواری ہوتی۔

وہ گھٹنوں کے بل رینگتا رہا۔

راہداری کے سرے پر کوٹھی کے افراد کھڑے اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ پھر کسی کو
ایک دھوئیں کا احساس ہوا اور اس نے "آگ آگ" چیخنا شروع کر دیا۔

"ارے.... انہیں کمرے سے نکالو۔" قاسم کی بیوی چیخی اور اس کے بعد حمید کی طرف دوڑ پڑی۔

"کیا ہوا حمید بھائی.... اٹھئے.... کیا آگ لگ گئی ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔" حمید نے کہہ کر اٹھنے کی کوشش کی۔

"پھر.... پھر.... یہ دھواں.... یہ دھماکہ....!"

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

وہ بالآخر دیوار کا سہارا لے کر اٹھنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ لیکن اس کے پیر کانپ رہے تھے۔

"وہ.... چلا گیا جناب۔" ایک نوکر نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"میں نے اسے گولی مار دی۔"

"میرے.... خدا....!" قاسم کی بیوی چیخ پڑی۔ اب وہ اور زیادہ سہم گئی تھی۔

اتنے میں قاسم شور مچاتا ہوا راہداری میں داخل ہوا۔

"ارے.... آغ.... آغ.... بھاغو.... سالو.... یہاں کیوں مر رہے ہو۔ ارے او گلہری
ل کر مر جائے گی.... نقلو یہاں سے کتنا دھواں ہے۔"

"آگ نہیں ہے صاحب.... صرف دھواں۔" پشت سے کسی نے کہا اور قاسم الٹ پڑا۔

"میں دوسری طرف جاکر دیکھ آیا ہوں۔ آگ نہیں ہے۔" ایک ملازم ہانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "مگر ڈرائنگ روم میں خون ہی خون ہے۔ صرف دھواں ہے لاش ہے.... ارے باپ رے۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم نے اچھل کر اس کا آخری جملہ دہرایا اور حمید کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ "اے تم کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔ میری کوٹھی میں لاش کیسی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ آہستہ سے ڈرائنگ روم کی طرف مڑ گیا۔ اب وہ اپنے پیروں میں سکت محسوس کرنے لگا تھا کہ کچھ دور چل سکے۔

دھوئیں کا حجم بڑھنے سے کثافت کم ہو گئی تھی.... وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ یہاں ابھی ہلکا سا دھواں باقی تھا.... لیکن وہ لاش؟

حمید اسے گھورنے لگا۔ وہ کسی چھت سے گرے ہوئے شہتیر کی طرح کمرے کے وسط میں پڑی تھی اور اس پر ایک گول میز الٹی پڑی تھی۔

"اوہ....!" حمید کی آنکھیں یک بیک حیرت سے پھیل گئیں۔ لاش کا سر کہاں تھا؟

شانوں سے سر گردن سمیت غائب تھا اور شانوں کے درمیانی غار سے گاڑھا گاڑھا خون رس رہا تھا۔

"ارے.... یہ تو بالکل مر گیا۔ ارے باپ رے۔" اس نے قاسم کی آواز سنی اور چونک کر مڑا۔

"تم قہہ رہے تھے توم نے اسے غولی ماڑی ہے۔"

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا اور قاسم نے اس سے بھی زیادہ زور زور سے گردن ہلائی۔ شاید وہ اس جواب پر جھلا گیا تھا۔

"ابے.... تو باہر لے جاکر مارلی ہوتی۔ سارے کمرے کا ستیاناس کر دیا۔" قاسم دہاڑا۔

"خاموش رہو۔" حمید نے سخت لہجے میں کہا۔ "جاؤ یہاں سے۔ کوئی ادھر نہ آئے۔ سرکاری حکم ہے۔"

"ہائے رے سرقاری حوکم۔" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "ابے تم نکل جاؤ میری کوٹھی سے ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ تم سالے منحوس ہو۔ جہاں جاتے ہو وہاں آسمان سے لاشیں ٹپکتی ہیں۔"

"بیہودگی مت کرو.... میرے ساتھ آؤ۔ پتہ نہیں رجباز ندہ ہے یا مر گیا۔"

"قیوں....؟"

"اس نے اسے اٹھا کر پھینک دیا تھا۔"

"ارے تو وہ بے حیا.... کپڑے جھاڑ کر کھڑا ہو گیا ہو گا۔"

"چلو آؤ....!" حمید دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

کمپاؤنڈ سنسان پڑی تھی۔ وہ پھاٹک کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ کیونکہ رجبا چوکیدار تھا اور پھاٹک سے ملحقہ کوٹھری میں رہتا تھا۔

اس نے اسے ایک ڈھیر کی شکل میں زمین پر پڑا دیکھا۔ سانس چل رہی تھی۔ لیکن وہ بیہوش تھا۔ ظاہری چوٹ کہیں نظر نہ آئی۔ زمین پر خون کا ہلکا سا دھبہ بھی نہیں تھا۔

اتنے میں قاسم بھی وہاں پہنچ گیا۔

"اسے اٹھا کر اندر لاؤ قاسم۔ میں فون کرنے جا رہا ہوں۔"

"اٹھاؤں۔" قاسم نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں! یہ زندہ ہے! جلدی کرو۔ ورنہ سردی سے اکڑ کر مر ہی جائے گا۔"

حمید دوڑتا ہوا پھر اندر آیا اور دوسروں کی باتوں کا جواب دیئے بغیر سیدھا اس کمرے میں چلا آیا جہاں فون تھا۔ بڑی تیزی سے گھر کے نمبر ڈائیل کیے۔

فریدی دوسری طرف موجود تھا۔

"قاسم کی کوٹھی میں فوراً پہنچئے.... یہاں ایک لاش ہے۔"

"کس کی....!"

"آپ آیئے.... فون پر میں کچھ نہ بتا سکوں گا۔ مطلب یہ کہ میں کوشش بھی کروں تو واقعات من و عن نہ بیان کر سکوں گا۔ جلد آیئے۔"

"اچھا....!" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

اب حمید کو پھر قاسم کی بیوی اور مس ڈھو کا سامنا کرنا پڑا۔

"وہ کون تھا جناب۔" مس ڈھو نے کانپتی ہوئی سی آواز میں پوچھا۔

"یہ تم ہی بتا سکو گی۔" حمید آنکھیں نکال کر غرایا۔

"میں کیا جانوں جناب۔"

"تمہیں یہاں سے لے جانے کا مطالبہ کرنے والا تمہارے لئے اجنبی تو نہیں ہو سکتا۔"

"میں نے اسے دیکھا کب تھا جناب۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"پھر جو آپ کا دل چاہے سمجھئے۔ میں تو نہیں جانتی کہ وہ کون تھا اور مجھے کیوں لے جانا چاہتا تھا۔ اوہ ٹھہریئے.... کیا وہ بہت خوبصورت آدمی تھا۔"

"بے حد....!" حمید کی مسکراہٹ زہریلی تھی۔

"اور آپ نے اسے مار ڈالا۔" وہ متحیرانہ انداز میں چیخی۔

"شور مت مچاؤ.... ابھی تمہیں اس ڈرامہ کا مطلب بھی سمجھانا پڑے گا۔"

"میرے خدا۔"

"ابے حمید بھائی.... قہاں ہو۔" عمارت کے کسی گوشے سے قاسم کی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک ملازم دروازے میں دکھائی دیا۔

"ادھر.... آؤ۔" حمید نے آواز دی۔ "اس عورت کے ساتھ رہو۔ یہ بھاگنے نہ پائے۔"

دوسرے ہی لمحے میں ملازم مس ڈھو کے سر پر مسلط تھا۔

حمید کمرے سے راہداری میں آیا۔ یہاں قاسم سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

"ارے حمید بھائی۔ میرا کھیال ہے کہ اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی ہیں۔" قاسم نے کہا۔

"اوہ....! اسے تو بھول ہی گیا تھا۔" حمید پھر فون والے کمرے کی طرف پلٹ گیا قاسم اس کے پیچھے تھا۔

اس بار حمید نے سول ہسپتال کے نمبر رنگ کر کے ایک ایمبولینس گاڑی طلب کی اور پھر قاسم کے ساتھ اس کمرے میں آیا جہاں بے ہوش رجبا ایک مسہری پر پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"اوہ.... ہاں.... یہ دونوں پنڈلیاں متورم ہیں۔" حمید نے کہا۔ "یقیناً پیر بیکار ہو گئے ہیں۔"

"یہ سب قیا ہو غیا حمید بھائی۔"

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر فساد کی جڑ تمہاری سیکریٹری ہے۔"

"ارے وہ تو موت کی جڑ ہے موت قی! تم فساد کی کہہ رہے ہو۔ جیل بھجواؤ سالی کو جلدی سے۔"

"میں کچھ نہیں کر سکتا۔ کرنل صاحب کو فون کیا ہے۔"

"ارے تو وہی قیا قرلیں گے۔" قاسم جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ وہ شاید پھر سنک گیا تھا۔

"خاموش رہو۔"

"ابے واہ میرے ہی گھر میں مجھ پر دھونس گانٹھتے ہو۔"

"قاسم چلے جاؤ یہاں سے ورنہ کچھ ہو جائے گا۔"

"اب اور قیا ہو جائے گا.... میرے دم نکل آئے گی۔"

اتنے میں فریدی کی آمد کی اطلاع ملی اور حمید دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم کی طرف چلا گیا۔ فریدی تنہا تھا اور متحیرانہ نظروں سے لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"یہ واقعہ شائد تمہاری موجودگی ہی میں ہوا ہے۔"

"میں نے ہی اس پر گولی چلائی تھی۔"

"تم نے....!"

"جی ہاں....!" حمید نے کہا اور جلدی جلدی اسے سب کچھ بتانے لگا۔ فریدی درمیان میں اسے ٹوکتا بھی جا رہا تھا۔ بہر حال جب حمید خاموش ہوا تو اسے احساس تھا کہ بیان تشفی بخش ہوا ہے۔ اپنی دانست میں اس نے کوئی تفصیل نہیں چھوڑی تھی۔

فریدی ایک بار پھر لاش پر جھک پڑا اور تھوڑی دیر بعد اس نے حمید سے پوچھا۔

"تم نے کس جگہ گولی ماری تھی۔"

"ران میں.... غالباً داہنی ران تھی۔" حمید نے جواب دیا۔

"مگر اس کا سارا جسم بے داغ ہے۔"

"میرا دعویٰ ہے کہ گولی اس کی ران پر پڑی تھی۔ مگر وہ دھماکہ۔"

فریدی براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں حراست میں لے رہا ہوں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا مطلب....!"

"تم اس وقت تک حراست میں رہو گے جب تک کہ اس کا معاملہ صاف نہ ہو جائے۔"

"کیا آپ سنجیدہ ہیں۔"

"قطعی....!" فریدی نے کسی قسم کی کمزوری ظاہر کئے بغیر کہا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا۔" حمید کے لہجے میں جھلاہٹ تھی لیکن اس نے جملہ پورا کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"تم اعتراف کر رہے ہو کہ تم نے اس پر گولی چلائی تھی اور ساتھ ہی کسی دھماکے کی کہانی بھی سناتے ہو۔ اس کا سر گردن سمیت غائب ہے۔ میں دیواروں پر چھیچھڑے لپٹے ہوئے دیکھ رہا ہوں جن میں شاید سر کا گودا بھی شامل ہے۔ ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ تم پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملنے تک حراست میں رہو۔ یہ معاملہ کافی الجھاوے رکھتا ہے.... اس لئے میں مجبور ہوں۔"

"تو اب مجھے سلاخیں نصیب ہوں گی کیوں؟" حمید کا موڈ بالکل خراب ہو گیا تھا۔

"حمید میں مجبور ہوں۔ کیا تم میری بدنامی کے خواہاں ہو۔"

حمید چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر مسکرایا۔ غالباً اسے فریدی کی دشواریوں کا احساس ہو گیا تھا۔ آج کل محکمے میں اس کے دشمنوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔

"مگر اس عورت مس ڈھو کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"تاوقتیکہ وہ اپنی پوزیشن صاف نہ کر دے وہ بھی حراست میں رہے گی۔ اس کے لئے میں طویل مدت کا ریمانڈ لوں گا تاکہ ضمانت کا سوال ہی نہ پیدا ہو۔ بس اب فی الحال تم سرکاری معاملات میں مجھ سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کرو گے۔ کیونکہ اب تمہاری حیثیت دوسری ہے۔"

"تو کیا معمولی حوالات....!"

"میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ابھی تمہارا معاملہ ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کے سامنے پیش کر رہا ہوں، جیسا وہ مناسب سمجھیں گے کریں گے۔ میں اپنی ذمہ داری پر تمہیں کسی قسم کی چھوٹ نہیں دے سکوں گا۔"

"چلئے یہ تجربہ بھی سہی۔" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "آج آپ مجھے حراست میں لے رہے ہیں۔"

فریدی بے حد متفکر نظر آ رہا تھا۔ ذرا ہی سی دیر میں قاسم کو بھی اس کا علم ہو گیا کہ حمید حراست میں ہے۔ پہلے تو اسے حیرت ہوئی لیکن پھر اس نے بیوی کو آنکھ مارنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "امے قوئی چال ہو گی.... یہ دونوں بڑے کھنز ناخ ہیں۔"

تحیر خیز اطلاع

دوسری شام حمید کو حوالات سے رہائی نصیب ہوئی اور اس کے دل میں سجدۂ شکر بجالانے کا خیال تک نہ آیا۔ وہ حوالات ہی کچھ اس قسم کی تھی۔

وہ دن بھر ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کی کوٹھی کے ایک کمرے میں بیٹھا وائیلن بجاتا رہا تھا۔ تقریباً پانچ بجے فریدی پہنچا اور اس نے اطلاع دی کہ اب اس پر سے ساری پابندیاں ہٹالی گئی ہیں اور وہ پھر بدستور اس کیس میں کام کرے گا۔

"یہ بڑا عجیب معاملہ ہے۔" فریدی نے واپسی پر کہا۔ "بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"مگر میری گردن کیسے چھوٹی۔" حمید نے بُرا سامنہ بنا کر پوچھا۔

"اس کمرے میں تمہارے ریوالور کی گولی مل گئی ہے وہ مخالف سمت کی دیوار سے ٹکرا کر واپس رہ گئی تھی۔"

"مخالف سمت کی دیوار سے.... کیا مطلب۔" حمید کا لہجہ متحیرانہ تھا۔

"میرا خیال ہے کہ گولی نشانے ہی پر لگی تھی لیکن اس کی ران سے اچٹ کر سامنے والی دیوار سے جا ٹکرائی تھی۔ دیوار پر نشان موجود ہے۔"

"یا خدا....!" حمید نے پھر بُرا سامنہ بنایا۔ "کیا آپ میری گرفتاری پر اتنے ہی مغموم تھے کہ اب شادی مرگ قسم کی کوئی حرکت ہو گئی ہے۔ اور آپ اس مسرت انگیز ذہنی ہیجان کی وجہ سے اپنے خیالات کو صحیح ترتیب دینے سے قاصر ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"یہی مطلب کہ گولی دیوار سے اچٹ کر اس کی ران پر لگی تھی یا ران سے اچٹ کر دیوار پر۔"

فریدی مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ میرا دماغ الٹ گیا ہے۔"

"اگر گولی ران سے اچٹ کر دیوار پر لگ سکتی ہے تو سب کچھ ممکن ہے۔"

"تم یقین کرو یا نہ کرو لیکن حقیقت یہی ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کسی جسم پر گولی پڑ کر اچٹ جانا بیسویں صدی میں ناممکنات میں سے نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے لباس کے نیچے بلٹ پروف موجود رہے ہوں۔

فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ تم اب بلٹ پروف کے متعلق سوچ رہے ہو لیکن اس کے جسم پر بلٹ پروف نہیں پائے گئے۔"

"میں ایسی فضول باتیں کیسے سوچ سکتا ہوں جبکہ ہمارے لٹریچر میں داستان امیر حمزہ جیسی سائنٹیفک کتابیں بھی موجود ہیں۔"

"ہوں....!" فریدی نے ہونٹ بھینچ لئے۔ لیکن حمید بدستور الجھن میں رہا۔

کچھ دیر بعد لنکن پولیس ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔

"یہاں.... کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ڈاکٹر خان سے تھوڑی سی گفتگو کروں گا۔"

حمید نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ ویسے پوچھنے کو تو ابھی بہت کچھ تھا۔ ابھی تک اسے مس ڈھو کے متعلق نہیں معلوم ہو سکا تھا اور پچھلی رات اس کی کہانی بھی ادھوری رہ گئی تھی۔

پولیس ہسپتال کے انچارج ڈاکٹر خان نے ان کا استقبال بڑی گرم جوشی سے کیا۔

"کیا آپ کو اطلاع مل گئی تھی۔" اس نے فریدی سے پوچھا۔

"کیسی اطلاع....!"

"دوسری لاش کی۔"

"دوسری لاش.... میں نہیں سمجھا۔"

"ویسی ہی بے سر کی دوسری لاش۔"

"اوہ.... تو کیا.... دوسری کوئی لاش بھی۔"

"جی ہاں۔ مردہ خانے میں موجود ہے۔ پہلی اور دوسری میں آپ ذرہ برابر بھی فرق نہ پائیں گے۔ جسامت، لباس اور موت کی نوعیت کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں۔"

فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔ ڈاکٹر خان انہیں مردہ خانے کی طرف لے جا رہا تھا۔ یہاں حمید نے دوسری لاش دیکھی۔ پچھلی لاش کا ناخوشگوار تصور اب بھی اس کے ذہن میں محفوظ تھا۔ دونوں میں اسے کوئی واضح فرق نہ محسوس ہوا۔

"یہ دوسری لاش کہاں ملی ہے ڈاکٹر۔" فریدی نے پوچھا۔

"تفصیل سے میں ابھی تک آگاہ نہیں ہو سکا۔ ویسے اس لاش کے سلسلے میں کسی سر جوزف کا نام سنا ہے۔"

"یعنی....!"

"یہ لاش اسی کی وساطت سے پولیس تک پہنچی تھی۔"

"خیر....!" فریدی واپسی کے لئے مڑتا ہوا بولا۔ "میں اس لاش کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا ہوں جس کا آپ پوسٹ مارٹم کر چکے ہیں۔"

"دفتر تک تکلیف کیجئے.... مجھے بعض حیرت انگیز چیزوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ مجھے بیحد خوشی ہوگی کہ اگر ان کے متعلق آپ سے گفتگو کرنے کا موقع نصیب ہو سکے۔" ڈاکٹر خان نے کہا۔

وہ اس کے آفس میں آئے۔

ڈاکٹر خان فکر مند نظر آ رہا تھا۔ جب وہ اطمینان سے بیٹھ گئے تو اس نے کہا۔

"کرنل میں اب تک سینکڑوں لاشوں کا پوسٹ مارٹم کر چکا ہوں اور اپنے اٹھائیس سالہ تجربے کی بناء پر کہہ رہا ہوں کہ یہ میرے لئے پہلی لاش تھی۔"

"پہلی لاش سے کیا مراد ہے۔"

"وہ غیر معمولی اعصاب کا آدمی تھا۔"

"اکثر اس قسم کے لوگ ملے ہیں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔ جی ہاں۔ اکثر مجھے بھی غیر معمولی اعصاب رکھنے والے افراد کی لاشیں ملی ہیں۔ لیکن یہ لاش ان سے بھی بہت مختلف تھی۔ میرا خیال ہے کہ اس کے اعصاب کی نشوونما غیر فطری طور پر ہوئی تھی۔"

"اوہ....!" فریدی متفکرانہ انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"کاش مجھے اس کا سر بھی مل سکتا۔" ڈاکٹر خان بڑبڑایا۔

"کیوں....؟"

"اس سے.... شاید اسے سمجھنے میں مدد مل سکتی۔ برین بڑی اہمیت رکھتا ہے۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔ کیا اعصاب پر کسی قسم کے دھماکے کے اثرات بھی ملے ہیں۔"

"یقیناً.... میں آپ کو یہی بتانا چاہتا تھا کسی غیر متوقع دھماکے کا جو رد عمل اعصاب پر ہو سکتا ہے اس قسم کے اثرات بھی ملے ہیں۔ لیکن اس کا سر.... ایسا معلوم ہوتا جیسے اس کا سر کسی

دھماکے ہی کی وجہ سے غائب ہوا ہو۔ شانوں پر بارود کی کھرنڈ بھی ملی ہے۔"

"گڈ....!" حمید نے فریدی کی آنکھوں میں ہلکی سی چمک دیکھی اور پھر وہ اٹھتا ہوا بولا۔

"اچھا ڈاکٹر میں دو ایک دن میں اس مسئلے پر آپ سے بالتفصیل گفتگو کر سکوں گا۔"

"مجھے بے حد خوشی ہو گی کرنل۔" ڈاکٹر خان نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر لنکن میں آبیٹھے۔

"میں آج رات بھر ناچنا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"میں تمہیں اس سے روکوں گا نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "کیونکہ آج تم دن بھر وائلن بجاتے رہے ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔ دفعتاً اسے مس ڈھو یاد آگئی اور اس نے اس کے متعلق پوچھا۔

"وہ قاسم ہی کی کوٹھی میں نظر بند ہے۔"

"یہ کیوں....؟"

"مصلحتاً....!"

"لیکن اگر اس کی وجہ سے قاسم یا اس کے خاندان والوں پر کوئی مصیبت نازل ہوئی تو۔"

"اس کی سو فیصدی ذمہ داری مجھ پر ہو گی۔" فریدی نے کہا۔

"کیا آپ اس معاملہ کو عاصم صاحب کے علم میں بھی لائے ہیں۔"

"لانا ہی پڑتا۔ عاصم صاحب کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن وہ تم سے ضرور شاکی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ قاسم کو تم ہی خراب کئے رہتے ہو۔"

"میں اسے تباہی سے بچائے رکھتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ لیکن فریدی خاموش ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد لنکن کوتوالی کی حدود میں داخل ہوئی۔

غالباً فریدی دوسری لاش کے متعلق پوچھ گچھ کرنا چاہتا تھا۔ کوتوالی انچارج ان دنوں میجر محمود تھا۔ یہ ایک معمر اور سنجیدہ آدمی تھا اور کرنل فریدی کے مداحوں میں اس کا بھی شمار تھا۔ اس نے بالکل اسی انداز میں ان کا استقبال کیا جیسے ان کی آمد کا منتظر ہی رہا ہو۔

"میجر.... میں دوسری لاش کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں آپ ہی کا منتظر تھا کرنل....!" میجر محمود نے اسے سگار پیش کرتے ہوئے کہا۔

"شکریہ....!" فریدی نے سگار لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ یہ لاش سر جوزف کے توسط سے یہاں پہنچی تھی۔"

"جی ہاں اور سر جوزف اس وقت سول ہسپتال میں ہے اور اس پر تھوڑے تھوڑے وقفے سے قلب کے دورے پڑ رہے ہیں۔"

"زخمی بھی ہے۔"

"جی نہیں.... اس کی کہانی بھی کیپٹن حمید کی کہانی سے مختلف نہیں ہے۔ اس نے خوفزدہ ہو کر اس پر فائر کیا تھا لیکن گولی پڑتے ہی ایک دھماکہ ہوا اور بے سر کی لاش پڑی تڑپ رہی تھی۔ دوسری لاش غالباً آپ دیکھ چکے ہوں گے اور دونوں میں سر مو فرق نہ پایا ہو گا۔"

فریدی نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"گولی لگی تھی اس کے جسم پر....!" حمید نے پوچھا۔

"نہیں.... ہمیں تو کوئی ایسا نشان نہیں ملا۔"

"اس نے جسم کے کس حصے پر فائر کیا تھا۔"

"سینے پر....! وہ اسے مار ہی ڈالنا چاہتا تھا اس نے اعتراف کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ اسے ذرا سا بھی موقع نہیں دینا چاہتا تھا کیونکہ اسے خود اپنی زندگی خطرے میں نظر آئی تھی۔ اس کے خیال کے مطابق وہ اسے زندہ نہ چھوڑتا کیونکہ وہ پہلے ہی سے اس کے خون کا پیاسا تھا۔ اب سے پچیس سال پہلے بھی اس نے اس پر ایک بار قاتلانہ حملہ کیا تھا۔"

"اوہ....!" فریدی میز پر جھک گیا۔ "کیا وہ اسے پہچانتا تھا۔"

"جی ہاں.... اس نے کسی ڈاکٹر دوبے کا نام لیا تھا۔"

"کیا....؟" فریدی پھر سیدھا ہو بیٹھا۔

"اب سے بیس سال پہلے یہاں سول ہسپتال میں کوئی ڈاکٹر دوبے تھا۔ مگر سر جوزف کا بیان ہے کہ وہ اتنا جسیم اور لمبا تڑنگا ہرگز نہیں تھا۔"

"پھر اسے ڈاکٹر دوبے کا خیال کیسے آیا تھا۔"

"اس کی شکل....!" میجر محمود بولا۔ "اس کی شکل ہی دیکھ کر اس پر خوف طاری ہو گیا تھا اور

فائر کرتے وقت بھی اس کے ذہن میں یہ سوال نہیں تھا کہ وہ اتنا لمبا چوڑا اور جسیم کیسے ہو گیا اور اسے یہی یاد آسکا کہ ڈاکٹر دوبے تو بیس سال پہلے ہی مر چکا تھا۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ اس نے خوفزدہ ہو جانے کے بعد اضطراری طور پر فائر کر دیا تھا۔"

حمید آہستہ آہستہ اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

"مجھے سر جوزف سے فوراً ملنا چاہئے۔" فریدی یک بیک اٹھتا ہوا بولا۔ "میجر محمود بھی اٹھ گیا لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔"

• وہ دونوں پھر لنکن میں آبیٹھے۔ جیسے ہی گاڑی حرکت میں آئی حمید نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ کیا چکر ہے۔ پچھلی رات مس ڈھو نے مجھے کسی ڈراؤنی شکل والے ڈاکٹر دوبے کی کہانی سنانی شروع کی تھی لیکن وہ ادھوری ہی رہ گئی تھی۔"

"شدید ترین الجھاوے ہیں حمید صاحب۔ سر جوزف سے گفتگو کئے بغیر میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"تو کیا یہ ڈاکٹر دوبے مر گیا تھا۔"

"ہاں.... تم نے کہاں تک وہ کہانی سنی تھی۔"

"بس یونہی.... کسی ڈاکٹر دوبے کا نام آیا تھا اور مس ڈھو کو اس سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ اس کے بعد رات والا ہنگامہ شروع ہو گیا تھا۔ کہانی ادھوری رہی۔"

"مس ڈھو پھر اسی ڈاکٹر کے ساتھ رہنے لگی تھی۔ وہ بہت ہی ستم رسیدہ آدمی تھا۔ بے حد مغموم۔ وہ چاہتا تھا کہ مس ڈھو اس سے ہمدردی کی بجائے محبت کرے لیکن وہ کسی طرح بھی اس سے محبت نہ کر سکی۔ ہمدردی ظاہر کرنے کے لئے بھی اسے اپنی نفرت سے جھگڑنا پڑتا تھا۔ آخر ایک دن تنگ آکر مس ڈھو نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اس کی تنہائی کی رفیق تو بن سکتی ہے لیکن اسے اس سے محبت ہرگز نہ ہو سکے گی۔ اس پر برافروختہ ہو کر اس نے اسے دھمکی دی کہ وہ اسے مار ڈالے گا اور خود بھی مر جائے گا۔ وہ غصے میں تھا۔ مس ڈھو سہم کر رونے لگی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد وہ بھی رو پڑا تھا اور اس نے اس سے معافی مانگی تھی اور کہا تھا کہ اس کی ہمدردیاں ہی اس کے لئے بہت ہیں اب وہ اس سے محبت قسم کا کوئی غلط مطالبہ نہیں کرے گا۔ لیکن اچانک اسی رات کو مس ڈھو کی آنکھ کھلی تو اس نے پوری عمارت کو شعلوں میں گھرا ہوا پایا۔ دونوں الگ الگ کمروں

میں سوتے تھے۔ وہ چیخنے لگی۔ ساتھ ہی اسے برابر والے کمرے میں ڈاکٹر دوبے کا قہقہہ سنائی دیا۔ وہ دیوانوں کی طرح چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "مس ڈھو! ہم دونوں مر رہے ہیں۔ تمہاری صاف گوئی ہماری موت کا باعث بنی ہے۔ میرا دل رکھنے ہی کے لئے محبت کا اعتراف کر لیا ہوتا۔ آج میں اپنا نفرت انگیز وجود ختم کر رہا ہوں لیکن تمہیں ساتھ لئے جا رہا ہوں تاکہ تم دوسری دنیا میں بھی مجھ سے نہ بھاگ سکو۔ میں تمہیں وہاں بھی ساتھ رکھوں گا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہاں بھی نہ میرے اوپر نفرت سے تھوکا جائے۔ چلو ہو سکتا ہے اس صورت میں پھر مجھے تمہاری ہمدردیوں کی ضرورت محسوس ہو۔ پھر وہ کسی نہ کسی طرح اس جلتے ہوئے مکان سے بچ نکلی تھی، لیکن اس کا خیال ہے کہ ڈاکٹر دوبے وہیں جل مرا تھا۔ کیونکہ ملبے سے ایک مسخ شدہ لاش بھی برآمد ہوئی تھی جس کا کچھ حصہ تو بالکل ہی راکھ ہو چکا تھا۔ بہرحال میں سرکاری کاغذات سے ڈاکٹر کی موت کی تصدیق پہلے ہی کر چکا ہوں.... لیکن اب پھر ڈاکٹر دوبے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اسی چیز نے مس ڈھو کو مجبور کیا تھا کہ وہ مجھ سے ملے۔ جب ایک خوبصورت آدمی نے اس سے شادی کی درخواست کی تو اسے پچھلا واقعہ یاد آگیا اور وہ میرے پاس دوڑی آئی۔"

"قدرتی بات ہے۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "اگر وہ ادھر متوجہ نہ ہوتی تو.... اس صورت میں حالات کا کیا رخ ہوتا۔"

"سوچو.... اور کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کرو۔" فریدی مسکرایا "اور یہ تو تمہارا کیس ہے۔"

"میرا دل تو چاہتا ہے کہ اب میں ابابیل کے انڈے بیچنا شروع کر دوں۔"

فریدی خاموش ہی رہا۔ وہ بہت زیادہ متفکر تھا۔ پھر حمید نے بھی چپ سادھ لی اور پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ وہ بھی اب سر جوزف کی گفتگو سنے بغیر اس کیس کے متعلق کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

تقریباً بیس منٹ بعد کار سول ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ یہاں سر جوزف جیسے مشہور آدمی تک پہنچنے میں کیا دشواری پیش آسکتی تھی۔ وہ شہر کا ایک متمول تاجر تھا اور سماجی بھلائی کے کاموں کے سلسلے میں اکثر و بیشتر اس کا نام سنا جاتا رہتا تھا۔

یہ ایک دبلا پتلا مگر اچھی صحت والا بوڑھا تھا۔ آنکھیں چھوٹی اور اندر کو دھنسی ہوئی

تھیں.... سر انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف تھا۔ جیسے ہی فریدی نے اس سے اپنا تعارف
اس نے لیٹے سے اٹھنے کی کوشش کی۔

"اوہ.... آپ لیٹے رہیئے سر جوزف.... آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔" فریدی نے کہا

"اوہ.... کرنل میں بے حد خوش ہوں کہ آپ تشریف لائے ہیں۔ میرے دل میں آپ
بڑی عزت ہے۔"

"آپ اٹھنے کی زحمت نہ کیجئے میں آپ کو تھوڑی سی تکلیف دینے آیا ہوں۔"

"میں حتیٰ المقدور آپ سے تعاون کروں گا کرنل۔" سر جوزف کی آواز کانپ رہی تھی۔

"آپ کو یقین ہے کہ وہ ڈاکٹر دوبے ہی تھا۔"

"جس وقت میں نے اضطراری طور پر فائر جھونک مارا تھا مجھے یقین تھا کہ وہ ڈاکٹر دوبے
ہے۔ لیکن پھر جب مجھے ہوش آیا تھا اور میں نے بے سر کی وہ لمبی تڑنگی لاش دیکھی تو مجھے یک
خیال آیا کہ ڈاکٹر دوبے تو اپنے مکان میں جل مرا تھا۔ پھر میں کیسے یقین کر لیتا کہ وہ ڈاکٹر دوبے
رہا ہوگا۔"

"کیوں....؟"

"فرض کیجئے اگر وہ اپنی عمارت ہی میں سوخت نہیں بھی ہوا تھا تو.... اتنا لحیم شحیم کیسے ہوگ
دیکھئے بات دراصل یہ ہے کہ میں کسی ایسی دوا پر یقین نہیں رکھتا جو جسامت کے ساتھ ہی سا
آدمی کا قد بھی بڑھا سکے۔ ڈاکٹر دوبے اوسط درجے کا قد رکھتا تھا۔ مگر یہ لاش.... آٹھ فٹ
کسی طرح کم نہیں تھی۔"

"شکل....!"

"ارے شکل ہی کی بناء پر تو میں اسے ڈاکٹر دوبے سمجھا تھا اور وہ مشابہت ایسی ہی تھی
اضطراری طور پر میں نے اس پر فائر کر دیا تھا۔"

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ کبھی پہلے بھی ڈاکٹر دوبے سے آپ کا جھگڑا ہوا تھا۔"

سر جوزف نے آنکھیں بند کر لیں، اس کے چہرے پر یک بیک زردی چھا گئی تھی۔

"یہ ایک بڑی بھیانک داستان ہے۔ کرنل.... بڑی بھیانک.... جسے دہراتے ہوئے
مجھے خوف محسوس ہوگا۔ مگر میں کیا کرتا.... میں کیا کرتا.... مجھے اس داستان کا ایک کردار بننا

پڑا تھا.... مقدرات.... اس میں نہ میرا قصور ہے اور نہ ڈاکٹر کا.... میں آج بھی اس کے لئے
ہمدردی محسوس کرتا ہوں مگر....!"

وہ خاموش ہو گیا۔

وہی تھا

سر جوزف نے اب آنکھیں کھول دی تھیں اور پلکیں جھپکائے بغیر چھت کی طرف دیکھے
جا رہا تھا۔

دو منٹ گذر گئے لیکن اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ تب فریدی نے کہا۔

"سر جوزف میں منتظر ہوں۔"

سر جوزف چونک پڑا اور اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے اب وہاں
اپنی موجودگی کا احساس ہوا ہو۔

"اوہ.... کرنل معاف کیجئے گا۔ میں ماضی کی تکلیف دہ یادوں میں کھو گیا تھا۔ اب مجھے بیٹھ
جانے دیجئے.... لیٹے لیٹے میں وہ کہانی نہ دہرا سکوں کہیں پھر مجھ پر دورہ نہ پڑ جائے۔"

"ٹھہریئے سر جوزف.... اگر دورہ پڑنے کا امکان ہو تو میں فی الحال آپ کی کہانی نہیں
سنوں گا۔"

"نہیں.... میں دل کو سنبھالوں گا۔"

"ہرگز نہیں....!" فریدی مسکرایا۔ "میں اس قسم کے Risks کبھی نہیں لیتا۔ آپ مجھے
صرف اتنا بتا دیجئے کہ اس نے آپ پر کہاں حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"میں آج دو بجے اپنی کوٹھی کے عقبی پارک میں ایک مختصر سی ریس کورس کے امکانات کا
جائزہ لے رہا تھا کہ اچانک جھاڑیوں سے اس نے مجھے للکارا۔"

"غالباً آپ اپنی دیہی کوٹھی کی بات کر رہے ہیں۔"

"جی ہاں.... میں وہاں تھا.... زیادہ تر وہیں رہتا ہوں۔ مجھے سکون کی ضرورت ہے۔ قلب
کے مریض عموماً تنہائی چاہتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے سر جوزف۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں آپ سے پھر ملوں گا بلکہ بہتر تو یہ

ہو گا کہ آپ مجھے خود ہی فون پر آگاہ کر دیجئے گا کہ اب آپ کی صحت بہتر ہے۔"

"اچھا.... کرنل.... بہت بہت شکریہ۔ آپ سے زیادہ شریف آفیسر آج تک میری نظ
سے نہیں گذرا۔"

فریدی اس سے مصافحہ کر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

باہر نکلتے ہی حمید نے کہا "اور مجھ سے زیادہ کمینہ احمق آج تک روئے زمین پر پیدا ہی نہیں ہو

"میں اسی لئے آپ کی بڑی قدر کرتا ہوں کیپٹن حمید کہ آپ اپنے متعلق بڑی صحیح
رکھتے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے گاڑی میں جا بیٹھا۔ لنکن پھر چل پڑی۔

"کیوں....؟" فریدی نے اسے چھیڑا۔ "تمہارا چہرہ جیومیٹری کی کتاب کیوں بن گیا ہے

"ہے نا کتابی چہرہ....!" حمید نے خوش ہو کر پوچھا۔

"بہت زیادہ.... مگر تم بور کیوں ہو رہے ہو۔"

"پتہ نہیں وہ کتنی سنسنی خیز کہانی سناتا۔ لیکن آپ نے اسے خواہ مخواہ بخش دیا۔"

"فی الحال کوئی کہانی میرے کام نہیں آسکتی۔ میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر
واقعی جل مرا تھا۔"

"پھر بھی آپ نے سر جوزف کو مہلت کیوں دی۔"

"سنو! وہ دل کا مریض ہے۔ بہت زیادہ ناخوشگوار اثرات اسے ختم بھی کر سکتے ہیں۔"

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا اور شہر کی سڑکیں جگمگانے لگی تھ
حمید نے پائپ سلگایا اور پشت گاہ سے ٹک گیا۔ سردی بڑھ گئی تھی اور وہ گرما گرم کافی کی ضرو
بڑی شدت سے محسوس کر رہا تھا۔

"اب ہم کہاں چل رہے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"ارے.... کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ قاسم نے آج ہم دونوں کو رات کے کھانے پ
کیا ہے۔"

"ہام....!" حمید نے دھوئیں سے سینہ صاف کر کے ایک طویل سانس لی اور بولا۔ "تو
شائد مس ڈھو کا چکر ہے۔"

"ارے ہاں.... سنو! پچھلی رات اس واقعہ کا اس پر کیا ردعمل ہوا تھا۔"

"میں نہیں محسوس کر سکا۔ ویسے وہ بعد میں بڑی دیر تک بحث کرتی رہی تھی میں اس سے کہہ
رہا تھا کہ وہ اس لاش کے بارے میں کچھ بتائے مگر اس نے اس کی شخصیت سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔"

"اسے زندہ دیکھا تھا اس نے۔"

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ ٹھہریئے.... مجھے سوچنے دیجئے.... نہیں کمرے میں
ں وقت میرے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ جب میں نے اس پر فائر کیا تھا دونوں عورتوں کو
رے سے ہٹا دینے کے بعد دروازہ کھلوایا تھا اور پھر اس کے اندر داخل ہوتے ہی نوکر بھی کھسک
ے تھے۔ نہیں مجھے یقین ہے کہ اس نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ مگر آپ نے یہ سوال
ول اٹھایا ہے۔"

"کچھ نہیں یونہی! یہ مس ڈھو بھی ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکی۔"

"اور سارا قصور اس کی آنکھوں کا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے داہنی آنکھ سے سمجھنے کی
شش کی جائے یا بائیں آنکھ سے.... دونوں کو یک بیک سمجھنے کی کوشش کیجئے تو درمیان میں
کراہٹ کود پڑتی ہے.... خدا قاسم پر رحم کرے.... وہ تو بہت خوش ہو گا کہ چلو پاپ کٹا....
حضرت یہ وہی کوٹھری تو ہے جہاں شیطان قید کیا جاتا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

کچھ دیر بعد وہ قاسم کی کوٹھی کی حدود میں داخل ہو رہے تھے۔ آج حمید کو پھاٹک پر چوکیدار
ں دکھائی دیا۔ کمپاؤنڈ بھی سنسان تھی۔ لیکن خلاف معمول ہر طرف روشنی نظر آ رہی تھی۔
اید کچھ زائد بلب بھی لگائے گئے تھے۔

برآمدے میں صرف قاسم نے ان کا استقبال کیا۔ لیکن وہ بہت زیادہ غصے میں معلوم ہوتا تھا۔
یدی سے ہاتھ ملاتے وقت اس نے مسکرانے کی کوشش میں کسی چڑچڑے بندر کی طرح دانت
الے تھے لیکن جب حمید سے مصافحہ کرنے لگا تھا تو اس کا چہرہ کسی توپ کے دہانے کی طرح
ناک ہو گیا تھا اور حمید کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اس کے پنجے کی ہڈیاں کڑکڑا کر ٹوٹ جائیں گی۔

قاسم انہیں اندر لایا.... ڈرائنگ روم میں اس کی بیوی اور مس ڈھو موجود تھیں۔ مس ڈھو
بوترا چکلا چہرہ ستا ہوا سا نظر آ رہا تھا اور آنکھیں یرقان زدہ سی معلوم ہو رہی تھیں۔ ہونٹ خشک

تھے مگر ایسی حالت میں بھی اس نے انہیں دیکھ کر مسکرانے کی ناکام کوشش کی تھی۔

قاسم منہ پھلائے ہوئے ایک صوفے میں ڈھیر ہو گیا۔

حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں صبح سے دھکے کھا رہا ہوں لیکن پینے کو کچھ نہیں ملا"

"خون پیؤ.... خون میرا۔" قاسم چھاتی پیٹتا ہوا دہاڑا۔ "اب یہ آہستہ سرکاری طور
میری کھوپڑی پر چڑھا دی گئی ہے۔"

"پھر بیکار باتیں شروع کر دیں۔" قاسم کی بیوی نے آنکھیں دکھائیں۔

"توم.... چوپ رہو.... جی۔" قاسم ران پر ہاتھ مار کر چیخا۔

"میں پہلے کافی پیؤں گا.... آپا جان۔" حمید نے اس کی بیوی سے کہا۔

"آپ مدد کے لئے قاسم کو بھی ساتھ لے جا سکتی ہیں.... یہ شکر بڑے سلیقے سے ملاتا ہے۔
پچھلے سال ایک بار مجھے حلوہ پکا کر کھلایا تھا.... واہ.... کیا بات تھی.... کیا حلوہ تھا۔"

قاسم منہ چلانے لگا۔ شائد حلوے کے نام پر منہ میں پانی آ گیا تھا۔ پھر اس نے ایک طر[ف]
گردن ٹیڑھی کر کے قالین ہی پر "پچ" سے تھوک کی پچکاری مار دی۔

"ارے ارے.... یہ کیا۔" اس کی بیوی اچھل کر کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ "قالین پ[ر]
تھوک مارا۔"

"ٹھینگے سے.... قالین والین.... تم مت دخل.... دخل.... دخل دیا کرو میری باتوں میں"

"میں کافی پینا چاہتا ہوں کتنی بار کہوں۔" حمید نے پھر فرمائش کی۔

وہ قاسم کو غصیلی نظروں سے گھورتی ہوئی چلی گئی۔

"میں ذرا اوپری منزل پر جانا چاہتا ہوں قاسم۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... جرور.... جرور.... خوشی سے.... قرنل صاحب۔"

"اور مس ڈھو بھی میرے ساتھ جائیں گی.... ہم دونوں کا کھانا اوپر ہی بھجوا دینا۔"

قاسم پوہڑ پن سے مسکرایا اور حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر جلدی سے بولا۔ "جی ب[ہت]
اچھا.... بہوت اچھا۔"

فریدی کے اٹھتے ہی مس ڈھو بھی اٹھ گئی اور جب وہ ڈرائنگ روم سے چلے گئے تو قا[سم نے]
ایک چھت شگاف قہقہہ لگایا۔ دیر تک ہنستے رہنے کے بعد "واہ.... واقیا عورت ہے۔ پہلے تم

اور.... اب.... قرنل صاحب.... ہی ہی ہی۔"

"ہاں.... یار بھلا دیکھو تو.... مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے اسے یہاں کیوں
چھوڑا ہے۔" حمید نے قاسم سے ہمدردی جتانے کی کوشش کی۔

"سب تمہاری حرکت ہے۔ میں کھوپ سمجھتا ہوں۔"

"ابے میں نے کیا.... کیا ہے.... مگر ٹھہرو۔ آج تم ہماری دعوت کیوں کر بیٹھے ہو۔ کیا کل
دعوت سے جی نہیں بھرا تھا۔"

"ابے.... حمید بھائی کل تو ساری رات بھوکوں مر گیا تھا۔" قاسم کراہ کر بولا۔ "وہ سالا....
[ٹا]ئیں ٹائیں والا گھپلا ہو گیا تھا نا! بیگم سالی کہنے لگی.... مجھے کھانے پینے کا ہوش نہیں ہے....
مگر حمید بھائی مجھے تو تھا سالا ہوش ووش۔ مغر کھانا نہیں ملا.... ارے باپ رے.... رات بھر
[پیٹ] میں.... غوں.... غوں.... ہوتی رہی۔"

"میں پوچھ رہا تھا کہ آج تم نے ہمیں دعوت کیوں دی ہے۔"

"قسم کھاتا ہوں میں نے نہیں دی دعوت وعوت.... قرنل صاحب نے خود ہی لی ہے۔ قبنے
فون پر کہ آج تمہارے گھر ہماری دعوت ہے.... بھلا بتاؤ میں کیا کہتا.... بے حیائی لاد کر کہہ
دیا اچھا صاحب ہے دعوت۔"

"کیا آج کسی نے یہاں مس ڈھو سے ملنے کی کوشش کی تھی۔"

"پھر وہی.... مس ڈھو۔ ابے میں کہتا ہوں مجھے بھول جانے دو۔"

پھر بات آگے نہ بڑھ سکی۔ کیونکہ قاسم کی بیوی نے کافی تیار کرانے میں بڑی پھرتی دکھائی تھی۔
اس نے کافی میں شکر ملاتے ہوئے حمید سے کہا۔ "مجھے تو اب خوف معلوم ہونے لگا ہے مس
ڈھو سے۔"

"اللہ کرے وہ تمہیں کھا جائے.... چبا جائے۔" قاسم چڑانے کے سے انداز میں بولا۔

"مجھ سے بے تکی باتیں نہ کیا کرو۔" بیوی انڈوں پر بیٹھی ہوئی مرغی کی طرح پھول گئی۔

"پھر قس سے قروں.... بے تکی باتیں۔"

وہ کچھ نہ بولی اور قاسم حمید کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے اسے کافی کی چسکیاں لیتے دیکھ
کر دل ہی دل میں کباب ہو رہا ہو۔

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد اس کی بیوی نے حمید سے کہا۔ "پتہ نہیں کرنل صاحب اوپر کیا کر رہے ہیں۔ ابھی نیچے اترے تھے کسی کو فون کیا۔ شاید یہاں کچھ سامان منگوا رہے ہیں۔"

"سامان....!"

"جی ہاں! میں نے پوری بات نہیں سنی تھی۔ بہر حال انہوں نے یہاں کچھ منگوایا ضرور ہے۔"

"ہا....ہا.... حمید بھائی۔" دفعتاً قاسم اس طرح چہکا جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ "ابے میں شاعری کرنے لگا تھا۔ کتنا گجب کا کہا ہے.... تم بھی دیکھو.... ٹھیک ہے یا نہیں۔"

وہ بھدی اور بے ہنگم آواز میں گانے لگا۔

ہو غمیں قلبچے قے پار . . . . . . ہو ہو ہو

تم اس طرح قیوں مسکراتی ہو.. بہار کی اماں جان

"بہار کی اماں جان۔" حمید نے قہقہہ لگایا اور قاسم کی بیوی بھی بے تحاشہ ہنس پڑی۔

"قیوں....!" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "کیا گلت ہے۔"

"شاید تمہارے ذہن میں "جان بہار" تھا کیوں؟"

"ٹھینگہ بہار تھا...." قاسم دانت پیس کر بولا۔ "اے تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو۔"

"اے حمید بھائی۔" قاسم کی بیوی بولی۔ "میں نے بھی کچھ بلینک دورس میں کہا ہے۔"

"آہا.... آپ تو ضرور سنایئے۔"

نظم کا عنوان ہے "توند" قاسم کی بیوی نے کہا اور نظم شروع کر دی۔

توند کی ساخت کے اسرار بہت ہیں ہمدم
طب بھی خاموش ہے اس عقدۂ لاینحل
خود بخود ہو نہیں سکتا شکم میں یہ تناؤ
پیٹ بے وجہ کبھی بن نہیں سکتا گنبد!
اک طرف دیکھ کھڑے ہیں وہ جناب ڈنلپ
پینٹ کھسکا ہی چلا جاتا ہے گھٹنوں کی طرف
کوٹ کے کاج بھی منتِ کشِ بوتام نہیں
دوسری سمت ہے درزی سے کوئی تیز کلام!

شیروانی بھی تو کم بخت کبھی فٹ نہ ہوئی
بند لگتے ہی نہیں جھول ہیں دامن پہ پڑے

"اے....بس کھاموش۔" یک بیک قاسم دہاڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"قیوں....؟" اس کی بیوی نے اس کے انداز میں آنکھیں نکالیں۔

"تم میرا مزاخ اڑا رہی ہو.... تمہاری ایسی کی تیسی۔"

"کیا کر لو گے.... میرا۔" وہ بھی کھڑی ہو گئی۔ "تم اپنے باپ کو گالیاں دیتے ہو۔ انہیں کوستے ہو۔ شرم نہیں آتی۔ میرا مذاق اڑانا اتنا گراں گزرتا ہے۔"

قاسم کے غصے پر پھر برف پڑ گئی۔ وہ چند لمحے بُرا سا منہ بنائے کچھ سوچتا رہا پھر حمید کی طرف ہاتھ ہلا کر بولا۔

"سالے تم جب بھی آتے ہو یہاں یہی سب قوچھ ہونے لگتا ہے۔"

"خیر آپا جان کی خاطر میں سالا ہی سہی۔ مگر میری وجہ سے کیا ہوتا ہے۔"

قاسم کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی اور مس ڈھو پھر کمرے میں داخل ہوئے۔ مس ڈھو اب پہلے سے بھی زیادہ متفکر نظر آ رہی تھی۔ حمید یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھا کہ دونوں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی۔ دفعتاً اسے اس آدمی کا بھی خیال آ گیا جو آج کل مس ڈھو سے شادی کرنے کا خواہاں تھا۔ کیا وہ آدمی اس کیس کے سلسلے میں کار آمد ثابت ہو سکتا ہے؟.... یہ بھی ممکن تھا کہ وہ سرے ہی سے غیر متعلق ہوتا۔ مگر.... کیا فریدی نے اس کے امکانات پر غور نہ کیا ہوگا؟ تو پھر اس نے اس سلسلے میں کیا کیا۔ حمید کو اس کا علم نہیں تھا۔

وہ دونوں کو گھورتا رہا لیکن وہ خاموش ہی رہے۔

"کیا اب آپ کھانا کھائیں گے۔" قاسم کی بیومی نے پوچھا۔

"ضرور....!" فریدی مسکرایا اور قاسم کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "کیا خیال....!"

"جی ہاں.... جرور.... جرور.... بالکل جرور.... ہی ہی۔"

لیکن ٹھیک اسی وقت انہوں نے شور سنا اور فریدی اٹھ کر دروازے کی طرف جھپٹا۔

پھر چنگھاڑتی ہوئی سی آواز آئی۔ "مس ڈھو.... باہر آؤ۔"

فریدی اور حمید برآمدے میں پہنچ چکے تھے اور حمید نے دیکھا کہ پچھلی رات والا بھوت اس

وقت پھر کمپاؤنڈ میں موجود ہے۔ وہی صورت شکل۔ ویسا ہی لباس۔ ویسی ہی بڑے بالوں والی ٹوپی۔ قد بھی وہی تھا۔ جسامت بھی ہو بہو وہی تھی۔ وہ روشنی میں نہایا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ روشنی دو سرچ لائٹس کی تھی، جو دو مختلف سمتوں سے اس پر پڑ رہی تھی۔ شاید سرچ لائٹ استعمال کرنے والے فریدی ہی کے آدمی تھے۔ پھر حمید نے دیکھا کہ مہندی کی باڑھ کی اوٹ سے تین چار آدمی نکلے جن کے ہاتھوں میں رسیوں کے لچھے تھے۔ دراز قد بھوت کو چاروں طرف سے گھیر کر اس پر پھندوں والی رسیاں پھینکی جانے لگیں۔

دفعتاً حمید نے پشت پر مس ڈھو کی چیخ سنی۔ "وہی ہے.... وہی ہے.... وہی۔"

وہ تیزی سے مڑا اور پھر اگر جھپٹ کر اسے ہاتھوں پر نہ سنبھالا ہوتا تو وہ پچھلی دیوار سے ٹکرا کر فرش پر ڈھیر ہو گئی ہوتی۔

وہ بیہوش ہو گئی تھی۔ حمید نے بہ آہستگی اسے فرش پر ڈال دیا اور پھر فریدی کے قریب آ کھڑا ہوا۔ فریدی کی نظریں اسی "بھوت" پر جمی ہوئی تھیں اس نے ایک بار بھی مڑ کر ڈھو کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"مجھے جانے دیجئے۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں دیکھوں گا سالے کو۔"

"ٹھہرو.... تم برآمدے سے نیچے قدم نہیں اتارو گے۔" فریدی نے اسے ڈانٹا اور قاسم کچھ بدبدا کر رہ گیا۔

دوسری طرف وہ دیو پیکر بھوت رسیوں کے الجھیڑوں سے خود کو بچانے کے لئے اچھل کود رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ رسی پھینکنے والوں پر بھی چڑھ دوڑتا۔ لیکن وہ لوگ بھی بلا کے پھرتیلے تھے۔ حمید ان میں سے کسی کو بھی نہ پہچان سکا۔ ممکن ہے کہ وہ فریدی کی پُراسرار بلیک فورس کے آدمی رہے ہوں۔

یک بیک وہ دیو پیکر بھوت گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا کیونکہ وہ بیک وقت دو رسیوں کے پھندوں سے جکڑ گیا تھا اور رسیاں دو مخالف سمتوں سے کھینچی جا رہی تھیں۔ اب وہ کسی جال میں پھنسے ہوئے وحشی درندے کی طرح شور مچا رہا تھا۔ حلق سے طرح طرح کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

دیکھتے دیکھتے اس نے اپنا سر زمین پر دے مارا.... اور پھر ایسا زوردار دھماکہ ہوا کہ پوری عمارت جھنجھنا اٹھی.... دھماکے کے ساتھ ہی روشنی کا تیز جھماکا ہوا اور اب گہرا دھواں اس لمبی

زنگی لاش پر ہلکورے لے رہا تھا۔ لاش.... جس کا سر غائب تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب لاش کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ فریدی اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے جیب سے محدب شیشہ نکالا اور شانوں کے درمیان سرخ رنگ کے اس غار کو دیکھنے لگا جہاں تھوڑی دیر قبل ایک بھیانک چہرہ گردن سمیت موجود تھا۔

بیس منٹ کے اندر ہی اندر کمپاؤنڈ میں لاتعداد سرخ ٹوپیاں نظر آنے لگیں۔ کانسٹیبلوں سے بھری ہوئی کئی گاڑیاں پہنچ گئی تھیں۔ کچھ بڑے آفیسر بھی آئے تھے۔

دوسری طرف مس ڈھو کو ہوش آ چکا تھا مگر اس کی حالت سے ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ چند گھنٹوں سے زیادہ نہ زندہ رہ سکے گی۔

"آہ.... کرنل.... وہ بلاشبہ ڈاکٹر دوبے تھا۔ میرے خدا۔" وہ نحیف آواز میں کہہ رہی تھی۔ "مگر وہ اتنا کیم شیم کب تھا۔ وہ متوسط قد رکھتا تھا۔ پانچ فٹ کچھ انچ کا! میں پاگل ہو جاؤں گی.... کرنل.... خدا کے لئے مجھے بچائیے۔"

"تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "اس فکر میں نہ پڑو۔"

چوپایا کتا

وہ ساری رات حمید نے الجھنوں میں گذار دی۔ اسے قاسم کی کوٹھی ہی میں ٹھہرنا پڑا تھا اور فریدی تو لاش کے ساتھ ہی وہاں سے چلا گیا تھا۔ بہرحال یہ اسی کی ہدایت تھی کہ حمید رات وہیں گذارے۔ مس ڈھو کی حالت ابتر تھی۔ ساری رات دو ڈاکٹر اس کے قریب موجود رہے تھے۔

قاسم شدت سے بور ہوتا رہا تھا۔ لیکن اس نے بیوی کی یہ بات نہیں مانی تھی کہ ایسے میں کھانے کا ہوش کیسے ہو سکتا ہے۔

وہ چھاتی ٹھونک کر بیوی سے بولا تھا۔ "ارے مرغئی ہو گی تمہاری بھوک! میری تو زندہ ہے.... کھانا لگواؤ میز پر ورنہ میں تمہاری بوٹیاں تل کر کھاؤں غا! میرے ٹھینگے پر لاش واش.... کیا میں اس سالے کو بلانے غیا تھا۔ کل بھی آ کر مر گیا.... آج بھی آ کر مر غیا.... واہ.... ایسی کی تیسی.... کوئی کب تک بھوکا رہے۔"

حمید کو رات بھر نیند نہیں آئی تھی۔ قاسم کی بیوی بھی نہیں سوئی تھی۔ لیکن قاسم کے

خراٹے اس کی خواب گاہ کے آس پاس متواتر گونجتے رہے تھے۔

حمید ڈاکٹر دوبے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اب تک دو ہمشکل خود اس کی نظروں سے گذرے تھے۔ تیسرے کو سر جوزف نے دیکھا تھا۔ مس ڈھو اور سر جوزف کے بیان کے مطابق وہ تینوں ڈاکٹر دوبے کی سی شکل رکھتے تھے۔

دوسری صبح اس نے فریدی کی کال ریسیور کی۔ وہ گھر ہی سے بول رہا تھا اور حمید کو فوراً طلب کیا تھا۔

حمید نے قاسم کی گاڑی سنبھالی اور گھر پہنچ گیا۔ نیند سے بدحال ہو رہا تھا۔ ہوا کی سرسراہٹ بھی گراں گذر رہی تھی۔ مزاج میں چڑچڑاہٹ پیدا ہو گئی تھی مگر وہ ڈاکٹر دوبے کے متعلق اپنی الجھن ہر حال میں رفع کرنا چاہتا تھا۔

"کیا تم سوئے نہیں۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ مجھے سونے کے لئے وہاں چھوڑ آئے تھے۔"

"واہ.... واقعی.... تم بہت گریٹ ہو۔" فریدی مسکرایا۔ "مجھے احساس ہے کہ بعض اوقات میں تم پر زیادتیاں بھی کر جاتا ہوں۔ مجھے تم سے کہہ دینا چاہئے تھا کہ تم سو سکتے ہو۔ محض احتیاطاً تمہیں وہاں چھوڑا گیا تھا۔ باہر کافی انتظام کر دیا تھا میں نے۔ تم دیکھ ہی چکے ہو۔"

حمید چونکہ جلد از جلد ڈاکٹر دوبے کے متعلق گفتگو شروع کر دینا چاہتا تھا لہٰذا اس کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہ آیا۔

"کیا آپ کو علم تھا کہ کوئی دوسری بار بھی مس ڈھو کے لئے وہاں آئے گا۔" اس نے پوچھا۔

"علم نہیں بلکہ خدشہ تھا۔ سر جوزف کی ادھوری کہانی ہی نے یہ خدشہ پیدا کیا تھا۔ میری دانست میں کوئی ڈاکٹر دوبے کے نام پر ہراس پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے اور اس کے لئے اس نے ان لوگوں کو منتخب کیا ہے جو ماضی میں کسی نہ کسی طرح ڈاکٹر دوبے سے متعلق رہ چکے ہیں۔ ایسا سمجھنے کی وجہ وہ دھماکے ہیں جو ان پراسرار عفریتوں کی کھوپڑیاں غائب کر دیتے ہیں۔"

"چلئے میں اسے تسلیم کئے لیتا ہوں.... مگر دھماکے.... میں نے اس کی ران پر گولی ماری تھی لیکن سر اڑ گیا۔ سر جوزف نے سینے پر فائر کیا لیکن سر ہی پر آفت آئی اور پھر پچھلی رات اس وقت دھماکہ ہوا تھا جب اس نے اپنا سر زمین پر دے مارا تھا۔"

"ٹھیک ہے! دھماکوں کا مقصد یہی ہے کہ سر اڑ جائے۔ یعنی یہ نہ معلوم ہو سکے کہ ڈاکٹر دوبے کے اتنے ہم شکل کیسے پیدا ہو گئے۔ اس کے لئے ہر پہلو پر غور کیا گیا ہو گا۔ اس کا ثبوت اسی سے ملتا ہے کہ گولی خواہ جسم کے کسی حصے پر پڑے سر ضرور اڑ جاتا ہے۔ اگر اسے زندہ پکڑنے کی کوشش کی جائے تو وہ خود ہی اپنا خاتمہ کر لے گا۔ زمین پر سر دے مارنا اسی پر دلالت کرتا ہے۔ آؤ میں تمہیں وہ لباس دکھاؤں جو ایک لاش سے الگ کیا گیا ہے.... شائد تم کسی حد تک سمجھ سکو۔"

وہ دونوں تجربہ گاہ میں آئے۔ یہاں ایک میز پر حمید کو اسی قسم کے جیکٹ اور چست پاجامے نظر آئے جیسے اس نے دونوں پراسرار عفریتوں کے جسموں پر دیکھے تھے۔

حمید نے انہیں اٹھا کر دیکھا اور وہ اسے اندازے سے کہیں زیادہ وزنی معلوم ہوئے۔ یہ کینواس سے بنائے گئے تھے اور ان کا استر پتلے ربر کا تھا اندرونی سطح اس استر سے پوری طرح ڈھکی ہوئی تھی۔

"بہت وزنی ہیں....!" حمید نے فریدی کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"وجہ ہے....!" فریدی مسکرایا۔ "ادھر دیکھو۔"

اس نے ایک گوشے سے ربر کا استر ہٹایا جو شائد پہلے ہی ادھیڑا گیا تھا۔

حمید نے استر اور کینواس کے درمیان باریک تاروں کا ایک جال سا دیکھا اور پھر فریدی کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔ فریدی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے جواب کی توقع حمید ہی سے رکھتا ہو۔

"ہوں.... کیا خیال ہے۔" اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تاروں کا جال۔"

"اسی سے اندازہ کرو۔"

"ہو سکتا ہے کہ کوئی برقی نظام.... مگر ٹھہریئے.... وہ تو گوشت و پوست کے آدمی تھے۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ وہ کسی برقی نظام کے تحت متحرک تھے۔" فریدی نے کہا۔

"پھر....!"

"کیا ریوالور کی گولی اس کینواس تاروں کے جال اور ربر کے استر سے گذر کر جسم میں نہیں داخل ہو سکتی۔" فریدی نے سوال کیا۔

"یقیناً ہو سکتی ہے۔"

"لیکن ایسا نہیں ہو سکا تھا۔"

"کیوں نہیں ہو سکا تھا۔"

"معلوم کرنے کی کوشش کرو.....!" فریدی مسکرایا۔

"بھئی میں ابھی قلندری کی ان منزلوں پر نہیں پہنچا۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"آنکھیں کھلی نہیں رکھتے۔"

"خیر وہ کچھ سہی! فی الحال میں سننا چاہتا ہوں۔ شب بیداری کی وجہ سے ذہن معطل سا ہو رہا ہے۔"

"قاسم کے اس کمرے ہی میں تمہیں بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا جہاں تم نے اس پر فائر کیا تھا۔"

"مجھے اس کی مہلت ہی کہاں ملی تھی۔ اس وقت تو پھانسی لگا دی تھی آپ نے۔"

"خیر.... میں نے بھی اس چیز کا اندازہ کل ہی لگایا تھا۔ گولی اس کے جسم سے ٹکرا کر سا
والی دیوار سے جا ٹکرائی تھی اور اس نے نہ صرف پلاسٹر ادھیڑا تھا بلکہ اینٹوں پر بھی اثر انداز
تھی۔ اب تم خود ہی غور کرو کہ یہ کتنی حیرت انگیز چیز تھی۔ مجھے دیوار کا سوراخ کچھ عجیب سا لگا
میں نے کچھ دیر غور کرنے کے بعد اسی جگہ کھڑے ہو کر جہاں تمہارے بیان کے مطابق وہ کھڑ
سامنے والی دیوار پر فائر کیا اور پھر ساری حقیقت واضح ہو گئی۔ براہِ راست فائر کرنے سے بھی د
میں اتنا ہی گہرا سوراخ ہوا تھا جتنا اس گولی سے ہوا تھا جو اس کے جسم سے ٹکرا کر دیوار پر لگی تھی

فریدی خاموش ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"کیا کہا آپ نے اتنا ہی گہرا سوراخ ہوا تھا۔" حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"ہاں اتنا ہی گہرا۔"

"اوہ.... تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس کے جسم سے ٹکرا کر بھی گولی اتنی ہی فورس
اچٹتی تھی جتنی فورس سے ریوالور سے نکلتی ہے.... مگر یہ ناممکن ہے۔"

"گڈ....!" فریدی مسکرایا۔ "اسی خیال نے مجھے تاروں کے اس جال کے متعلق سوچنے
مجبور کیا تھا۔ اب دیکھو.... جس چیز میں گولی کو واپس کرنے کی اتنی قوت موجود ہو وہ اسے جسم
کیسے پیوست ہونے دے گی۔"

"اوہ.... تو یہ تار کیسے ہیں۔"

"تار تو بالکل معمولی ہیں.... یہ دیکھو۔" فریدی نے جیکٹ کا ایک حصہ اسے دکھایا جس میں
بڑا سا سوراخ تھا اور پھر بولا۔ "میں نے اس پر فائر کیا تھا لیکن گولی اس سے گذر گئی۔"

"پھر آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ان کی ٹوپیوں ہی میں سب کچھ تھا۔ ایک ایسی بیٹری جس سے ان تاروں
میں مخصوص قسم کے برقی رو دوڑتی رہتی ہو گی اور بیٹری ہی کے کسی حصے میں یا اس سے الگ کوئی
پھٹ جانے والا مادہ بھی ہو گا۔"

"اس کے علاوہ اور کچھ سوچا بھی نہیں جا سکتا۔" حمید نے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "سر جوزف کا ایک خط آیا ہے اس کی
حالت بگڑتی ہی جا رہی ہے۔ وہ مجھے اپنی کہانی سنانے پر مصر ہے اس سے پہلے نہیں مرنا چاہتا.... یہ
خط دیکھو۔"

اس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔ خط کا مضمون تھا۔

"مائی ڈیئر کرنل فریدی!

میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری تکلیف پر نظر رکھی تھی مگر میں آپ کو
بتانا ہی چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں اب زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکوں گا۔ ہو سکتا ہے
ہسپتال سے گھر جانے کی نوبت ہی نہ آئے لہٰذا آپ مجھ سے مل لیجئے۔ مجھے کبھی یقین نہیں آیا تھا
کہ ڈاکٹر جل مرا ہو گا۔ وہ اب مرا ہے۔ میرے ہاتھوں۔ وہ دیو پیکر آدمی ڈاکٹر دوبے ہی تھا۔ مجھے
یقین ہے۔ آپ آیئے! میں آپ کو اپنے اس یقین کی وجہ بھی بتانا چاہتا ہوں۔ مجھے اس سے ہمیشہ
ہمدردی رہی ہے کرنل۔ مگر میں اس سے متنفر تھا۔ میں آپ کا منتظر ہوں۔ جتنی جلدی ممکن ہو مل لیجئے۔"

حمید نے خط کو تہہ کر کے ایک طرف میز پر رکھ دیا اور پائپ سلگا کر دو تین کش لئے پھر
بڑبڑایا۔ "اس بیچارے کو کیا پتہ کہ اب تک تین ڈاکٹر دوبے ختم ہو چکے ہیں۔"

"ہوں....!" فریدی نے متفکرانہ انداز میں کہا۔ "میں کچھ اور بھی سوچ رہا ہوں۔ مگر ٹھہرو
کیا تم میرے ساتھ چلو گے۔ لیکن یہ ضروری بھی نہیں ہے۔ تم رات بھر جاگے ہو۔"

"میں سر جوزف کی کہانی سننا چاہتا ہوں۔"

"اچھا تو چلو.... تیاری کے لئے صرف بیس منٹ دے سکتا ہوں۔" فریدی نے کلائی کی

گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

پینتالیس منٹ بعد وہ سول ہسپتال میں نظر آئے۔ سر جوزف کے کمرے میں دو نرسیں موجود تھیں۔ جوزف نے ہاتھ ہلا کر انہیں باہر جانے کا اشارہ کیا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ چہرہ حیرت انگیز طور پر دبلا ہو گیا تھا۔ حمید نے صرف دو دن پہلے اسے دیکھا تھا اور اب ان دو دنوں میں اس کے ڈھانچے میں جو تبدیلیاں ہوئی تھیں ان کے متعلق مشکل ہی سے یقین کیا جا سکتا تھا کہ اس بدحالی میں دو دن سے زیادہ نہیں لگے۔

"بہت اچھا ہوا کرنل آپ آ گئے۔" اس نے مضمحل سی آواز میں کہا۔ "مجھے ڈر تھا کہ کہیں آپ مصروف نہ ہوں۔"

وہ دونوں بیٹھ گئے۔ فریدی نے اس کی خیریت دریافت کی۔

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ دل کی دھڑکنیں کتنی دیر بعد بند ہو جائیں گی لیکن انہیں بند ہی ہونا ہے کرنل۔ میں بہت تھک گیا ہوں اب سونا چاہتا ہوں۔ مگر خدا کی قسم! میرا ضمیر مجھے ملامت نہیں کر رہا۔ میرے دل پر کسی قسم کا بار نہیں ہے۔ ابھی آپ خود ہی اندازہ کر سکیں گے کہ میں کتنا بے بس تھا۔ ڈاکٹر دوبے بدقسمت تھا۔ قدرت ہم دونوں کو..... میرے خدا..... مجھے اظہار خیال کیلئے الفاظ نہیں ملتے۔" اس نے خاموش ہو کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو بڑی توجہ اور دلچسپی سے سر جوزف کو دیکھ رہا تھا۔

سر جوزف تھوڑی دیر تک گہری گہری سانسیں لیتا رہا پھر منہ پر سے ہاتھ ہٹائے بغیر بولا۔

"یہ میری زندگی کی سب سے بڑی ٹریجڈی ہے کرنل۔"

"سر جوزف! میں پھر کہہ رہا ہوں کہ اگر آپ تکان محسوس کرتے ہیں تو کوئی غمناک واقعہ نہ دہرائیے۔ ہو سکتا ہے مجھے اس ٹریجڈی کا علم ہو چکا ہو۔"

"آپ جانتے ہیں۔" سر جوزف نے یکلخت اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹا لئے۔

"ظاہر ہے کہ آپ سے ڈاکٹر دوبے کا تعلق معلوم ہو جانے کے بعد میں نے اس سلسلے میں چھان بین ضرور کی ہو گی۔"

"اوہ..... تو پھر آپ ہی انصاف کیجئے۔ کیا میں غلطی پر تھا۔ مجھے میرا قصور بتا دیجئے۔"

"کچھ نہیں! سر جوزف۔ صرف مقدرات! ڈاکٹر دوبے ایک بدنصیب آدمی تھا۔ ویسے میں

نے سنا ہے کہ عام حالات میں وہ خدا ترس بھی تھا۔"

"یقیناً تھا کرنل..... لیکن مزاج میں جھلاہٹ بہت زیادہ تھی۔"

"خیر..... میں دراصل اس وقت اس لئے آیا تھا کہ آپ سے اس دیو پیکر لاش کے متعلق گفتگو کروں۔ آخر آپ کس بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ وہ ڈاکٹر دوبے ہی تھا۔"

"اوہ..... کرنل..... یہ بات بتانے کے لئے بھی مجھے ماضی ہی میں جھانکنا پڑے گا۔ سیلی نے مجھے وہ بات بتائی تھی لیکن میں نے اس وقت اسے ہنسی میں اڑا دیا تھا۔ کہا تھا کہ وہ خواہ مخواہ ڈاکٹر کو بگھار رہی ہے۔ ڈاکٹر دوبے اتنا حیرت انگیز آدمی نہیں ہو سکتا۔ لیکن آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔"

"محترمہ سیلی نے آپ کو کیا بتایا تھا۔"

"ڈاکٹر دوبے کی ایک تجربہ گاہ تھی، جہاں کوئی بھی نہیں جانے پاتا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ ڈاکٹر راتوں کو جاگ کر وہاں کیا کیا کرتا ہے۔ لیکن ایک دن اتفاق سے شاید وہ تجربہ گاہ کا صدر دروازہ مقفل کرنا بھول گیا تھا۔ سیلی گھر میں تھی اور ڈاکٹر ہسپتال چلا گیا تھا۔ سیلی اس کی تجربہ گاہ میں داخل ہونے کے لئے بےچین رہا کرتی تھی۔ دروازہ کھلا دیکھ کر وہ بے تحاشہ اندر گھس گئی۔ اس کا بیان ہے کہ اس نے ایک میز پر ایک مردہ چوہا دیکھا تھا جو جسامت کے اعتبار سے کسی معمولی کتے کے برابر تھا۔ خوف سے اس کی بُری حالت ہوئی تھی اور گھبرا کر تجربہ گاہ سے نکل آئی تھی۔ شاید واپسی پر ڈاکٹر دوبے کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا کیونکہ اس نے کچھ اس قسم کی باتیں شروع کر دی تھیں جن کے جواب میں سیلی تجربہ گاہ میں اپنے داخلے کا اعتراف کر لیتی۔ لیکن سیلی نے محتاط ہو کر جوابات دیئے تھے اس لئے ڈاکٹر مطمئن ہو گیا تھا کہ سیلی تجربہ گاہ سے دور ہی دور رہی ہے۔"

سر جوزف خاموش ہو گیا..... فریدی نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا تھا۔ جب سر جوزف کا سکوت کسی طرح نہ ٹوٹا تو فریدی نے کہا۔ "میں اس کے آگے بھی سننا چاہتا ہوں سر جوزف۔"

"اوہ..... اب آپ خود ہی اندازہ کیجئے جس شخص کی میز پر کتے کے برابر چوہا پایا جا سکتا ہے کیا وہ اپنی جسامت نہیں بڑھا سکتا۔"

"ہاں..... آں..... لیکن ہو سکتا ہے محترمہ سیلی کو دھوکا ہوا ہو۔ وہ کسی دوسرے جانور کو اتنا بڑا چوہا سمجھ بیٹھی ہوں۔"

"خدا جانے! اس کے بعد مجھے اور کچھ نہیں معلوم ہوا تھا۔ میں نے اس وقت اس کے
کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ یہی سمجھا تھا کہ اسے کسی دوسرے جانور پر چوہے کا دھوکا ہوا ہوگا۔
کیا یہ فطری بات نہیں ہے کہ ڈاکٹر دوبے کو اس حیرت انگیز جسامت میں دیکھ کر مجھے سیلی کا
یاد آجائے۔"

"قطعی.... قطعی فطری بات ہے سر جوزف....!"

"خاک ڈالئے.... وہ تو اب ختم ہی ہوگیا۔ وہ مگر دیکھئے میں کب تک اس آگ میں
رہتا۔ میرا زخم مندمل ہو چکا تھا کرنل۔ لیکن اس نے یک بیک سامنے آکر ایک بار پھر مجھے زندگی
سے بیزار ہو جانے پر مجبور کر دیا۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر پوچھا۔ "کیا آپ کسی مس ڈھو کو بھی جانتے ہیں
کبھی ڈاکٹر دوبے کے ساتھ رہی ہو۔"

"یقیناً.... کیوں نہیں۔ سیلی والے واقعہ کے بعد ہی وہ ایک بدشکل نرس کو گھر لے گیا تھا
وہ اس کے ساتھ ہی رہنے لگی تھی۔ وہ بیچاری اس رات بھی عمارت ہی میں تھی۔ جب آتشزدگی کا
حادثہ ہوا تھا۔ لیکن وہ کسی طرح بچ نکلی تھی اور اب کہنا پڑتا ہے کہ ڈاکٹر دوبے بھی بچ گیا تھا۔
دنوں تک کہیں چھپا رہا۔ میرے خلاف اپنے غصے کی آگ دبائے رہا.... لیکن پر.... برداشت
کر سکا.... اوہ.... اوہ....!"

"کیا یہاں اس شہر میں.... یا دنیا کے کسی گوشے میں کوئی اور آدمی بھی ایسا مل سکتا
ڈاکٹر دوبے کے حالات پر روشنی ڈال سکے۔" فریدی نے پوچھا۔

سر جوزف کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "مس ڈھو کو تلاش کیجئے اگر وہ زندہ ہو شاید وہی آپ کو
ایسی باتیں بتا سکے جو میرے علم میں بھی نہ ہوں۔"

"شکریہ سر جوزف۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "آپ پریشان نہ ہوں۔ ڈاکٹروں نے آپ کی
صحت کے بارے میں تشویش نہیں ظاہر کی۔"

"میں پریشان نہیں ہوں کرنل۔" سر جوزف غالباً زبردستی مسکرایا۔ "یہ حقیقت ہے کہ
میں زندہ رہنے کی خواہش نہیں رکھتا۔"

سر جوزف کے کمرے سے باہر آتے ہی حمید نے کہا۔

"کیا اس ڈفر نے ہمارا وقت نہیں برباد کرایا۔"

"اگر تم اس سوال کی موافقت میں کچھ سوچ رہے ہو تو مجھے کہنے دو کہ تم غلطی پر ہو۔"
فریدی اسٹیئرنگ سنبھال کر مسکرایا تھا۔

"کیوں....؟"

"ممکن ہے کہ سیلی سے اندازے کی غلطی نہ ہوئی ہو۔" فریدی نے کہا اور پھر کسی سوچ میں گم ہوگیا۔

کہانی اور تصویر

اب وہ قاسم کی کوٹھی کی طرف جا رہے تھے اور حمید کی نیند غائب ہو چکی تھی گو ذہن مضمحل
تھا لیکن وہ کسی قسم کی جسمانی تھکاوٹ نہیں محسوس کر رہا تھا۔

"سر جوزف کی کہانی تو رہ ہی گئی۔" اس نے کہا۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "اس کی کہانی تو ان دونوں کے متعلق چھان بین کرنے
کے دوران ہی میں مجھے معلوم ہو گئی تھی۔ اس لئے میں نے ضروری نہیں سمجھا تھا کہ اس کی زبان
سے دوبارہ سنوں۔"

"یہ سیلی کون تھی۔"

"ڈاکٹر دوبے کی پروردہ ایک لڑکی۔ پروردہ نہ کہنا چاہئے کیونکہ وہ نوجوان ہی تھی، ڈاکٹر دوبے
نے صرف اس کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی۔ وہ ایک نادار اور اپاہج بیوہ کی لڑکی تھی۔ ڈاکٹر دوبے
اس کا علاج کر رہا تھا۔ لیکن اسے بچانے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ مرتے وقت اس نے اپنی بیٹی کے
مستقبل کے بارے میں بڑی پریشانی ظاہر کی تھی۔ ڈاکٹر دوبے نے اسے اطمینان دلایا کہ وہ بے فکر
رہے کیونکہ وہ اسے اپنی سرپرستی لے رہا ہے۔ بڑھیا کی موت کے بعد ڈاکٹر دوبے سیلی کو اپنے گھر
لے گیا تھا۔ اس نے اس کے ساتھ تین سال گذارے۔ ڈاکٹر اس پر بے حد مہربان تھا۔ دوسری
طرف ڈاکٹر دوبے اور سر جوزف گہرے دوست تھے۔ گو سر جوزف اس سے متنفر تھا۔ لیکن چونکہ
ایک بار ڈاکٹر دوبے نے اسے ایک مہلک مرض سے نجات دلائی تھی اس لئے وہ اس کا بے حد
گرویدہ ہو گیا تھا۔ سر جوزف کو سیلی سے انس ہو گیا پھر یہ چیز بڑھتے بڑھتے اس جنون میں تبدیل
ہو گئی جسے تم عشق کہتے ہو اور قاسم محوبت کہتا ہے۔ سر جوزف نے اس سے شادی کی خواہش ظاہر

کی۔ اس لئے ڈاکٹر دوبے اس سے جھگڑا کر بیٹھا۔ دھکے مار کر گھر سے نکال دیا سر جوزف
بقول کسے دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی یعنی سیلی میں بھی اس جنون کے جراثیم پیدا ہو
تھے۔ اس موقع پر ڈاکٹر دوبے نے اپنی ڈھکی چھپی خواہش ظاہر کی۔ وہ بھی اس کے لئے اس
میں مبتلا تھا۔ سیلی کو جب یہ معلوم ہوا تو اس کی حالت غیر ہوگئی کیونکہ وہ تو اسے اس وقت
مربی اور سرپرست سمجھتی رہی تھی۔ ایک طرف وہ اس کے احسانات کے بار سے دبی ہوئی تھی
دوسری طرف اسے سر جوزف کا خیال تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی صحت گرنے لگی۔ دوسری طرف
سر جوزف بُری طرح بے تاب تھا۔ وہ چھپ چھپ کر اس سے ملتا رہتا اور اسے ترغیب دیتا
اس کے ساتھ نکل چلے۔ سیلی پہلے تو انکار کرتی رہی پھر رضا مند ہوگئی۔ مگر وہ شہر سے باہر نہ
گئے۔ گو سر جوزف اس وقت خطاب یافتہ نہیں تھا۔ لیکن شہر کے ذی عزت لوگوں میں شمار کیا
تھا۔ دولت مند بھی تھا۔ سیلی سنِ بلوغ کو پہنچ چکی تھی اس لئے کسی قانونی کاروائی کا ڈر بھی
تھا۔ دونوں نے سول میرج کرلی پھر ڈاکٹر دوبے سر جوزف کے خون کا پیاسا ہوگیا۔ ایک
زبردستی اس کے گھر میں گھس کر اس پر فائر کیا لیکن وہاں کئی ملازم بھی موجود تھے۔ فائر خالی گ
اور انہوں نے اسے بے بس کر کے ریوالور چھین لیا۔ ڈاکٹر دوبے کو ناکام واپس ہونا پڑا تھا۔
سر جوزف نے اس کی اطلاع پولیس کو نہیں دی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہی احساس بنا تھا کہ
اس کے احسانات ہیں۔ سیلی اس غم میں گھلتی گئی کہ وہ دو دوستوں کے درمیان نفاق کا بیج بن
ہے۔ بالآخر وہ ٹی بی میں مبتلا ہوئی اور پانچ سال سے زیادہ زندہ نہ رہ سکی۔ پھر سر جوزف کے
میں بھی سر دوبے سے دشمنی کی آگ بھڑک اٹھی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ سیلی کے غم میں پ
نے دوسری شادی نہیں کی۔ بہر حال وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔"

حمید نے ہونٹ سکوڑے اور پھر آہستہ سے بولا۔ "مگر یہ کہانی ہمارے لئے فضول ہے
طرف بھی رہنمائی نہیں کرتی۔"

"ہاں.... کہانی فضول ہی سہی مگر وہ مردہ چوہا۔"

"ارے چھوڑیئے۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

"فی الحال یہی سہی۔ لیکن یہ واقعہ ہمیں کسی نہ کسی سمت ضرور لے جائے گا۔ اچھا چلو
دیو پیکر ہم شکلوں کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ ان کے متعلق سوچ بھی کیا سکتا تھا۔ سوائے اس کے کہ ان کی نشوونما
ری طور پر نہیں ہوئی تھی۔

"میں ان کے متعلق کیا کہوں۔" اس نے کہا۔ "اگر یہ کہا جائے کہ ان کی نشوونما فطرت سے
یادہ کسی سائنسی عمل کی رہین منت ہے تو پھر شکل کا سوال پیدا ہو جائے گا۔ تینوں ہم شکل تھے۔"

"میک اپ۔"

"مگر کیا وہ آپ کو میک اپ معلوم ہوا تھا۔" حمید نے سوال کیا۔ "میری دانست میں تو وہ
یک اپ نہیں تھا۔"

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔" فریدی بولا۔ "کیونکہ مجھے اسے قریب سے دیکھنے کا
وقع نہیں ملا تھا۔"

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد حمید نے کہا۔ "ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ دونوں
اسم کی کوٹھی تک کیسے آئے ہوں گے۔ جہاں سے بھی آئے ہوں انہیں چلتی ہوئی شاہراہوں
ے ضرور گذرنا پڑا ہوگا۔"

"قاسم کی کوٹھی کا محل وقوع تو ایسا ہی ہے لیکن وہاں تک انہیں چھپا کر بھی لایا جاسکتا ہے کسی
ند گاڑی میں۔ پھر پائیں باغ میں ان کا داخلہ مشکل تو نہیں ہو سکتا۔"

"اچھا کیا آپ کو یقین ہے کہ ڈاکٹر دوبے مر ہی گیا ہوگا۔"

"شائد میں نے یقین کے ساتھ کبھی نہ کہا ہو کہ وہ بھی وہیں جل مرا تھا۔ آخر مس ڈھو کیسے
چ نکلی تھی۔"

"میں بھی یہی سوچتا رہا ہوں؟" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ حقیقتاً
ے جلا کر ہی مارنا چاہتا تھا اور خود بھی فنا ہو جانے کا ارادہ رکھتا تھا تو اس نے بچ نکلنے کے امکانات کا
ھی جائزہ پہلے ہی لیا ہوگا۔ اس قسم کی اسکیمیں بڑے غور و خوض کے بعد مرتب کی جاتی ہیں، خواہ
ن کا تعلق خودکشی ہی سے کیوں نہ ہو۔"

"گڈ.... اب تم راہ پر آرہے ہو۔"

"تو پھر میں یہ سمجھ لوں کہ ڈاکٹر دوبے زندہ ہے۔"

"فی الحال میں نے یہی فرض کرلیا ہے۔"

"مگر یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی دوسرا ہی ڈاکٹر دوبے کے پردے میں شکار کھیل رہا ہو۔" حمید بولا۔ "چند آدمیوں کو صاف کرنے کے لئے ڈاکٹر دوبے کے بعض حریفوں دشمنوں یا محبوں سے بھی تھوڑی سی چھیڑ چھاڑ کرلی ہو۔ تاکہ پولیس غلط راستے پر پڑ جائے اور وہ اپنی مقصد براری کے بعد بھی قانون کی زد سے محفوظ رہ سکے۔"

"اوہ.... اسی لئے تو ابھی میرا پہلا نظریہ محض ایک مفروضہ ہے اور تم دوسرے خیال کو بھی یقین کے سانچے میں نہیں ڈھال سکے۔"

"ٹھیک ہے.... مگر اصل مجرم تک رسائی کیسے ہوگی۔ مجھے تو ابھی تک کوئی صورت نہیں نظر آتی۔"

"بس دیکھتے جاؤ.... فی الحال میں اس آدمی کے چکر میں ہوں جس نے ابھی حال ہی میں مس ڈھو سے شادی کی درخواست کی تھی۔"

"وہی آپ کو کہاں مل جائے گا۔"

"اس کے لئے میں کام کرتا رہا ہوں حمید صاحب۔ اگر آپ پر نیند نہ سوار رہی تو آپ بہت کچھ دیکھیں گے.... آہا میں غلط جارہا ہوں۔ نہیں اب ہم قاسم کے گھر نہیں جائیں گے۔"

"پھر....!"

"بس دیکھتے جاؤ۔" فریدی مسکرایا۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ گاڑی بندرگاہ کے علاقے کی طرف جارہی ہے۔

اور پھر وہ ایک ہوٹل کے سامنے رک گئی، جو غیر معروف اور متوسط درجہ کا تھا۔

حمید نے ادھر سے گذرتے وقت اسے بارہا دیکھا تھا لیکن کبھی اندر جانے کی خواہش نہیں ہوئی تھی۔

وہ دونوں کار سے اترے لیکن حمید نے اسے ٹوکا نہیں.... وہ ہوٹل میں داخل ہو کر کاؤنٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا بھاری بھرکم آدمی انہیں دور ہی سے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ قریب پہنچنے پر اس نے فریدی کو سلام کیا۔

"آپ بیٹھئے۔" فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "کیا منقار صاحب موجود ہیں۔"

"جی ہاں.... وہ اپنے کمرے ہی میں ہیں جناب.... کیا ملواؤں۔"

"نہیں.... نہیں.... میں خود ہی مل لوں گا۔" فریدی زینوں کی طرف مڑ گیا۔

ہال ہی کے ایک گوشے سے کچھ زینے اوپری منزل تک لے جاتے تھے۔ حمید چپ چاپ زینے طے کرتا رہا۔ منقار قسم کا نام آج تک اس کے سننے میں نہیں آیا تھا۔ یہ منقار صاحب کون بزرگوار ہوں گے۔ اگر سچ مچ منقار ہی ثابت ہوئے تو بہت گراں گذریں گے۔ حمید نے سوچا اور بور ہوتا رہا۔ اب پھر اس کا ذہن نیند سے بوجھل ہونے لگا تھا۔

فریدی نے اوپر پہنچ کر ایک دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ....!" اندر سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی اور فریدی نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔ سامنے ہی کھڑکی کے قریب ایک ادھیڑ عمر کا آدمی آرام کرسی پر نیم دراز تھا انہیں دیکھتے ہی بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہ.... آپ ہیں.... تشریف رکھئے جناب.... تشریف رکھئے۔"

کمرے میں ایک ہی آرام کرسی تھی۔ فریدی پلنگ ہی پر بیٹھ گیا۔

"ادھر تشریف لایئے.... یہاں کرسی پر جناب۔"

"نہیں میں ٹھیک ہوں....!" فریدی مسکرایا۔ "فنکاروں کے یہاں تکلفات کو دخل نہ ہونا چاہئے۔"

حمید بوکھلا کر اس کو گھورنے لگا کہ یہ منقار سے یک بیک فنکار کیسے ہو گیا۔

"حمید ان سے ملو۔ یہ ایک مایہ ناز کارٹونسٹ ہیں۔" فریدی نے اس کا تعارف کرایا۔ "انہیں بہت مشہور ہونا چاہئے تھا لیکن جانبداریوں نے انہیں ابھرنے نہ دیا۔"

حمید نے طوعاً و کرہاً اس سے ہاتھ ملایا اور دل ہی دل میں جھلتا رہا کہ آخر اس سلسلے میں کوئی کارٹونسٹ کہاں سے آ ٹپکا۔

"میں نے آپ کا کام مکمل کر لیا ہے جناب۔" اس نے کہا اور میز پر رکھا ہوا فائیل الٹنے لگا۔ پھر اس سے ایک دفتی کا ٹکڑا نکالا جس پر بنی ہوئی تصویر کی ہلکی سی جھلک حمید نے بھی دیکھی تھی۔ لیکن جب وہ تصویر فریدی کے ہاتھوں میں آئی تو حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

ان میں سے ایک تصویر تو سو فیصدی مس ڈھو کی تھی اور دوسری کسی مرد کی۔ دونوں قریب قریب بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے سامنے ایک چھوٹی سی میز تھی۔

"کمال ہے۔" فریدی کارٹونسٹ کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"ارے آپ تو ایک بلند پایہ مصور بھی ہیں۔ آپ کو کارٹونسٹ کون کہتا ہے۔"

"میں خود ہی کہتا ہوں جناب۔" آرٹسٹ مسکرایا۔ "لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے بگڑا شاعر مرثیہ گوئی اختیار کرتا ہے اسی طرح نااہل مصور کارٹونسٹ بن جاتے ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے۔ اچھے کارٹونسٹ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا مصور بھی ہو، ورنہ اچھا کارٹونسٹ ہو نہیں سکتا۔ بالکل اسی طرح جیسے گھٹیا قسم کے انشاپرداز مزاح نگار نہیں ہو سکتے۔"

"بات پتے کی ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "میرا خیال ہے کہ اس مرد کی تصویر بھی اصل کے مطابق ہی ہو گی۔"

"دونوں میں سرمو فرق نہیں ہو سکتا۔" اس نے ایک دوسرا شیٹ فائیل سے کھینچتے ہوئے اور اسے بھی فریدی کی طرف بڑھادیا۔

یہ اسی تصویر کا کارٹون تھا جو حمید نے پہلے دیکھی تھی۔

فریدی نے جیب سے سو سو کے تین نوٹ نکالے اور اس آرٹسٹ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "اسے قبول کیجئے۔"

"ارے نہیں جناب۔ ہر گز نہیں.... پولیس کی مدد کرنا میرا فرض ہے۔"

"یہ تصاویر میری ذاتی ملکیت ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک مقدمے میں ان سے مدد مل جائے گی۔ کیا یہ آدمی پھر کبھی یہاں نظر آیا تھا۔"

"جی نہیں.... میں نے تو نہیں دیکھا۔"

"اچھا شکریہ....!" فریدی اٹھ گیا۔

حمید کی نیند پھر غائب ہو گئی تھی۔ ڈائننگ ہال میں پہنچتے ہی حمید تصاویر کے متعلق استفسار کر بیٹھا۔

"ٹھہرو.... ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور ہال سے نکلتا چلا گیا۔

وہ پھر لنکن میں آبیٹھے اور فریدی نے مشین اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا "غالباً تم سمجھ ہی گئے ہو گے کہ مس ڈھو کے ساتھ جو مرد ہے، وہی ہو سکتا ہے جس کی مجھے تلاش ہے۔"

"غالباً میں یہی سمجھتا ہوں۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "لیکن یہ حیرت انگیز واقعہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکا۔"

"کون سا....!"

"یہی کہ آپ کو کسی منقار کی تلاش تھی۔ مگر وہ فنکار نکلا۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ مگر پھر وہ بولا۔ "حمید صاحب وہ حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک ہے۔ بہر حال نہیں اس پر حیرت ہو گی کہ یک بیک میں نے اسے کہاں سے کھود نکالا۔ میں دراصل ان جگہوں پر پوچھ گچھ کرتا رہا ہوں۔ جہاں مس ڈھو نے اس نامعلوم آدمی کے ساتھ کبھی کبھی تھوڑا سا وقت بھی گذارا ہے۔ یہ ہوٹل تو ان کی نشست کے لئے مخصوص تھا۔ وہ دونوں اکثر یہیں رات کا کھانا کھاتے تھے۔ جوڑا چونکہ اپنی نوعیت کا ایک ہی تھا اس لئے جس نے ایک بار بھی انہیں ساتھ دیکھا پھر نہ بھلا سکا۔ یہاں کے مالک سے میں نے اس جوڑے کے متعلق پوچھا تھا اس نے اعتراف کیا کہ ایک ایسا مضحکہ خیز جوڑا وہاں اکثر آتا رہتا ہے اور پھر اس نے اپنے ایک کارٹونسٹ دوست کا تذکرہ کیا جو ہوٹل ہی میں رہتا تھا۔ اس نے کاؤنٹر ہی پر بیٹھے بیٹھے اس مضحکہ خیز جوڑے کا کارٹون بنایا تھا۔ میں نے کارٹون دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ مجھے منقار کے پاس لے گیا۔ کارٹون دیکھا تو عورت کی تصویر میں مس ڈھو کی مضحکہ خیز جھلکیاں نظر آئیں۔ اس لئے میں نے سوچا کہ مرد کی تصویر بھی اصل سے کچھ نہ کچھ مطابقت ضرور رکھتی ہو گی۔ جب منقار کو یہ معلوم ہوا کہ میں ان دونوں کے خلاف کسی مقدمے کے سلسلے میں تفتیش کر رہا ہوں تو وہ ان کی سیدھی سادی تصاویر بنانے پر آمادہ ہو گیا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ محض یاد داشت کے سہارے قریب قریب ساری تفاصیل واضح کر سکتا ہے اور میری دانست میں اس کا دعویٰ غلط بھی نہیں ہے۔ کیا مس ڈھو کے سلسلے میں کوئی تفصیل نظر انداز ہوئی ہے۔"

"میں خود بھی متحیر ہوں۔" حمید نے کہا۔ "محض یاد داشت کے سہارے ایسی تصویر پینٹ کرنا یقیناً معجزہ کہلائے گا۔"

حمید نے ایک بار پھر تصویر پر نظر ڈالی۔ یہ سفیدہ اور سیاہی سے پینٹ کی گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ دور سے دیکھے جانے پر یہ فوٹوگراف ہی معلوم ہو گی۔

قاسم کے گھر پہنچ کر فریدی نے مس ڈھو کے متعلق پوچھا۔ اس وقت قاسم اور اس کی بیوی موجود نہیں تھے۔ مس ڈھو اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھی۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں اس کا انتظار کرنے لگے۔

کچھ دیر بعد وہ دیوار کا سہارا لیتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ برسوں کی بیمار معلوم ہو رہی تھی۔

"اوہ.... بیٹھئے۔" فریدی نے جلدی سے اٹھ کر اسے سہارا دیا اور ایک صوفے پر بٹھاتا ہوا بولا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کی صحت اس قدر گر گئی ہے ورنہ میں آپ کے کمرے ہی میں پہنچنے کی کوشش کرتا۔"

"کوئی بات نہیں جناب۔" وہ کمزور آواز میں بولی اور اس نے حسب عادت مسکرانے کی بھی کوشش کی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ "کیا یہاں میرا ٹھہرنا ضروری ہے۔ دیکھئے اور کچھ نہ سمجھئے گا دراصل یہ نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے کسی کو تکلیف پہنچے.... صاحب اور بیگم دن رات لڑتے رہتے ہیں۔ بیگم صاحب کو مجھ سے ہمدردی ہے۔"

"میں آپ کو اپنے گھر لے چلوں گا۔ آپ فکر نہ کیجئے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اس وقت بھی آپ کو تکلیف ہی دینے آیا ہوں.... کیا آپ مجھے ڈاکٹر دوبے کی نجی مصروفیات کے متعلق بھی کچھ بتا سکیں گی۔"

"نجی مصروفیات....!" وہ کسی سوچ میں پڑ گئی پھر یک بیک چونک کر متحیرانہ انداز میں بولی۔ "یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"اس لئے کہ اب تک تین ڈاکٹر دوبے مارے جا چکے ہیں۔"

"مم.... میں بھی سوچ میں تھی۔ نوکروں نے بتایا کہ جس پر کپتان صاحب نے فائر کیا تھا بھی ویسا ہی تھا جیسا میری نظروں سے گذرا تھا۔ اوہ کرنل میں کیا بتاؤں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں بڑی الجھن میں ہوں.... اس کی جسامت.... میرے خدا.... مگر وہ اب اس دنیا میں کہاں ہے۔ شائد کوئی اور اسی کے نام پر اس کے تجربات سے غلط فائدہ اٹھا رہا ہے۔"

"تجربات.... کیا مطلب۔"

"اوہ.... وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ آج مجھ سے جو نفرت کرتے ہیں کل مجھ پر فخر کریں گے۔ دنیا کی حسین ترین لڑکیاں مجھ سے منسوب ہونے کے لئے زمین و آسمان ایک کر دیں گی۔ مغرب کے زیادہ تر بڑے آدمی بدصورت ہیں۔ لیکن ان کے پیچھے عورتوں کی فوج نظر آتی ہے۔ ایک دن یہی حالت میری بھی ہوگی۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ آخر وہ کس بناء پر ایسا کہہ رہا ہے؟ اس پر وہ مجھے پہلی بار اپنی تجربہ گاہ میں لے گیا اور میں نے وہاں ایسی چیزیں دیکھی تھیں کہ آج بھی یاد کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

"کیا دیکھا تھا۔"

"کتوں کے برابر چوہے.... ایک خرگوش جو معمولی قد کے بکرے کے برابر اونچا تھا۔ تین فٹ لمبے کیچوے جنہیں میں پہلے سانپ سمجھی تھی۔ لیکن ڈاکٹر نے مجھے تاکید کر دی تھی کہ میں کسی سے بھی ان کا تذکرہ نہ کروں۔"

"مگر مس ڈھو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ ہی کی طرح ڈاکٹر بھی بچ نکلا ہو۔"

"میں نے بھی اس پر غور کیا ہے مگر پھر وہ جلی ہوئی لاش کس کی تھی جو ملبے سے برآمد ہوئی تھی۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ملازم کی لاش رہی ہو۔"

"نہیں جناب ہم دونوں کے علاوہ ایک متنفس بھی گھر میں موجود نہیں تھا۔ ڈاکٹر نے کبھی کوئی گھریلو ملازم رکھا ہی نہیں۔ اپنے کام خود ہی کرتا تھا۔ مجھ سے پہلے ایک لڑکی سیلی وہاں رہتی تھی اس کے جانے کے تین سال بعد میں وہاں پہنچی تھی۔"

فریدی نے سیلی یا سر جوزف کے متعلق اس سے کسی قسم کے سوالات نہیں کئے۔ حالانکہ حمید سر جوزف کے متعلق بھی پوچھ گچھ کرنا چاہتا تھا۔

اب فریدی نے منقار کی بنائی ہوئی تصویر نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔

"اوہ....!" وہ یک بیک اچھل پڑی۔ "یہ.... یہ کس نے بنائی ہے جناب.... مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے کبھی کسی آرٹسٹ کو پوز دیا ہو۔ یا اس پراسرار آدمی کے ساتھ کبھی کوئی تصویر کھنچوائی ہو۔"

"یہ وہی آدمی ہے نا۔"

"سو فیصدی وہی جناب۔ ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے۔"

"اچھا مس ڈھو۔ اب اجازت دیجئے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "کل آپ یہاں سے میرے گھر میں منتقل ہو رہی ہیں۔"

خوفزدہ اجنبی

اسی شام کو آفس میں فریدی کی میز پر منقار کی بنائی ہوئی تصویر کے لاتعداد فوٹو پرنٹس بکھرے ہوئے تھے۔ تصویر صرف اس پراسرار آدمی کی تھی۔ مس ڈھو کی تصویر اس سے علیحدہ کر لی

گئی تھی۔

حمید بہتر پرنٹ چھانٹ چھانٹ کر الگ کرتا جا رہا تھا اور فریدی کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔

"تو آپ کا یہ نظریہ بھی ختم ہی ہو گیا کہ ڈاکٹر دوبے زندہ ہے۔" حمید نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

"اس کے متعلق میں اب بھی الجھن میں ہوں۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ ممکن ہے وہ جلی ہوئی لاش کسی ملازم کی رہی ہو لیکن مس ڈھو نے اس خیال کی سختی سے تردید کر دی۔"

"اور وہ نظریہ ختم ہو گیا۔"

"نن.... نہیں....!" فریدی نے متفکرانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔ "اس نظریہ کا ایک جواز اب بھی میرے پاس ہے۔ ہو سکتا ہے مس ڈھو کو وہاں اس آدمی کی موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ وہ دن رات وہیں رہتی تھی۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی اسے علم نہیں تھا کہ وہ کس قسم کی تجربہ گاہ ہے اور اس وقت تک علم نہیں ہو سکا جب تک ڈاکٹر دوبے نے خود نہیں چاہا۔"

"پھر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی کہ جانوروں کے بعد آدمی ہی کی باری آتی ہے۔ اس قسم کے سارے تجربات مختلف قسم کے جانوروں سے گذر کر آدمی ہی تک پہنچتے ہیں کیا سمجھے۔"

"میں اب بھی کچھ نہیں سمجھا۔"

"شائد تم پوری نیند نہیں لے سکے۔" فریدی مسکرایا۔

"صرف تین گھنٹے سویا ہوں۔"

"خیر.... کیا یہ ممکن ہے کہ اس نے لاتعداد جانوروں کی طرح کوئی آدمی بھی پال رکھا ہو جس کا علم اس کے علاوہ اور کسی کو کبھی ہو ہی نہ سکا ہو۔ کیونکہ کسی آدمی پر اس قسم کے تجربات اسی وقت جائز ہیں جب قانون اُن کی توثیق کر دے، ورنہ وہ جرائم ہی کے تحت آئیں گے۔ مجھے پچھلے پچاس سال کے ریکارڈ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی کو اس قسم کے تجربات کی اجازت دی گئی ہو۔"

"آپ دوسرے امکانات پر بھی کیوں نہیں غور کرتے۔"

"تم غور کر کے کسی نتیجے پر پہنچ چکے ہو تو مجھے بتاؤ۔"

"سر جوزف....!"

"اوہ.... تم نے ابھی تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔"

"وہ ڈاکٹر دوبے کا دوست تھا۔ ممکن ہے اسے ان تجربات کا علم رہا ہو۔ آج وہ ان سے کام لے رہا ہو۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ کوئی دوسرا آدمی ڈاکٹر دوبے کی آڑ لے کر اپنے دشمنوں کا صفایا اس طرح کر سکتا ہے کہ پہلے ڈاکٹر دوبے کے بعض شناساؤں سے چھیڑ چھاڑ کر بیٹھے پھر اپنے دشمنوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دے اور پولیس چکر ہی کھاتی رہ جائے۔"

"تو صرف سر جوزف ہی کیوں حمید صاحب۔ یہی دلائل آپ مس ڈھو پر بھی لاد سکتے ہیں۔"

"آہا تو میں اس کی طرف سے مطمئن کب ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ سب کچھ دونوں کی ملی بھگت سے ہو رہا ہو۔"

"اسی طرح کوئی تیسرا آدمی بھی ہو سکتا ہے جس کا علم ان دونوں کو بھی نہ ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"میں یہ دلائل اپنے پچھلے تجربات کی بناء پر پیش کر رہا ہوں۔ ہمیں بارہا ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے.... کئی کیس ہماری یادداشت میں ایسے محفوظ ہیں جن سے متعلق رکھنے والے انتہائی مظلوم آدمی ہی اصل مجرم ثابت ہوئے۔"

"اور حمید صاحب ایسے مظلوم آدمی بھی آپ کی یادداشت میں یقینی طور پر محفوظ ہوں گے جو آپ کے مظالم کے بھی شکار ہوئے تھے اور نتیجہ وہی ٹائیں ٹائیں فِش یعنی مجرم کوئی دوسرا ہی تھا۔ بعض اوقات تو ایسا ہی ہوا ہے کہ مجرم کوئی قطعی بے تعلق آدمی ثابت ہوا تھا جس پر پہلے ہماری نظر ہی نہیں پڑی تھی۔"

"اب تو قاسم ہی کے انداز میں کہنے کو جی چاہتا ہے کہ ٹھینگے سے۔" حمید جھلا گیا۔

"میں تو آج رات کو نیاگرا میں بیلے دیکھوں گا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس نے حمید کی منتخب کی ہوئی تصاویر سمیٹیں اور انہیں ایک چرمی تھیلے میں چند کاغذات سمیت رکھ کر تھیلے کو سیل کرنے لگا۔

"یہ تصاویر بلیک فورس کے لئے ہیں.... یا محکمے کے آدمیوں کے لئے۔" حمید نے پوچھا۔

"تم جانتے ہی ہو کہ ایسے عجلت کے کام میری بلیک فورس ہی سرانجام دیتی ہے۔"

اس کے بعد پھر ان میں کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی۔ آفس کا وقت دیر ہوئی ختم ہو چکا تھا اور

آفیسروں میں ان کے علاوہ صرف رات کی ڈیوٹی والے ہی اس عمارت میں نظر آ رہے تھے۔

حمید کو تنہا گھر آنا پڑا کیونکہ فریدی اسے بتائے بغیر کہیں اور چلا گیا تھا۔

گھر پہنچ کر اس نے کافی پی اور ایک صوفے میں ڈھیر ہو گیا۔ نیند پوری نہ ہونے کی بناء پر طبیعت کسلمند تھی۔ اس لئے اس نے کہیں باہر جانے کا ارادہ قطعی ترک کر دیا۔

آج سردی بھی گذشتہ دنوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی تھی۔ اس لئے تھکن کے عالم میں "لحاف" سے زیادہ کسی دوسری عیاشی میں کوئی چارم نظر نہ آیا۔ مگر کھانے سے پہلے وہ اس عیاشی سے دور ہی رہنا چاہتا تھا۔ ورنہ شاید دوسرے ہی دن کھانا نصیب ہوتا، پتہ نہیں کیوں آج کل اس کی بھوک بھی قاسم ہی کی طرح کچھ "کھل" سی گئی تھی۔

ساڑھے سات بجے اس نے رات کا کھانا تنہا کھایا۔ کیونکہ فریدی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

آٹھ بجے تک وہ کافی اور پائپ سے شغل کرتا رہا اس کے بعد خواب گاہ کا رخ کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ یک بیک فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے جھلا کر ریسیور اٹھا لیا۔ فریدی کے علاوہ اور کون ہو گا۔ اس نے سوچا اور ابھی نادر شاہی حکم ملے گا کہ فلاں جگہ پہنچ جاؤ.... گاڑی ٹھیک نہ ہو تو دم ہی کے بل پھدکتے چلے آؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن کال ریسیو کرتے ہی جان میں جان آئی کیونکہ دوسری طرف سے قاسم کی آواز آئی تھی۔

"ابے .... بھاگو.....!" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "جلدی آؤ.... ہجاروں آگئے ہیں ہجاروں ٹھائیں ٹھائیں اور دھائیں دھوئیں ہو رہی.... ابے جلدی.... سالے سور حمید بھائی ابے تم لوگوں نے مجھے برباد کر دیا۔"

وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔

"کیا ہے.... کون آگئے ہیں.... آہستہ بولو کیا بات ہے۔"

"ابے وہی لمبے تڑنگے.... مس اُلو کی پٹھی کے آشیق.... جلدی آؤ سالے سور ورنہ میں اپنے گولی مار لوں گا.... پھر اس گلہری کی بچی کو بھی مار ڈالوں گا جس کی وجہ سے یہ سالی مس ڈھو.... اس کی تو ایسی کی تیسی.... ارے باپ رے حمید بھائی کھدا کے لئے جلد آؤ.... ارے.... ہجاروں ہیں۔"

"ویسے ہی جیسا آدمی پچھلی رات تمہاری کمپاؤنڈ میں مرا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"ابے ہاں ہاں.... بل قل وہی.... مس ڈھو کہتی ہے سالی کو سب ڈاکٹر دوبے ہیں۔ میں کہتا ہوں ڈاکٹر ٹھینگے ہیں.... ایسی کمینی اور جھوٹی عورت میں نے آج تک نہیں دیکھی.... سب سالے ڈاکٹر دوبے قیسے ہو سکتے ہیں۔"

"اچھا.... اچھا میں فوراً آ رہا ہوں.... کیا کمپاؤنڈ میں روشنی ہے۔"

"ہے.... بہت تیز روشنی....!"

حمید سمجھ گیا کہ فریدی کے آدمی اب بھی کوٹھی کی نگرانی کرتے رہے ہیں۔ اس وقت بھی انہوں نے سرچ لائٹس استعمال کی ہوں گی اور ان پر فائر بھی کر رہے ہوں گے کیونکہ قاسم کی ٹھائیں ٹھوئیں اور دھائیں دھوئیں کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ان پر فائر بھی ہو رہے ہیں اور غالباً ان کی کھوپڑیاں بھی اڑا رہے ہیں۔

"اچھا تم سارے دروازے بند رکھو۔" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ اب ان مقامات کے نمبر ڈائیل کرنے لگا جہاں سے کسی جگہ فریدی کی موجودگی کی اطلاع مل سکتی تھی۔

بہزار دقت ایک جگہ خود فریدی فون پر مل ہی گیا۔ حمید نے اسے قاسم کے بتائے ہوئے واقعہ سے مطلع کیا اور سلسلہ منقطع کر کے گیراج کی طرف بھاگا۔ ریوالور اس کی جیب ہی میں موجود تھا۔ کیونکہ آفس سے واپسی پر اس نے اب تک لباس نہیں تبدیل کیا تھا۔

بڑی جلدی میں اس نے اپنی کار گیراج سے نکالی اور قاسم کی کوٹھی کی طرف چل پڑا۔ لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ جلد از جلد وہاں پہنچ ہی جاتا۔ یہ شہر کی رونق کا وقت تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ تھی۔ جگہ جگہ خود کار سگنل راستہ روکے کھڑے نظر آئے۔ بہر حال وہ آدھے گھنٹے سے پہلے قاسم کے گھر تک نہ پہنچ سکا۔

لیکن یہاں تو اب سناٹا تھا ویسے لاتعداد سرخ ٹوپیاں کمپاؤنڈ میں نظر آ رہی تھیں اور تین سرچ لائٹس کے علاوہ کمپاؤنڈ کے بلب بھی روشن تھے۔

متعدد لاشیں.... حمید پہلی نظر میں شمار نہ کر سکا۔ پھر جیسے ہی وہ کمپاؤنڈ میں داخل ہوا فریدی پر نظر پڑی جو بے سر کی لاشوں کے درمیان کھڑا ایس۔ پی سٹی سے گفتگو کر رہا تھا۔

پھاٹک کے باہر شائد پورا علاقہ امنڈ آیا ہوتا اگر پولیس نے پٹرول کاروں میں لگے ہوئے لاؤڈ سپیکروں کے ذریعہ سارے علاقے میں کرفیو کے نفاذ کا اعلان نہ کر دیا ہوتا۔ حمید کو ایک لاش بھی

ایسی نہ دکھائی دی جس کے شانوں پر سر موجود ہوتا۔ لباس وہی تھا، جو پچھلے دنوں وہ دوسری
لاشوں پر دیکھ چکا تھا۔ حمید کا سر چکرا کر رہ گیا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ وہ یہاں
کیوں آیا ہے۔

فریدی نے اسے دیکھا اور اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

اس نے اسے ہدایت دی کہ وہ اندر جائے اور مس ڈھو کے کمرے میں موجود رہے، بیک
وقت اتنی لاشیں دیکھ کر حمید بوکھلا گیا تھا اس لئے وہ بے چوں وچرا کوٹھی کی طرف مڑ گیا۔

اور پھر دوسری صبح اسے پچھلی رات کے سارے واقعات کسی بھیانک خواب کی طرح یاد
آرہے تھے۔ وہ مس ڈھو کے کمرے میں تھا اور اس کی بگڑی ہوئی حالت اس کی نظروں میں تھی
اس کے علاوہ کمرے میں ایک نرس اور ایک ڈاکٹر بھی تھا۔ قاسم اور اس کی بیوی سے تو ملاقات ہی
نہیں ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ خود انہوں نے اس سے ملنا پسند نہ کیا ہو۔ پھر رات ہی کو مس ڈھو
فریدی کی کوٹھی میں لائی گئی تھی اور حمید نے گھر پہنچ کر اس کے چہرے پر بحالی دیکھی تھی۔ ایسا
معلوم ہوتا تھا جیسے اب اسے کسی بات کا خوف نہ رہ گیا ہو۔ مگر حمید اسے کینہ توز نظروں سے دیکھتا
رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کس بلا کی اداکاری کرتی ہے۔ قاسم کی کوٹھی میں تو ایسا لگ رہا تھا جیسے صرف
چند گھنٹوں کی مہمان ہو۔ لیکن اب.... سوچنا پڑتا ہے کہ اسے ہوا کیا تھا۔

دو بجے دن تک وہ بور ہوتا رہا کیونکہ آج فریدی اسے مس ڈھو کی نگہداشت کے لئے گھر
پر چھوڑ گیا تھا۔ تاکید تھی کہ مس ڈھو کو تنہا نہ چھوڑا جائے۔ ویسے حمید ابھی تک اس کا اندازہ نہیں
کر سکا تھا کہ فریدی کا رویہ اس عورت کے ساتھ حقیقتاً ہمدردانہ ہے یا وہ سب کچھ مصلحت کوشی
کے تحت ہو رہا ہے.... کبھی کبھی خیال ضرور گذرتا تھا کہ فریدی اپنے ہمدردانہ برتاؤ میں مخلص
نہیں ہے.... بلکہ اس نے بعض شبہات کی بناء پر اسے الجھا رکھا ہے۔"

دو بجے فون کی گھنٹی بجی.... دوسری طرف سے فریدی بول رہا تھا۔ اس نے حمید کو اطلاع
دی کہ وہ آدمی مل گیا ہے جس کی انہیں تلاش تھی۔

"اس کا نام صولت مرزا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور وہ ہوٹل ڈی فرانس کے کمرہ نمبر
ستائیس میں مقیم ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسے چیک کرو۔ اپنی شخصیت چھپانے کی ضرورت نہیں۔"

"مگر پھر.... ان محترمہ کی چوکیداری کون کرے گا۔" حمید نے جھلنے کے سے انداز میں

پوچھا تھا۔

"فکر مت کرو.... اُن چاروں افغان ہاؤنڈ کو کمپاؤنڈ میں کھلا چھوڑ کر چلے جاؤ جو ہمیشہ بندھے
رہتے ہیں۔ مگر پھاٹک کھلا نہ رہنے پائے ورنہ وہ سارا شہر الٹ پلٹ کر رکھ دیں گے۔"

"کیا اس صولت مرزا کو حراست میں لے لوں۔"

"نہیں.... تم صرف مس ڈھو کے بارے میں اس سے پوچھ گچھ کرو گے۔ اسے تم یہ بتا سکتے
ہو کہ مس ڈھو نے اس کے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے کہ وہ اس سے خائف ہے۔"

گفتگو یہیں ختم ہو گئی تھی اور حمید سارے انتظامات مکمل کر کے ہوٹل ڈی فرانس کی طرف
روانہ ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کمرہ نمبر ستائیس کے دروازے پر دستک دی۔

دروازہ کھلا اور اس کے سامنے وہی آدمی موجود تھا جس کی تصویر منقار نے بنائی تھی۔ وہ یقیناً
ایک وجیہہ اور دلکش آدمی تھا۔ اس میں صنفِ مقابل کیلئے یقینی طور پر بڑی سکس اپیل رہی ہو گی۔

"فرمایئے جناب....!" اس کا لہجہ بے حد شریفانہ تھا اور آواز نرم تھی۔

حمید نے سوچا کہ وہ کسی بُرے آدمی کا ایجنٹ تو ہو سکتا ہے لیکن خود بُرا نہیں ہو سکتا۔

اس نے اپنا تعارفی کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا اس نے اس پر نظر ڈالی اور حیرت سے
حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا جناب کہ مجھے پولیس سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔"

"کیا آپ اندر چل کر بیٹھیں گے نہیں۔" حمید مسکرایا۔

"اوہ.... معاف کیجئے گا۔ میں اکثر خالی الذہن ہو جاتا ہوں۔" اس نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

حمید نے کمرے میں داخل ہو کر ایک کرسی سنبھال لی۔ اس کا رویہ کسی رنگروٹ آفیسر کا سا
تھا.... اس نے دیدہ و دانستہ اس قسم کا رویہ اختیار کیا تھا۔

"ہاں.... تو فرمایئے.... جناب.... مجھے اس الجھن سے نجات دلایئے۔ میں ذرا ڈرپوک
قسم کا آدمی ہوں.... بچپن ہی سے پولیس میرے لئے ہوا رہی ہے۔" اس نے میز کے ایک
گوشے سے ٹکتے ہوئے کہا۔

"میں ایک عورت کی شکایت پر یہاں آیا ہوں۔" حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے

کہا۔ "اس کا کہنا ہے کہ آپ اسے پریشان کر رہے ہیں۔"

صولت مرزا نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ پھر یک بیک غصیلے لہجے میں بولا۔ "آپ تشریف لے جائیں ورنہ پولیس کو فون کرتا ہوں۔ کیا آپ مجھے بالکل احمق سمجھتے ہیں۔ آپ جعلی پولیس آفیسر ہیں۔ میں آئے دن ایسے ٹھگوں کے متعلق اخبارات میں پڑھتا رہتا ہوں۔ آپ مجھ سے ایک پائی بھی نہیں وصول کر سکتے۔ اگر ہاتھاپائی کا ارادہ ہو تو اس سے بھی پیچھے نہیں ہٹوں گا۔"

"میں مس ڈھو کے متعلق گفتگو کر رہا ہوں۔ کہئے تو کسی باوردی آفیسر کو بھی طلب کر لوں۔"

"مس ڈھو۔" صولت مرزا کا لہجہ پھر نرم پڑ گیا۔ لیکن اس بار اس میں استعجاب بھی شامل تھا۔ وہ چند لمحے متفکرانہ انداز میں حمید کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "مگر مس ڈھو کو مجھ سے کیا شکایت ہو سکتی ہے جس کے لئے اسے پولیس کی مدد حاصل کرنی پڑے۔"

"اسے شکایت ہے کہ آپ اس سے شادی کرنے پر مصر ہیں۔"

"میرے خدا....!" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "کیا یہ بھی کوئی جرم ہے یعنی کہ شادی کی درخواست کرنا.... کہیں میں حیرت کی زیادتی کی وجہ سے پاگل نہ ہو جاؤں جناب۔"

"وہ ایک بوڑھی اور انتہائی درجہ بدشکل عورت ہے مرزا صاحب! آپ اس کے مقابلے میں بہت کم عمر ہیں گو آپ کی آنکھیں کسی معمر آدمی کی آنکھوں کی سی گہرائی رکھتی ہیں لیکن مس ڈھو اور آپ میں زمین و آسمان کے فرق سے بھی کچھ زیادہ فرق ہے۔"

"یہ میرا قطعی نجی معاملہ ہے جناب۔ دنیا کی کسی بھی عدالت میں میرا مقدمہ پیش کیجئے اگر مجھے ایک دن کی بھی سزا مل سکی تو میں جج سے استدعا کروں گا کہ وہ مجھے پھانسی پر لٹکا دے۔ غضب خدا کا اب شادی کی درخواست کرنا بھی جرم قرار پا گیا ہے۔"

"واقعی یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس کے لئے حمید دوڑا آیا۔ اس کی عقل چکرا کر رہ گئی۔ لیکن اس نے جلد ہی سنبھالا لے کر کہا۔ "ایسی بے جوڑ ٹیم آج تک میری نظروں سے نہیں گذری۔"

"معاف کیجئے گا آپ حد سے بڑھ رہے ہیں کیپٹن.... دنیا میں کوئی بھی مجھے اپنی پسند پر ٹوکنے کا حق نہیں رکھتا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے میرے دوست۔ مگر اس شادی کا انجام کیا ہو گا۔" حمید کو خواہ مخواہ مذاق کی سوجھی۔

"خدا کے لئے بس خاموش رہئے۔ آپ مجھے چڑچڑا بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میری

ت خراب نہ کیجئے۔ میں دائمی خوش دلی کا قائل ہوں۔" صولت مرزا نے بے بسی سے ہنستے ہوئے کہا۔

"مرزا صاحب آپ واقعی انتہائی حیرت انگیز آدمی ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ آپ کو دوست بناؤں۔"

"چلئے بن گیا دوست....!" صولت مرزا نے ہنس کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ان کا مصافحہ گرم جوش اور طویل تھا۔

"اب ہم دوستانہ فضا میں گفتگو کریں گے۔" حمید نے کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ مس ڈھو آپ سے خائف ہے۔ میں نہیں جانتا کیوں؟ اسے تو خوش ہونا چاہئے کہ ایک دی بونئر قسم کا آدمی اس پر عاشق ہو گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جوانی میں بھی اسے کسی نے نہ پوچھا ہو گا۔"

"کیا وہ سچ مچ خائف ہے کیپٹن....!" صولت مرزا نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں دوست! اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں یہاں کیوں نظر آتا اور پھر آپ کو ڈھونڈھ نکالنا آسان کام بھی تو نہیں تھا۔ وہ اتنی ہی خوفزدہ ہے کہ ہمیں تشویش ہوئی اور ہم اتنی دردسری مول لینے پر آمادہ ہو سکے۔"

صولت مرزا خاموش ہو گیا اس کا چہرہ تو سپاٹ تھا۔ لیکن آنکھوں سے الجھن کا اظہار ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں خدوخال آنکھوں سے ہم آہنگ نہیں معلوم ہوتے تھے۔

"شاید میں کسی مصیبت میں پھنسنے والا ہوں۔" وہ کچھ دیر بعد آہستہ سے بڑبڑایا اور حمید کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔"

"میں کہتا ہوں! آخر وہ خائف کیوں ہے۔ اب مجھے بھی سوچنا پڑا ہے۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں کہ اسے تو خوش ہونا چاہئے۔"

"مگر آپ مصیبت میں کیوں پھنسنے والے ہیں۔"

وہ پھر خاموش ہو گیا۔ حمید اس کی آنکھوں میں ذہنی کشمکش کی جھلکیاں دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب یہ آدمی کوئی ایسی بات اگلنے والا ہے جو صحیح معنوں میں اس کے نظریات کی تائید کرے گی۔

اس نے تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "ہم دوست ہو چکے ہیں نا کیپٹن....!"

"اس میں کسی شبہے کی گنجائش نہ ہونی چاہئے۔" حمید نے بے حد خلوص کا اظہار کیا۔

"میں حقیقتاً مصیبت میں پڑ گیا ہوں آج سے چھ ماہ پہلے میں ایک شاطر چور اور گرہ کٹ تھا
مجھے اپنی گرفتاری کی کبھی فکر نہیں ہوئی تھی۔ میں بے خوف ہو کر کام کرتا تھا۔ لیکن آج میرا دل
کانپ رہا ہے۔ میں کبھی گرفتار نہیں ہوا۔ لیکن آج ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں کسی بہت بڑے
جرم میں ماخوذ کیا جانے والا ہوں۔ جس کے سامنے چوری اور گرہ کٹی کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔"

"دل کا بوجھ ہلکا کر ڈالو.... دوست.... میں تمہیں دوست کہہ چکا ہوں۔ بہر حال میں خیال رکھوں گا۔" حمید نے بڑی گرم جوشی سے کہا۔

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "آج سے چھ ماہ پہلے کی بات ہے کہ میں تیز گام کے ایک ایئر کنڈیشنڈ کمپارٹمنٹ میں سفر کر رہا تھا۔ اس سفر کی وجہ ایک مالدار آدمی بنا تھا جس کے پاس بڑے نوٹوں کی کئی موٹی موٹی گڈیاں تھیں۔ کمپارٹمنٹ میں صرف ہم دو ہی آدمی تھے۔ سفر لمبا تھا۔ ہمیں یہیں آنا تھا۔ اس لئے ہم ایک دوسرے سے بے تکلف ہو گئے اور پھر مجھے تو بے تکلف ہو جانے میں ملکہ حاصل ہے۔ لیکن رات کو میں نے اس کے سوٹ کیس پر ہاتھ صاف کر دیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ گہری نیند سو رہا ہے۔ جیسے ہی میں گڈیاں سمیٹ کر مڑا میرا سر ہوا میں اڑ گیا۔ کیونکہ وہ تھوڑے ہی فاصلے پر ریوالور تانے کھڑا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں نوٹوں کی گڈیاں سوٹ کیس میں رکھ کر وہاں سے ہٹ جاؤں۔ میں صرف چور تھا کپتان صاحب ڈھول ڈھپے سے گھبراتا تھا۔ میں نے چپ چاپ اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اب اس نے مجھے اپنی جگہ بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ میں نے پھر تعمیل ہی کرنے میں عافیت سمجھی۔ وہ ریوالور کا رخ میری طرف کئے ہوئے سوٹ کیس کی طرف گیا اور اس میں سے دو گڈیاں نکال کر میری طرف اچھال دیں اور بولا انہیں رکھو۔ تمہیں روپیوں کی ضرورت ہے۔ میں بوکھلا گیا کیپٹن کیا یہ حیرت انگیز واقعہ نہیں تھا۔ غرضیکہ اس نے کچھ اس انداز میں اصرار کیا کہ مجھے پانچ ہزار روپے رکھنے ہی پڑے۔ بڑی رقم ہوتی ہے جناب۔ پھر اس نے معاملہ کی گفتگو شروع کر دی۔ وہ مجھے دو ہزار ماہوار پر ملازم رکھنا چاہتا تھا۔ میں تیار ہو گیا۔ کیونکہ کام کی نوعیت عیش کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھی۔ مجھے ہوٹل ڈی فرانس میں قیام کرنا تھا اور کہا گیا تھا کہ کام کے وقت کام بتا دیا جائے گا۔ پانچ ماہ تک میں صرف عیش کرتا رہا۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ میں مس ڈھو سے عشق کروں اور شادی کی خواہش ظاہر کروں۔ مس ڈھو کو میں نے دیکھا اور میری روح لرز

لیکن دو ہزار روپیوں کا خیال تھا اور کرنا بھی تھا محض عیش۔ آپ مجھے صرف سو روپے دیجئے کسی بھینس سے عشق شروع کر دوں گا۔"

وہ ہنسنے لگا۔ حمید بھی اس جملے پر مسکرایا تھا۔ مگر اس کے اضطراب کا کیا پوچھنا جبکہ خود اس کا ایک نظریہ بار آور ہوتا نظر آ رہا تھا۔

"وہ کون تھا.... نام اور پتہ بتاؤ۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ اسی شہر میں رہتا ہے۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ اس نے کبھی اپنا نام اور مجھے صحیح نہیں بتایا۔ صرف سر نیم سے واقف ہوں۔ وہ خود کو چنگیزی کہتا ہے۔ تنخواہ دینے کے ئے فون پر کسی جگہ کا تعین کرتا ہے اور تنخواہ مجھے مل جاتی ہے۔ وہ خود ہی آتا ہے جب مجھے روپے جاتے ہیں تو پھر میں کیوں اس چکر میں پڑوں کہ وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے۔ ویسے یہ اس کی مکی بھی ہے کہ اگر کبھی میرے متعلق چھان کرنے کی کوشش کی اور مجھے معلوم ہو گیا تو اس زمت کو ختم سمجھنا۔ تنخواہ بند ہو جائے گی پھر بتائیے.... مجھے کیا پڑی ہے کہ اپنے پیروں پر اڑی ماروں.... شہزادوں کی طرح عیش کر رہا ہوں۔ قدرتی بات ہے نا کیپٹن.... یا میں غلط کہہ ہوں اور پھر ابھی تک اس نے مجھ سے کوئی غیر قانونی کام بھی نہیں لیا.... ایک بوڑھی اور صورت عورت سے عشق.... ارے میں اس کی دادی سے بھی عشق کر سکتا ہوں۔ بشرطیکہ وہ ہزار میں کچھ اور اضافہ کرنے پر تیار ہو جائے۔ مگر اب میں الجھن میں ہوں، وہ ڈرتی کیوں ہے! ئی خائف کیوں ہے کہ پولیس کی مدد حاصل کرنے کے لئے دوڑی گئی۔ یقیناً یہ کوئی بڑا چکر ے.... اور آخیر میں مجھے ہی پھانسی ہو جائے گی۔ وہ تو پردے میں ہے میں اسے کہاں ڈھونڈتا روں گا۔"

یک بیک صولت مرزا بہت زیادہ خوفزدہ نظر آنے لگا۔

"وہ ایک دبلا پتلا بوڑھا آدمی ہے۔" صولت مرزا نے تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "صحت عمر کے لحاظ سے بہت اچھی ہے۔ سر بالکل شفاف ہے۔ آنکھیں چھوٹی اور اندر کو دھنسی ہوئی ہیں۔ مگر ان میں وہ دھندلاہٹ نہیں ملتی جو معمر آدمی کی آنکھوں میں نظر آتی ہے۔"

حمید کو ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اس کے ذہن میں کسی موٹر سائیکل کا انجن کھل گیا ہو۔ یہ حلیہ سو فیصدی سر جوزف کا تھا۔ اس کا اضطراب بڑھ گیا اور اس نے اپنے جوش پر قابو پانے کی

کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ "اب وہ تمہیں کب اور کہاں ملے گا۔"

"فی الحال تو کوئی پروگرام نہیں ہے۔ لیکن وہ غیر متوقع طور پر ہی فون کرتا ہے۔ اگر کوئی پروگرام بنا تو .... میں آپ کو ضرور مطلع کروں گا.... خدارا مجھے اس جنجال سے نجات دلائیے.... میں اپنے جرائم کی سزا بھگتنے کو تیار ہوں.... لیکن حبس دوام.... خدا کی پناہ۔"

"تم فکر مت کرو۔ یہاں اب چار آدمی ہر وقت تمہاری نگرانی کریں گے۔ اگر تم نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی تو نتیجہ کی ذمہ داری خود تم پر ہوگی۔ ہم پولیس والے بہت جلد کسی بات پر یقین کرلینے کے عادی نہیں ہوتے۔ جب تک کہ میں اس آدمی کو حقیقتاً نہ پکڑ لوں تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایسی کہانیاں تو ہم دن رات سنتے رہتے ہیں۔"

"آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے جناب۔ چار نہیں چار ہزار آدمیوں سے نگرانی کرائیے۔"

حمید نے اُسے گھر اور آفس کے فون نمبر لکھوائے اور نیچے ڈائننگ ہال میں آیا یہاں سے اپنے چار ماتحتوں کو فون کیے جنہیں صولت مرزا کی نگرانی کرنی تھی اور اس وقت تک وہیں ٹھہرا رہا جب تک کہ ان چاروں نے وہاں پہنچ کر اپنی اپنی پوزیشن نہیں لے لی۔

اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کے قول کے مطابق اب یہ کیس خود اسی کا ثابت ہونے والا ہے۔ کیونکہ سر جوزف والے نظریہ سے فریدی متفق تو ضرور تھا لیکن اُسے محض مفروضہ قرار دیتا تھا۔

چراغ

"ہمیں کتنی دور جانا ہوگا مسٹر صولت مرزا...." فریدی نے پوچھا۔

"دیکھئے....!" صولت مرزا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اس جگہ اس نے مجھے پہلی بار طلب کیا ہے۔ بس نشان چراغ ہے.... پیپل کے درخت کے پاس ہی کہیں نہ کہیں روشنی نظر آئے گی۔ روشنی نظر آنے کے ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ وہاں پہنچے گا۔"

"اس علاقے میں شاید کوئی بہت بڑا پیپل کا درخت ہے.... اسی کے ساتھ پختہ کنواں بھی ہے.... کیوں؟" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہاں شاید ہے تو...." حمید نے جواب دیا۔

"مگر مسٹر صولت مرزا.... اگر وہ آدمی بہت زیادہ محتاط نکلا تو کیا ہوگا۔ مثلاً ہو سکتا ہے کہ"

آپ کی نگرانی بھی کراتا رہا ہو۔ اگر وہ کسی بڑے چکر میں ہوا تو یقین رکھئے کہ اس نے آپ پر بالکل ہی اعتماد نہ کرلیا ہوگا۔"

"پھر بتائیے میں کیا کروں۔ میں چاہتا ہوں کہ جلد از جلد یہ مسئلہ صاف ہو جائے۔ میں زیادہ دیر تک الجھنوں میں رہنے کی سکت نہیں رکھتا۔"

"ہوں.... اوں.... سوچنا پڑے گا.... اچھا....!" فریدی نے متفکرانہ انداز میں کہا اور گھڑی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ابھی تو کافی وقت ہے۔"

پھر اس نے ایک سگار سلگایا اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اس وقت رات کے سات بج رہے تھے۔

پچھلے دن سے اس وقت تک حمید نے صولت مرزا کی نگرانی کرائی تھی اور آج شام کو چار بجے صولت مرزا نے اسے فون پر اطلاع دی تھی کہ آج ہی پروگرام بن گیا ہے۔ اس لئے وہ چھ بجے تک ہوٹل ڈی فرانس پہنچ جائے.... لہٰذا آج حمید اکیلے نہیں آیا تھا۔ اس کے ساتھ فریدی بھی تھا۔

فریدی نے صولت مرزا کے متعلق حمید کی رپورٹ سن کر اتنا کہا تھا۔ "چلو میرا نظریہ شکست ہو گیا۔ مگر مجھے اس کا غم نہیں ہے کیونکہ یہ کیس میں پہلے ہی تمہارے سپرد کر چکا تھا۔"

حمید نے اس خبر پر بغلیں تو کیا بجائی تھیں البتہ سر ضرور پیٹا تھا یہ سوچ کر اب اگر اسی طرح کیس سپرد کرنے کا سلسلہ ہی چل پڑا تو کیا ہوگا۔ وہ تو کہیں کا نہ رہے گا۔

مس ڈھو آج بھی نارمل رہی تھی اور کوئی خاص واقعہ بھی پیش نہ آیا تھا۔

اب اس وقت صولت مرزا اور وہ دونوں بیٹھے سوچ رہے تھے کہ مجرم پر کس طرح ہاتھ ڈالا جائے۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے کہا۔ "میری دانست میں اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں رہ جاتی مسٹر صولت مرزا کہ ہم ہی رسک لیں۔ میں دراصل مجرم کو موقع ہی پر پکڑنا چاہتا ہوں۔ ورنہ وہ تو میری جیب میں رکھا ہوا ہے۔ اگر اس وقت وہ ہاتھ نہ آیا تو کل میں خود ہی اسے پکڑ کر آپ کے سامنے لاؤں گا اور آپ اسے شناخت کریں گے۔"

"تو پھر آپ یہی کیوں نہیں کرتے۔" صولت مرزا نے خوش ہو کر کہا۔ "خواہ مخواہ خطرات میں پڑنے سے کیا فائدہ.... وہ مجھے بے حد خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"میں تو اسے آپ سے گفتگو کرتے ہوئے پکڑنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہہ کر سگار کا ایک طویل کش لیا اور پھر اسے ایش ٹرے میں رگڑتا ہوا بولا۔ "اب اٹھنا چاہئے۔"

وہ دونوں بھی کھڑے ہو گئے اور فریدی نے کہا۔ "تو پھر ہم لوگ لینڈ کسٹمز پورٹ تک گاڑی سے چلیں اور گاڑی وہیں چھوڑ دی جائے۔ وہاں سے پیدل چلنا ہی مناسب ہوگا۔ مسٹر مرزا کیا خیال ہے۔ اس طرح ہمیں اس کا بھی اندازہ ہو سکے گا کہ ہمارا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔"

"بہت مناسب تجویز ہے جناب۔" صولت مرزا پھر خوش ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے فکر مندی کے بادل چھٹ گئے تھے۔

لینڈ کسٹمز پوسٹ تک وہ لوگ جیپ سے آئے اور فریدی نے جیپ پوسٹ کے احاطے میں کھڑی کر دی۔ یہاں کے سارے ہی چوکیدار کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کو بخوبی پہچانتے تھے اس لئے جیپ وہاں چھوڑی جا سکتی تھی۔

اس عمارت کے بعد پھر دور دور تک کسی عمارت کا پتہ نہیں تھا۔ سڑک کے دونوں جانب جنگل بکھرے ہوئے تھے۔ تقریباً نصف میل پیدل چلنے کے وہ بائیں جانب ایک پگڈنڈی پر اتر گئے۔

"مجھے یقین ہے جناب۔" دفعتاً صولت مرزا بولا۔ "کہ ہمارا تعاقب نہیں کیا جا رہا۔"

"ہاں مجھے بھی اطمینان ہو گیا ہے۔" فریدی نے جواب دیا اور پھر وہ خاموشی سے راستہ طے کرنے لگے۔ بالآخر وہ اس جگہ پہنچ ہی گئے جہاں ایک پرانا اور پختہ کنواں بھی تھا اور پیپل کا ایک بڑ دھاری اور کہن سال درخت بھی۔

"اوہ.... میرے خدا میں تو اس اندھیرے میں سمتوں کا تعین نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا تھا کہ وہاں پہنچ کر شمال کی جانب نظر رکھی جائے۔ ادھر ہی کہیں روشنی نظر آئے گی اور روشنی نظ آنے کے ٹھیک آدھے گھنٹے بعد مجھے وہیں پہنچ جانا چاہئے جہاں روشنی نظر آئے۔" صولت مرز نے ایک ہی سانس میں کہہ ڈالا۔

"یہ رہا شمال۔" فریدی نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر ایک جانب سر گھما دیا اور صولت مرزا خوفزدہ سے انداز میں ہنسنے لگا۔ سردی مزاج پوچھ رہی تھی۔ فریدی اور حمید نے سیاحوں کا سا اونی اور چرمی لباس پہن رکھا تھا۔ لیکن صولت مرزا معمولی سے سوٹ ہی میں تھا۔

تھوڑی دیر بعد سچ مچ انہیں شمال میں کچھ فاصلے پر ہلکی سی روشنی نظر آئی جو حمید کی دانست

ین کی سطح سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔

"اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔" صولت مرزا بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"آدھے گھنٹے بعد وہاں پہنچ جائیے گا.... اور ہم تو اب چلے۔" فریدی نے کہا۔

"ک.... کہاں...." صولت مرزا ہکلایا۔ لیکن فریدی کوئی جواب دیئے بغیر حمید کو ھیرے میں ایک جانب کھینچتا لیتا چلا گیا۔

شاید پندرہ منٹ تک وہ اندھیرے میں بھٹکتے رہے۔ حمید کو اب وہ روشنی بھی نہیں نظر آ رہی ایک جگہ فریدی نے اسے زمین پر سینے کے بل لیٹ جانے کو کہا اور حمید نے بُرا سا منہ بنائے تعمیل کی۔ یہاں غنیمت یہی تھی کہ جھاڑیاں نہیں تھیں، نسبتاً صاف ستھری زمین تھی ورنہ وں کے خوف سے حمید کی گھگھی بندھ جاتی۔ اندھیرے میں سانپ کا خوف اس کی ایک بہت کمزوری تھی اور وہ بچپن سے اب تک اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا۔

اب وہ سینے کے بل کھسکتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ دفعتاً وہ روشنی حمید کو پھر نظر آئی جو زیادہ دور نہیں تھی۔ معمولی سی جدوجہد اس تک پہنچا سکتی تھی۔ یہ روشنی ایک دائرے کی شکل نظر آ رہی تھی۔ حمید کو تو ایسا لگا تھا جیسے کسی گڑھے میں چراغ روشن ہو۔ اس نے گھڑی کے ھیرے میں چمکنے والے ڈائیل پر نظریں جما دیں۔ وہ بیس منٹ کے اندر اندر اس روشنی تک پہنچے تھے۔

حقیقتاً ایک چھوٹے سے گڑھے ہی میں چراغ روشن تھا! وہ گڑھے کے قریب پہنچ گئے تھے۔

شنی کی لو.... ایک نلکی سے نکل رہی تھی اور وہ کاربائیڈ کا چراغ معلوم ہوتا تھا لیکن اس سے ج ہونے والی بو ناخوشگوار تھی۔ حمید کا سر چکرانے لگا۔

"یہ بدبو کیسی ہے...." اس نے آہستہ سے کہا اور فریدی کی طرف دیکھا۔

مگر فریدی.... وہ کہاں تھا۔ حمید بوکھلا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ مگر اس معمولی سی روشنی کے ے میں تو وہ کہیں نہ دکھائی دیا۔ حمید نے اٹھنا چاہا.... لیکن سارا جسم کانپ کر رہ گیا.... سر ت سے چکرایا تھا.... پھر پتہ نہیں کیا ہوا کہ اسے ہوش ہی نہ رہ گیا.... اندھیرے میں بے کا احساس بھی تحلیل ہو کر رہ گیا تھا۔

اور جب ہوش آیا تو.... بقول حاتم طائی نہ وہ صحرا تھا اور نہ وہ چراغ زیر زمین بلکہ یہاں تو غ چھت سے الٹے لٹک رہے تھے۔ اس لئے چراغوں تلے اجالا بھی تھا جو کم از کم حاتم طائی کے

زمانے میں تو کسی طرح بھی ممکن نہ ہوتا۔

ہاں تو وہ ایک روشن کمرے میں چت پڑا ہوا تھا اور فریدی گھٹنوں کے بل بیٹھا نظر آیا۔ ا[illegible] پوزیشن میں کہ اس کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے۔ ذرا اور گردن گھمائی تو دیکھا کہ صولت مرزا ایک ریوالور سنبھالے کھڑا مسکرا رہا ہے۔ ریوالور کا رخ فریدی کے سینے کی طرف تھا۔ صولت مرزا کے پیچھے دو آدمی مؤدب کھڑے تھے۔ یہ سفید فام تھے لیکن صورت ہی سے خطرناک معلوم ہو رہے تھے۔ حمید بھی اٹھ بیٹھا۔

"تم بھی اسی پوزیشن میں آجاؤ دوست....!" صولت مرزا نے نرم لہجے میں کہا۔

"تو تم نے دھوکا دیا۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"کیوں برخوردار....!" فریدی نے تلخ سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ تمہارا نظریہ غلط ہے! سر جوزف جیسے بدھو عاشق اتنے ذہین نہیں ہو سکتے۔ دیکھو! میرا نظریہ ہی بارآور ہوا ہے۔"

"تمہارا نظریہ کیا تھا کرنل فریدی۔" اس بار بھی صولت کا لہجہ نرم ہی تھا۔

"یہی کہ ڈاکٹر دوبے زندہ ہے اور وہ خود ہی اتنی موتوں کا ذمہ دار ہے۔ کیا میں اتنی عقل نہیں رکھتا کہ دھماکے ان کی کھوپڑیاں کیوں اڑا دیتے تھے۔"

"اگر زندہ ہے تو بتاؤ وہ کہاں ہے۔" صولت مرزا مسکرایا۔ "اس دوران میں تو نہ جانے کتنے ڈاکٹر دوبے پیدا ہوئے اور فنا ہو گئے۔"

"ڈاکٹر دوبے.... میرے سامنے موجود ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کا ریوالور ہمیں آسمان دیکھنے دے گا۔"

"خوب....!" صولت مرزا مسکرایا۔ "کیا ڈاکٹر دوبے اتنا ہی حسین تھا۔"

"گھٹیا بات ڈاکٹر دوبے۔" فریدی برا سا منہ بنا کر بولا۔ "کوئی اور تذکرہ چھیڑو ایسی گھٹیا قسم کی سنسنی خیزیاں میرے لئے کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔"

"کیا مطلب....!"

"تمہارا موجودہ حسن پلاسٹک سرجری کا نتیجہ ہے.... ذرا اپنے بھدے ہاتھ پیر اور بے ڈول جسم بھی دیکھو۔"

"خاموش....!" دفعتاً صولت مرزا گرجا۔ "میں انہیں بھدے اور بدشکل ہاتھوں سے تجھے ڈاکٹر دوبے بنا کر مرنے کے لئے شہر میں چھوڑ دوں گا۔"

فریدی نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ "تم اپنی بدصورتی کے تذکرے پر بپھر جاتے ہو۔ ہونا آخر ڈاکٹر دوبے۔"

"ہاں.... میں ساری دنیا کو تباہ کرنے کا منصوبہ تیار کر چکا ہوں۔ میں ایک ہفتے میں تمہیں دیو بنا سکتا ہوں۔ تمہارے چہرے پر عمل جراحی کر کے تمہیں دنیا کا بدصورت ترین آدمی بنا سکتا ہوں۔ تم بہت دلکش ہو.... عورتیں تمہارے پیچھے دوڑتی ہوں گی۔ میں تمہارا چہرہ ضرور تباہ کروں گا۔"

"تم ایسے ہی درندے ہو! میں جانتا ہوں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "مگر تم نے مس ڈھو[illegible] کیوں چھیڑا تھا۔ اسی کی وجہ سے تم بالآخر روشنی میں آ گئے۔"

"وہ.... وہ.... میں اسے چاہتا ہوں۔ کبھی اس پر اتنا غصہ آیا تھا کہ اسے زندہ جلا دینے سے گریز نہیں کیا تھا۔ لیکن یہاں واپس آنے پر جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہے تو میں بے چین ہو گیا کیونکہ مجھے اپنی زندگی میں وہ پہلی مخلص عورت ملی تھی۔ اسے مجھ سے خلوص تھا لیکن میری بدصورتی سے متنفر تھی۔ حالانکہ خود بھی بدصورت تھی۔ وہ مجھے بحیثیت شوہر نہیں پسند کر سکتی تھی۔ میں نے اسے اپنی دانست میں زندہ جلا دیا۔ لیکن پھر اس کی یاد میں برسوں رویا ہوں۔ پہلے وہ مجھ سے اس لئے بھاگی تھی کہ میں بدصورت تھا اب اس لئے خائف ہو گئی کہ میں بہت خوبصورت ہوں.... میرے خدا میں کیا کروں.... میں کیا کروں.... یہ کتنی بڑی بدنصیبی ہے.... میں دنیا کے سارے چہرے تباہ کر دوں گا.... میں قدرت سے انتقام لے رہا ہوں سمجھے۔ دنیا کے ایک ایک فرد کو ڈاکٹر دوبے بنا دوں گا.... کرو مجھ سے نفرت.... مجھے حقیر.... سمجھو.... ایک دن تم مجھے سجدہ کرو گے.... ابن مقنع یاد ہے تمہیں یا نہیں۔ جس نے ماہ نخشب بنایا تھا۔ وہی لوگ جو اس کی بدصورتی کی وجہ سے اس سے نفرت کرتے تھے اسے سجدہ کرنے لگے تھے۔ اس نے اپنے چہرے پر نقاب ڈالی تھی! اپنے پرستاروں سے کہا کرتا تھا کہ وہ اس کے حسن کی تاب نہ لا سکیں گے۔ اس لئے انہیں اپنا چہرہ نہیں دکھاتا تھا.... ہاہا.... میں نے تم سب سے انتقام لینے کے لئے بڑی محنت کی ہے۔ اور تم مجھے ضرور سجدہ کرو گے.... میں یہاں سے بھاگ کر جرمنی گیا تھا.... وہاں میں نے

پلاسٹک سرجری میں کمال حاصل کیا۔ جس سے یہ فن سیکھا تھا اسی نے میرے چہرے پر
جراحی کر کے مجھے حسین بنایا۔ مجھے جرمنی کی شہریت دلوائی۔ میں نے جنگ میں نازیوں کی شا
خدمات انجام دیں اور ان کی شکست کے بعد بھی بُری حالت میں نہیں رہا۔ آج میں مغربی جر
کے بہت بڑے ڈاکٹروں میں شمار کیا جاتا ہوں۔ آج سے چھ ماہ پہلے میں ان ڈاکٹروں کے سا
یہاں آیا تھا جو مغربی جرمنی سے سرکاری طور پر یہاں طب یونانی اور آئیورویدک میں ری
کرنے آئے ہیں.... میں نے یہاں ایک خفیہ تجربہ گاہ بنا ڈالی کیونکہ یہاں سر جوزف جیسے
موجود تھے جن سے مجھے انتقام لینا تھا۔ سالہا سال بعد ایک بار پھر میں نے حیوانات کی جسا
بڑھانے والے تجربات شروع کر دیئے۔ سڑکوں سے اپاہج فقیر اٹھائے اور انہیں دیو بنا دیا۔ پلاس
سرجری کے ذریعہ انہیں ڈاکٹر بنایا.... اور ڈاکٹر دوبے کو اذیتیں دینے والے سور کانپ اٹھے
سر جوزف جیسے لوگوں کا انجام بڑا بھیانک ہوگا کرنل فریدی.... میں انہیں ان کے ہی ہاتھوں ز
پینے پر مجبور کردوں گا.... میں مس ڈھو کو چاہتا بھی ہوں اور اس لئے بھی اسے حاصل کرنا چا
تھا کہ وہ میرے اس حیرت انگیز تجربے سے واقف تھی، لہٰذا یہ ضروری تھا کہ ان دیوؤں کو منظ
عام پر لانے سے پہلے اسے قابو میں کرلوں۔ میں چاہتا تو اسے قتل بھی کر سکتا تھا۔ مگر میں
اسے پسند نہیں کیا۔ میں نے چاہا تھا کہ وہ دم دلاسے سے میرے قابو میں آجائے گی اور یہ جا
بغیر کہ میں ڈاکٹر دوبے ہی ہوں اپنی زبان بند رکھے۔ مگر جب وہ تمہارے پاس دوڑی گئی تو مجھے
غصہ آگیا۔ ویسا ہی غصہ جیسا ایک بار پہلے بھی اس پر آچکا ہے۔ جس کے نتیجے میں خود مجھے
جل مرنا پڑا تھا۔ بہر حال غصے کا انجام یہ ہوا کہ میرے دیو قبل از وقت ہی منظر عام پر آگئے جس
اب افسوس ہے۔"

"مگر وہ جو ایک آدھ جلی لاش برآمد ہوئی تھی۔" حمید نے اسے ٹوکا۔

"وہ میری تجربہ گاہ کا ایک آدمی تھا جس پر میں جانوروں کے بعد تجربہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔"

"کیوں.... میں نے کیا کہا تھا۔" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"مگر کرنل تم اس طرح مطمئن نظر آرہے ہو جیسے میں تمہیں معاف کردوں گا۔" ڈاکٹر
طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تم اس کی پرواہ مت کرو۔ تمہاری کہانی بہت دلچسپ ہے۔ مگر تمہارا جرمن نام کیا ہے؟"

"میں نے اپنے لئے روسی نام پسند کیا تھا۔ مایو کونوف.... اور اسی نام سے یہاں بھی آیا
ہوں۔ یہ دونوں جرمن میرے بہترین رفیق اور رازدار ہیں یہ ابھی تم دونوں کو دو انجکشن دیں
گے جن کے اثر سے تم یہ محسوس کرو گے جیسے تمہارے جسم میں جان ہی نہ رہ گئی ہو۔ تم زندہ رہو
گے لیکن اپنے جسم کو جنبش دینے کے لئے ترسو گے۔ لیکن ساتھ ہی تم یہ بھی بھولتے جاؤ گے کہ
تم کرنل فریدی یا کیپٹن حمید ہو۔ اس کے بعد میں پلاسٹک سرجری کے ذریعہ تمہارا چہرہ بدل کر
تمہیں ڈاکٹر دوبے بنا دوں گا اور تم میرے اشاروں پر ناچنے لگو گے۔ میں تمہیں حکم دوں گا کہ
فلاں جگہ جاؤ فلاں کو ڈراؤ.... جب لوگوں میں گھر جاؤ اور پکڑ لئے جانے کا ڈر ہو تو اپنا سر زمین پر
دے مارو.... تم اس کے خلاف نہیں کرو گے.... پھر زمین پر سر دے مارنے کا انجام تو تم دیکھ ہی
چکے ہو.... ان پر گولی چلنے کے انجام سے بھی ناواقف نہیں ہو۔ دھماکے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ
سر غائب ہو جائے اور کسی کو یہ نہ معلوم ہو سکے کہ وہ پلاسٹک سرجری کا کمال تھا.... کیا سمجھے۔"

فریدی نے پھر حمید کی طرف دیکھا۔ لیکن وہ دم بخود تھا۔

"مگر ڈاکٹر.... وہ برقی رو کیسی تھی، جو ریوالور کی گولی کا رخ بھی پھیر دیتی تھی۔"

"اسے ابھی ہم کوئی نام نہیں دے سکے۔ اس قوت کا استعمال ابھی ابتدائی تجرباتی دور میں
ہے۔ میں نے اس سے یہ کام لے ڈالا۔ اس کی طرف جتنی قوت سے کوئی چیز پھینکی جاتی ہے وہ
اسے اتنی قوت سے واپس کر دیتی ہے۔ میں نے اسی رد عمل سے کام لیا ہے۔ رد عمل کے اثرات
ایک چھوٹے سے محدود طاقت والے بم تک پہنچتے ہیں اور اسے پھاڑ کر صرف کھوپڑی کا صفایا
کر دیتے ہیں۔ برقی قوت پیدا کرنے والی مشین اور بم ایک ہی ڈھانچے میں فٹ ہوتے ہیں اور وہ
چھوٹا سا ڈھانچہ بڑے بالوں والی ٹوپی کے اندر ہوتا ہے کیا سمجھے.... کرنل.... جرمنی ایک بار پھر
جنگ کے میدان میں آئے گا اور اس جنگ میں میرے دیوؤں اور اس حیرت انگیز برقی قوت سے
کام لیا جائے گا.... کیا سمجھے۔"

یہ دونوں کچھ نہ بولے.... ڈاکٹر دوبے نے اپنے دونوں ساتھیوں سے جرمن میں کچھ کہا اور
وہ دونوں آگے بڑھے۔ ایک کے ہاتھ میں دوا انجکٹ کرنے کی سرنج تھیں اور دوسرا خالی ہاتھ تھا۔
سرنج والا حمید کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ فریدی نے دوسرے آدمی پر چھلانگ لگائی.... ساتھ
ہی ایک فائر ہوا اور ایک چیخ بلند ہوئی۔ لیکن یہ چیخ ڈاکٹر کے جرمن ساتھی کی تھی۔

حمید نے دوسرے کو ڈھال بنانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ خطرناک ثابت ہوا۔ اس نے سرنج تو پھینک دی اور حمید سے لپٹ پڑا۔ دوسری طرف ایک فائر پھر ہوا۔ اب حمید نے دیکھا کہ فریدی ڈاکٹر دوبے سے گتھا ہوا ہے اور کوشش کر رہا ہے کہ ریوالور اس کے ہاتھ سے چھین لے۔

اِدھر ڈاکٹر کا ساتھی اسے رگڑے ڈال رہا تھا.... قصہ دراصل یہ تھا کہ حمید نے ہوش میں آنے کے بعد سے اب تک بے تحاشہ کمزوری محسوس کی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ چراغ سے خارج ہونے والی نشیلی گیس ہی کا اثر رہا ہو۔ بہر حال حریف سے لپٹ پڑنے کا فعل قطعی اضطراری تھا جس کے لئے وہ اب بھگت ہی رہا تھا۔

اچانک ایک فائر پھر ہوا.... اس بار چیخ بڑی کریہہ تھی.... حمید بوکھلا گیا۔ کیونکہ اس کی پشت ان دونوں کی طرف تھی اور وہ آواز نہیں پہچان سکا تھا۔ وہ دیکھنے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اس کے طاقت ور حریف نے اسے سر سے اونچا اٹھا لیا.... پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ فریدی کے بازوؤں میں تھا۔ اگر فریدی بروقت ہوشیار نہ ہو گیا ہوتا تو حمید کی ہڈیاں پسلیاں ایک ہو جاتیں۔ وہ اسے ایک طرف ڈال کر جرمن پر ٹوٹ پڑا۔ حمید اٹھا اور دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ڈاکٹر دوبے کی لاش ابھی پھڑک ہی رہی تھی۔ وہ اس طرح ہاتھ پھیلا پھیلا کر پنجے سکوڑ رہا تھا جیسے فرش کو نوچ ڈالنا چاہتا ہو۔

اب وہ تیسری چیخ سن کر پھر فریدی کی طرف متوجہ ہوا جو حریف کے سینے پر سوار اس کی گردن دبا رہا تھا.... اس طویل چیخ کے بعد کمرے کی فضا پر بوجھل سا سکوت طاری ہو گیا۔ بیہوش جرمن کا سینہ کسی چمڑے کی دھونکنی کی طرح پھول پچک رہا تھا اور وہ دونوں تو کبھی کے ختم ہو چکے تھے۔

فریدی خاموش کھڑا ڈاکٹر کی لاش کو گھورتا رہا۔

"مجھے اس کے انجام پر بے حد افسوس ہے حمید۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "آدمی کی حیوانیت ہی اس انجام کا باعث بنی ہے۔ کاش اسے پاگل نہ بنایا گیا ہوتا۔ اس سے نوع انسانی کا درخشاں مستقبل وابستہ تھا۔ لیکن آدمی نے خود ہی اپنا مستقبل تاریک کر لیا۔ اوہ.... حمید دیکھو تو.... کیا یہ دنیا کا بہترین دماغ نہیں تھا۔ اگر یہ پاگل نہ ہو گیا ہوتا تو.... آدمی کی مشکلیں آسان کرنے کے لئے کتنی راہیں نکالتا.. لوگ اس سے محض اس لئے نفرت کرتے رہے کہ یہ بدصورت تھا.... چلو نفرت کر لیتے مگر کیا اس کا اظہار کرنا ضروری تھا.... اور پھر تمہیں کب حق پہنچتا ہے

خدا کی بنائی ہوئی شکلوں سے نفرت ظاہر کرو۔ جب کہ تم ان سے بدترین بھی بنانے پر قادر ہو۔ آدمی نے خود ہی اپنی زندگی میں زہر بھرا ہے اور خود ہی تریاق کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ وہ خدا تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اپنے پڑوسی تک بھی اس کی پہنچ نہیں ہے۔ پڑوسی سے اس لئے متنفر ہے کہ وہ بدشکل ہے۔ حسنِ ازل سے آنکھیں سینکنا چاہتا ہے.... لیکن وہ اندھا ہے.... اگر اسے بدصورتی ہی میں وہ جلوہ نہیں نظر آتا جس کی اسے تلاش ہے.... یا خدا.. . دی کو عقل دے.... انسانیت کا مستقبل محفوظ کر۔"

❁

دوسرے دن ماہرین نے تصدیق کر دی کہ صولت مرزا کا چہرہ پلاسٹک سرجری ہی کا کارنامہ تھا.... اس کے جرمن ساتھیوں میں سے جو زندہ بچا تھا اس نے خفیہ تجربہ گاہ کا پتہ بتایا لیکن وہاں سے مختلف قسم کی ادویات چھوٹے چھوٹے بموں اور باریک تاروں کے ذخیرہ کے علاوہ اور کچھ بھی برآمد ہو سکا۔ جن آدمیوں پر تجربات کئے گئے تھے.... انہیں پہلے ہی ختم کرا دیا گیا تھا۔

حمید کے استفسار پر فریدی نے بتایا کہ وہ پچھلی رات اس چراغ کے پاس سے اسی لئے کھسک گیا تھا کہ اسے اس کی بو خطرناک معلوم ہوئی تھی لیکن وہ پھر واپس ہوا تھا اور اسے بیہوش پا کر خود بھی سانس روک کر وہیں پڑ رہا تھا۔ اس طرح وہ بیہوش ہونے سے محفوظ رہ سکا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد انہیں وہاں سے اٹھا کر ایک بند گاڑی میں ڈال دیا گیا تھا۔ یہاں چونکہ بیہوش ہونے کا خدشہ باقی نہیں رہا تھا اس لئے اس نے سانسیں بھی لینی شروع کر دی تھیں لیکن بیہوش تب بھی بنا رہا تھا۔ بہر حال سانس روکنے کا فن ہی آڑے آیا تھا، ورنہ شاید ڈاکٹر دوبے ہی کی اسکیم بار آور ہوتی اور وہ دونوں بحالت دیوانگی فنا ہو جاتے۔

فریدی نے یہ بھی بتایا کہ ڈاکٹر خود اپنی ہی گولی کا شکار ہوا تھا۔

مس ڈھو اور سر جوزف آج بھی زندہ ہیں یہ اور بات ہے کہ مردوں سے بھی بدتر ہوں۔

قاسم نے پھر کبھی لیڈی سیکریٹری کی تمنا نہیں کی۔!

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 81

لڑاکوں کی بستی

(مکمل ناول)

پیشرس

موجودہ دور کی سب سے بڑی ٹریجڈی غالباً یہی ہے کہ مادی اعتبار سے
ہت زیادہ ترقی کرنے کے باوجود بھی یہ دور مادی اعتبار سے بہت پیچھے اور پست
ہے۔ بظاہر یہ جملے پہیلی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن تھوڑے سے غور و فکر کے بعد
مداقت سامنے آجاتی ہے۔

موجودہ دور اس لئے ترقی یافتہ ہے کہ انسان نے اپنی ضروریات کی تکمیل
ا خاطر ہزاروں ذرائع تلاش کر لیے ہیں۔ مشینوں اور مصنوعات نے ہر طرح
ے انسان کی ضرورت پوری کرنے کا بیڑہ اٹھالیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ٹیلی
یژن سے لے کر اسپوٹنگ تک انسان کی ترقیوں کی کہانی پھیلی ہوئی ہے۔

لیکن یہ تصویر کا ایک ہی رخ ہے۔ ان سب ترقیوں کے باوجود انسان آج
تک اپنی بنیادی ضروریات کے بارے میں خود کفیل نہیں ہو سکا ہے۔ غلہ کی
رانی اور کپڑے کی قیمتوں کا زیادہ ہونا کسی ایک ملک میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں
ہے۔ عام لوگوں کی اقتصادی حالت گرتی جاتی ہے۔ لوگوں کے چہروں سے وہ
بشاشت، خوش دلی اور اطمینان جیسے ہمیشہ کیلئے رخصت ہو گیا ہے جو انسانیت کا
جزو سمجھا جاتا ہے۔

زندگی کا یہ عجیب و غریب تضاد موجودہ دور کی یقیناً ٹریجڈی ہے۔ چاند

تک پہنچنے کی بلندی کے باوجود یہ پستی انسان کی خود غرضی کی عبرت ناک کہانی ہے۔

یہ کہانی "لڑاکوں کی بستی" بہت ہی دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ خصوصیت سے حمید کا رول بے حد شاندار ہے۔ قاسم اور بوشن کی فری اسٹائل کشتی غالباً بہت دنوں تک یادگار رہے گی۔ ساتھ ہی ساتھ گریٹا کا کردار ابن صفی کے لازوال قلم کی اُن ادنیٰ سی جنبشوں کا مظہر ہے جو نفسیاتی گہرائیوں کی تشریح کرتا ہے اور آخر میں جو کسک اور رومانی دور وہ کردار چھوڑ جاتا ہے اُس کا تاثر یقیناً معرکے کی چیز ہے۔

پبلشر

طاقت کا سرمہ

روستمبا پہلوانوں کا شہر تھا۔ اگر اکبر آباد بگڑ کر آگرہ ہو سکتا ہے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ رستم آباد بھی کثرت استعمال سے گھس کر "روستمبا" نہ رہ جاتا۔

لیکن اس کہانی کا تعلق شہر کے نام سے نہیں ہے۔ اگر اُس کا نام روستمبا نہ ہوتا تب بھی وہ پہلوانوں ہی کا شہر ہوتا کیونکہ یہاں پہلوان بکثرت پائے جاتے تھے اور سردیوں کا موسم جیسے ہماری بستیوں میں مشاعروں کی وبا لے آتا ہے اسی طرح وہاں موسم بہار سارا کا سارا اکھاڑوں کی نظر ہو جاتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ قدیم زمانے سے ہی وہاں پہلوانوں کی بہتات رہی ہو اور یہی چیز اُس شہر کی وجہ تسمیہ بنی ہو۔ بہر حال روستمبا کے نام کے ساتھ پہلوانوں اور اکھاڑوں کا تصور ذہن کی سطح پر ضرور ابھر آتا ہے۔

لیکن اب پرانے زمانے والی کشتیوں اور نرم مٹی کے اکھاڑوں کا رواج باقی نہیں رہا تھا۔ گدیلوں پر فری اسٹائل کشتیاں ہوتیں اور جدید ترین اکھاڑوں میں مکابازی کے مظاہرے ہوتے۔ موسم بہار میں روستمبا کی آبادی بہت بڑھ جاتی تھی اور پورا موسم بہار پہلوانوں کے میلے کا سیزن بن کر رہ جاتا تھا۔ اندرون ملک سے کشتی اور باکسنگ کے شوقین بہت بڑی تعداد میں آتے تھے اور روستمبا کے ہوٹلوں میں تل رکھنے کی بھی جگہ نہ رہتی تھی۔

شہر اس سیزن میں گوناگوں دلچسپیوں کا مرقع نظر آتا۔ سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر ہجوم نظر آتے جن کے درمیان کوئی نجومی ہوتا، کوئی گشتی دوا فروش نجومی اور گشتی دوا فروش اس سیزن میں بڑی اچھی کمائی کر لیتے تھے کیونکہ دوا فروش پہلوان بنانے کی دوائیں بیچتے تھے اور نجومی مقابلوں میں حصہ لینے والے پہلوانوں کی قسمت کا فیصلہ کرتے تھے۔

دوا فروش جہاں بیٹھتے بڑا کاٹھ کباڑ پھیلا کر بیٹھتے۔ بڑے بڑے فریموں میں نامی پہلوانوں کی

تصویریں ہوتیں اور لاتعداد مٹی کی ہانڈیوں میں چھوٹے بڑے سانپ شیشے کے چھوٹے بڑے مرتبان جن میں نقرئی اور طلائی گولیاں بھری ہوتیں۔ پہلوانوں کی تصویریں ہانڈیوں کے سہارے اس انداز میں رکھی جاتیں جیسے اُن کی پہلوانی انہیں نقرئی اور طلائی گولیوں کی مرہون منت ہو۔

مگر آج کئی دنوں سے یہاں ایک ایسا دوا فروش بھی دیکھا جارہا تھا جس کے پاس پہلوانوں کی تصاویر کے بجائے ایک دیو نما پہلوان تھا اور پہلوان کی شخصیت بجائے خود اشتہار تھی۔ یعنی دوا فروش کو مجمع اکٹھا کرنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی۔ وہاں تو دکان جمانے کے وقت سے اختتام تک مجمع لگا ہی رہتا تھا۔

وہ اشتہاری پہلوان سچ مچ دیو ہی تھا۔ جب بھی گریٹا کی نظر اُس پر پڑتی ایک انجانا سا خوف اُس کے ذہن پر مسلط ہو جاتا۔

اور گریٹا تو اُسے ہر وقت دیکھ سکتی تھی۔ جب بھی چاہتی اپنے چھوٹے سے ہوٹل کے باورچی خانے کی کھڑکی میں آکھڑی ہوتی۔ کھڑکی سے تھوڑے ہی فاصلے پر الیکٹرک پول کے قریب وہ دوا فروش مجمع لگاتا تھا۔

مگر دوا فروش کی شخصیت بڑی جاذب توجہ اور دلکش تھی۔ نوجوان آدمی تھا۔ خدوخال دلکش تھے اور صحت بہت اچھی تھی۔ وہ کوئی دقیانوسی حکیم بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ بعض اوقات تو اُس کی پیشہ ورانہ بکواس سے علمیت بھی جھلکنے لگتی تھی۔ پیشہ ورانہ بکواس کچھ اس قسم کی ہوتی۔

"حضرات!

نہ میں کوئی اشتہاری حکیم ہوں نہ ڈاکٹر لیکن مجھے بچپن ہی سے جڑی بوٹیوں کا شوق رہا ہے۔ اب میں دنیا کے بڑے سے بڑے ماہر کو للکار سکتا ہوں۔ اُس سے پوچھ سکتا ہوں کہ اُسے جڑی بوٹیوں میں کیا ملا۔ کسی ایک چیز کا نام لے جو دنیا کی ساری جڑی بوٹیوں میں پائی جاتی ہو۔ ہے یہاں کوئی جو بتا سکے اُس جوہر کا نام جو آب حیات کا حکم رکھتا ہے۔ ایک چیز.... ایک چیز.... صرف ایک جوہر جو ساری جڑی بوٹیوں میں پایا جاتا ہے۔ میں بتاتا ہوں۔"

وہ مجمع کا چکر لگا کر پہلوان کی طرف رخ کرتا۔

"پہلوان....؟"

"ہاں.... اُستاد....!" اونگھتا ہوا پہلوان چونک کر کہتا۔

"کتنے طاقت ور ہو؟"

"ہوہا....!" وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر اور سینہ تان کر نعرہ لگاتا۔ "ٹکر ماروں تو پہاڑ...

سالا بھس ہو جائے.... چیونٹی.... اررر.... اوغ ہاتھی تو مسل کر رکھ دوں۔" پھر وہ ...ے گریٹا کی کھڑکی کی طرف دیکھتا اور گریٹا سہم جاتی۔

"ثبوت....؟" دوا فروش کہتا۔

"ٹھینگے پر ہے ثبوت....!" پہلوان جھلا کر دانت نکالتا۔

دوا فروش مجمع کی طرف دیکھ کر ہنس دیتا اور کہتا۔ "پہلوان کو غصہ بھی جلد آجاتا ہے مگر یہ نہ ...ئے کہ یہ اُسی جوہر کا اثر ہے صرف ایک چیز کا جو ساری جڑی بوٹیوں میں پایا جاتا ہے جسم میں ... آتی ہے۔ جوش پیدا ہوتا ہے اور کبھی کبھی آدمی غصہ ور بھی ہو جاتا ہے۔ اچھا تو ...ے.... میں ثبوت پیش کرتا ہوں پہلوان کی طاقت کا۔"

وہ خاموش ہو جاتا اور پہلوان پھر سینہ تان کر کنکھیوں سے گریٹا کی کھڑکی کی طرف دیکھتا۔

دوا فروش مجمع کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا لکڑی کے ایک صندوق سے ایک موٹی سی زنجیر نکالتا ...ے مجمع میں دکھاتا پھرتا۔

"یہ دیکھئے.... نہیں اچھی طرح کھینچ کھینچ کر دیکھئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ بعد میں اسے ...بتانے لگیں.... خوب کھینچ کھینچ کر دیکھئے.... نہیں بھئی.... یوں نہیں.... تین آدمی ایک ...پکڑیں اور تین آدمی دوسرا سرا اور اچھی طرح اطمینان کرلیں۔"

مجمع سے چھ آدمی نکل کر حصار میں داخل ہوتے اور زنجیر پر زور ہونے لگتا پھر وہ تھک ہار کر دوا فروش کے حوالے کر دیتے اور اپنی جگہوں پر واپس چلے جاتے۔

"حضرات....!" دوا فروش پھر ہانک لگاتا۔ "قسم ہے اُس کی جس کے دادا کو سیمرغ نے دودھ پلایا تھا۔"

"سیمرغ بکواس ہے۔" مجمع سے آواز آئی۔

"اچھا....!" دوا فروش ہنس کر کہتا۔ "آپ اُسے قصہ کہانیوں کی بات سمجھتے ہیں۔ کیا یہاں بیالوجی کا طالب علم موجود ہے۔ اگر ہے تو سامنے آئے۔ اوہ اچھا نہیں ہے خیر میں آپ کو بتاتا ہوں۔ کل تک بے شک سیمرغ کہانیوں کی چیز تھی مگر آج کی دنیا اسے تسلیم کر چکی ہے کہ قدیم زمانے میں کئی کئی فرلانگ لمبی چھپکلیاں پائی جاتی تھیں جن کے ڈھانچے آج بھی زمین سے برآمد ہوئے ہیں۔ اتنے بڑے بڑے پرندے پائے جاتے جو بیک وقت چار ہاتھیوں کو لے اڑیں۔ آج کل بعض ممالک میں ٹیرو ڈیکٹیل کا بڑا چرچا ہو رہا ہے۔ یہ ایک ایسی ہی چڑیا ہوتی تھی جو سیمرغ کے نمونے پر پوری اترتی ہے۔"

"ارے.... مگر سیمرغ کا دودھ؟" مجمع سے کوئی اعتراض کرتا۔ "پرندے دودھ کب دیتے ہیں؟"
اس پر دوا فروش ایک حقارت آمیز قہقہہ لگا کر للکارتا۔ "کیا چمگادڑ چوپایہ ہے۔ کیا یہ
انڈے دیتی ہے۔ بتائے کوئی مجھے بتائے؟"

گریٹا اس کی اس دلیل پر ہنس پڑی تھی اور مجمع پر سناٹا چھا گیا تھا اور دوا فروش نے ہنس کر
تھا۔ "اچھا بھائی! یہ سیمرغ نہ میرا کوئی لگتا ہے اور نہ آپ سے اُس کی کوئی رشتہ داری ہے۔ اس لئے
یہ بات یہیں ختم کر دیجئے۔ ہاں تو دیکھئے اب اُس جوہر کا کمال دیکھئے۔"

• وہ آگے بڑھ کر پہلوان کے جسم پر زنجیر لپیٹنے لگتا۔

اس کے بعد کچھ دور ہٹ کر کہتا۔ "پہلوان! ثبوت پیش کرو۔"

"غاں.... دیکھو....!" پہلوان ہنس کر کہتا اور سینے میں سانس بھر کر جسم پر لپٹی ہوئی زنجیر پر
زور صرف کرنے لگتا۔ اس عالم میں کبھی کبھی اُس کے حلق سے عجیب عجیب قسم کی آوازیں نکلتیں
اور پھر زنجیر کی کوئی ایک کڑی منہ پھیلا دیتی۔ کڑاکے کی آواز کے ساتھ ہی مجمع کی آنکھیں حیرت
سے اُبل پڑتیں اور پہلوان دھاڑیں مارتا اور جھومتا ہوا دو چار قدم آگے بڑھ جاتا اور پھر تنکھیوں
سے گریٹا کی کھڑکی کی طرف دیکھ کر دانت نکال دیتا۔ مگر گریٹا کو آج تک اُس پر غصہ نہیں آیا تھا
وہ بھی جواباً مسکراتی ضرور تھی اور اُس کی طاقت پر عش عش کرتی رہ جاتی۔ اکثر سوچتی کہ آخر
روستمبا جیسے شہر میں ایک دوا فروش کے ساتھ کیوں جھک مارتا پھر رہا ہے۔ یہاں تو اُسے سینکڑوں
قدرداں ملیں گے۔ کئی فرمیں جو دنگل کراتی ہیں اُسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ وہ سوچتی اور پھر
فروش کی آواز کی طرف متوجہ ہو جاتی۔ جو کہتا ہوتا۔ "ہاں تو حضرات یہ ہے میرا پہلوان جو بڑے
کے بڑے سے بڑے پہلوان کو چیلنج کر سکتا ہے۔ یہ اُس جوہر کو استعمال کرتا ہے اور وہ جوہر.... اگر
میں اُس کا نام لوں تو آپ حقارت سے منہ بنائیں گے۔ لہٰذا میں اُس کا نام آپ کو نہیں بتاؤں گا۔"

"نہیں نہیں ضرور بتاؤ۔" مجمع سے آوازیں آئیں۔

"آپ ہنسیں گے۔"

"نہیں.... نہیں.... نہیں بتاؤ۔"

"اچھا تو سنئے.... وہ ہے.... سرسوں....!"

مجمع ہنس پڑتا ہے اور دوا فروش دونوں ہاتھ اٹھا کر دھاڑتا۔ "بس خاموش۔ میں نے پہلے ہی
کہہ دیا تھا۔"

"ارے بھائی۔ جڑی بوٹیوں میں سرسوں کہاں پائی جاتی ہے۔" کوئی کہتا۔

"عقل کا قصور ہے۔" دوا فروش کہتا۔ "سرسوں نہیں بلکہ سرسوں کا مخصوص جوہر دنیا کی ہر
ی بوٹی میں پایا جاتا ہے اور وہی جوہر اُسے فائدہ مند بناتا ہے۔ اس لئے دنیا کی ہر بیماری کا واحد
ج صرف سرسوں کا تیل ہے۔ دیکھئے ذرا میرے پہلوان کی طرف دیکھئے۔ یہ سر میں سرسوں کے
ل کی مالش کرتا ہے اس لئے اس کے بال کبھی سفید نہ ہوں گے۔ یہ سرسوں کے تیل سے دانت
ف کرتا ہے اس لئے اس کے دانت کبھی نہ گریں گے۔ یہ تیل میں سلائی ڈبو کا آنکھوں میں
رتا ہے اس لئے یہ کبھی اندھا نہیں ہو سکتا۔ یہ سرسوں کا تیل کھاتا ہے۔ سرسوں کا تیل پیتا
ہے۔ پان میں چھالیا کے بجائے ثابت سرسوں ڈال کر چباتا ہے۔ سرسوں کے ساگ کی ترکاری
ھاتا ہے۔ ہے کوئی جو کسی معاملے میں اس کا مقابلہ کر سکے۔"

وہ خاموش ہو کر لوگوں کا جائزہ لیتا۔ ان میں سے کچھ ہنستے ہوئے نظر آتے۔ کچھ کھسر پھسر
تے دکھائی دیتے اور بعض اُسے ایسے انداز میں گھورتے جیسے اُسے پاگل سمجھتے ہوں۔

"ارے.... تو کیا سرسوں کا تیل بیچو گے؟" کوئی چیخ کر کہتا۔

اس پر دوا فروش بھی جی کھول کر ہنستا اور پھر للکار کر کہتا۔ "ہے کوئی مائی کا لال جو اس زمانے
ں خالص سرسوں کا تیل لا کر دکھائے؟"

"پہلوان کو کہاں سے ملتا ہے؟" کوئی سوال کرتا۔

"یہی بتاؤں گا۔ لیکن تم سب ایک بار پھر ہنسو گے اور بڑی حقارت سے ہنسو گے۔ لیکن
قیقت سورج کی طرح روشن ہے۔ اُسے کون جھٹلا سکتا ہے۔ یہ دیکھو.... یہ کیا لکھتا ہے۔" وہ
یک بورڈ کی طرف اشارہ کرتا جس پر "پہلوانی سرمہ" تحریر تھا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" کوئی اُسے ٹوکتا۔

"یہی تو ساری بات ہے.... سنو! نا سمجھ انسان! سائنس نے بہت ترقی کر لی ہے۔ پہلے
ول کی طاقت سے ہوائی جہاز اڑتے تھے اب ایٹمی قوت انہیں اڑائے گی۔ ایٹم کیا ہے۔ ایک حقیر
ذرہ.... اور میرا پہلوانی سرمہ.... بھائیو! اس سرمے میں سرسوں کی قوت موجود ہے۔ چالیس
ن برابر آنکھوں میں لگاؤ اور گھوڑے کو پچھاڑ دو۔"

لوگ پھر ہنسنے لگتے اور وہ غصیلے لہجے میں کہتا۔ "جاؤ.... مجمع ختم.... یہ صرف قدر دانوں کے
ے ہیں۔ چلتے پھرتے نظر آؤ۔ ابھی اندھے ہی رہو۔ کیونکہ سائنس کی قوت سے ناواقف ہو۔"

"مگر سرمہ لگانے سے جسم میں کیسے طاقت آ سکتی ہے؟" کوئی پوچھتا۔

"یہی سائنٹیفک نکتہ تو تم سمجھ نہیں سکتے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ ہومیوپیتھی کی دوا کھانے سے آشوب

چشم کیسے رفع ہو جاتا ہے۔ بھلا بتاؤ دوا کھانے سے آنکھیں کیسے ٹھیک ہو جاتی ہیں۔ یہ سرمہ کا جل نہ آنجن۔ تم نہیں سمجھ سکتے۔ میرا سرمہ ہر مرض کی دوا بھی ہے۔ نزلہ، کھانسی، زکام، بخار، تو ندھی، پھولا، ککڑا، پیچش، بواسیر، درد کمر، درد گردہ وغیرہ وغیرہ اگر کسی کے سر میں درد ہو تو سامنے آئے۔ ایک ایک سلائی دونوں آنکھوں میں لگاؤں گا۔ اگر تین منٹ میں درد نہ جائے تو دس ہزار روپے یہیں گن دوں گا.... ہے کوئی.... باہر آئے۔"

اسی طرح روز ہی وہ مجمع لگا کر یکساں قسم کی تقریریں کیا کرتا تھا۔ مگر تھا بڑا چرب زبان۔ گریٹا نے کبھی یہ نہیں دیکھا تھا کہ کوئی مجمع سرمہ خریدے بغیر برخواست ہوا ہو۔ جب وہ کسی سر درد والے کو پکارتا تو مجمع سے اُسی کا کوئی ایجنٹ برآمد ہوتا اور اُس کی آنکھوں میں سرمے کی سلائیاں پھیری جاتیں اور وہ دو ہی منٹ بعد خوش ہو کر مجمع کو اطلاع دیتا کہ اُس کے سر کا درد کافور ہو چکا ہے۔ بس پھر دھڑا دھڑ سرمے کی شیشیاں فروخت ہونے لگتیں۔

آج بھی یہی ہو رہا تھا اور گریٹا کھڑکی میں کھڑی پہلوان کے کرتب دیکھ رہی تھی۔ اردو اُس کی مادری زبان نہیں تھی لیکن وہ مقامی باشندوں کی طرح اردو بول اور سمجھ سکتی تھی۔ وہ اینگلو برمیز تھی۔ اُس کا باپ شارٹی یہ ہوٹل چلا رہا تھا اور وہ باورچیوں کے ساتھ لگی رہتی تھی۔ شارٹی فطرتاً کنجوس آدمی تھا۔ اس لئے جب گاہک زیادہ ہوتے تھے تو گریٹا کو سروس بھی کرنی پڑتی تھی۔ کیونکہ اُن کے پاس صرف ایک ہی بیرا تھا۔ مگر باورچنیں دو تھیں۔ حالانکہ ایک سے بھی کام چل سکتا تھا۔ اس کی وجہ آج تک گریٹا کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ وہ سست اور کاہل تھیں۔ اس لئے اُسے اُن کا بھی ہاتھ بٹانا پڑتا تھا۔

اس وقت بھی وہ اسی غرض سے یہاں آئی تھی اور کام سے نپٹنے کے بعد کھڑکی میں آکھڑی ہوئی تھی۔

دوا فروش کی تفریحی تقریر اُسے دلچسپ معلوم ہوئی تھی اور اکثر وہ بھی بے خیالی میں ہنس پڑا کرتی تھی۔ پھر اس وقت اُس کا ساتھی پہلوان بھی کسی قسم کی مسخرگی پر اُتر آیا تھا۔ لیکن گریٹا کا ذہن جلد ہی دوسری طرف منتقل ہو گیا اور یہ منتقلی خوشگوار نہیں تھی۔ کھڑکی کے قریب اُسے ایک ایسا آدمی نظر آیا جسے وہ متنفر ہو جانے کی حد تک ناپسند کرتی تھی۔ یہ ایک مقامی پیشہ ور پہلوان بوشن تھا۔ ہوٹل کے مستقل گاہکوں میں سے تھا اور محض گریٹا سے چھیڑ چھاڑ کرنے کے لئے دن میں ایک بار ضرور آیا کرتا تھا۔ وہ جب بھی گریٹا کو ہوٹل میں چھیڑتا تو اُس کے باپ کی بائیں آنکھ سے پانی بہنے لگتا اور وہ اُسے خشک کرنے کے بہانے اپنا منہ پھیر لیا کرتا تھا۔ شارٹی کی عمر ساٹھ

سے کم نہ رہی ہو گی۔ وہ پستہ قد اور منحنی سا آدمی تھا۔ چہرے پر بے شمار جھریاں تھیں جن کے درمیان کیچڑ اور نمی سے بھری ہوئی بائیں آنکھ بڑی قابل رحم نظر آتی تھی۔ بہرحال وہ مجسم بیچارگی کی تصویر تھا اور بوشن جیسے خطرناک آدمیوں سے اُس کی روح فنا ہوتی تھی۔

بوشن اس وقت گریٹا ہی کو دیکھ کر کھڑکی کے قریب آیا تھا۔

"ہلو.... تتلی....!" اُس کے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔ "تم اس مسخرے کو کیا دیکھ رہی ہو۔ یہ تو بس گوشت کا پہاڑ ہے۔" اُس کا اشارہ دوا فروش کے ساتھی پہلوان کی طرف تھا۔

"ہٹو.... سامنے سے۔" گریٹا کو غصہ آگیا۔ وہ اپنے باپ کی طرح بوشن سے خائف نہیں تھی۔

"ہاہا...." بوشن نے قہقہہ لگا کر اُس کا بازو پکڑ لیا۔ کھڑکی میں سلاخیں نہیں تھیں۔

"اوہ.... چھوڑو.... ذلیل.... یہ ہمت۔" وہ داہنے ہاتھ سے اُس کے ہاتھ پر گھونسے مارتی ہوئی چیخی اور بوشن نے اُس کا دوسرا ہاتھ بھی پکڑ لیا اور ہنستا رہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں بوشن کو اُس کے ہاتھ چھوڑ دینے پڑے۔ دوا فروش کے پہلوان نے اُس کے شانے پر ہاتھ مارا تھا۔

"ابے.... یہ کیا ہو رہا ہے۔" اُس نے آنکھیں نکال کر بوشن سے پوچھا۔ بوشن کا ہاتھ گھوم گیا۔ وہ قد میں دوا فروش کے پہلوان سے چھوٹا تھا۔ اس لئے اُس کا گھونسہ اُس کے سینے پر پڑا۔ لیکن اُسے سچ مچ ایسا ہی معلوم ہوا جیسے وہ ہڈیاں اور گوشت کا پہاڑ ہی ہو۔ کیونکہ پہاڑ بھی تو نہیں ہلا کرتے اپنی جگہ سے۔ ویسے وہ بوشن کا ایسا جچا تلا ہاتھ تھا جس سے اُسکے مقابل ہمیشہ بچتے رہتے تھے۔

"ابے واہ....!" دیو نما پہلوان ہاتھ نچا کر بولا۔ "کیا لونڈیوں کی طرح ٹھسے بازی کر رہا ہے۔"

"ارے ہائیں ہائیں....!" دوا فروش ہاتھ ہلاتا ہوا اُن کے درمیان آگیا اور بوشن نے جھلاہٹ میں اُسی پر حملہ کر دیا۔ مگر دوا فروش بھی غضب کا پھرتیلا تھا۔ اُس نے اتنی تیزی سے ہیترا بدلا کہ بوشن اپنے زور ہی میں فٹ پاتھ پر منہ کے بل گر پڑا۔

گریٹا کا قہقہہ دل کی گہرائیوں ہی سے نکلا تھا۔ بوشن پاگل ہو گیا۔ اب وہ پھر پہلوان پر حملہ آور ہوا تھا۔ پہلوان نے اُس کے دو تین گھونسے کھائے اور اسی طرح اپنی جگہ پر جما رہا۔ جیسے اُن دونوں نے اُس کا جسم ہی سہلایا ہو۔ پھر یک بیک اُس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور اس طرح کا دو ہتھڑ بوشن کے سر پر رسید کیا کہ اُس کی آنکھوں میں تارے ہی ناچ کر رہ گئے۔ وہ لڑکھڑایا اور دوا فروش نے اپنے پہلوان کو للکارا۔ "شاباش.... بایاں مار.... واہ۔"

"بائیں جبڑے پر ہاتھ پڑتے ہی بوشن ڈھیر ہو گیا۔ پھر نہ اٹھ سکا۔"

"گنتی گنو....!" پہلوان دوا فروش کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔ "اٹھاؤ سالے کو۔ پراٹھا بناؤں

گا۔ معزز خواتین کو چھیڑتا ہے.... سالا۔"
"دوافروش بوشن پر جھک کر گنتی گننے لگا اور دفعتاً گریٹا چلائی۔ "اوہ بھاگو اندر آجاؤ۔ اُس کے
گرگے آرہے ہیں۔ اندر آجاؤ.... چلو۔"

سودا

• بوشن کے آدمیوں نے ہوٹل کا صدر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ پہلوان اور دوافروش کو
گریٹا زبردستی اندر لے گئی تھی اور صدر دروازہ بند کر دیا تھا۔ جب دروازہ نہ کھلا تو اُن لوگوں نے
دوافروش کے سامان ہی پر غصہ اتار کر رکھ دیا اور بوشن کو اٹھالے گئے۔ ہو سکتا ہے کہ بوشن ہوش
ہی میں رہا ہو لیکن شرمندگی کی وجہ سے آنکھیں نہ کھولی ہوں۔ وہ روستمبا کے نامور پہلوانوں میں
سے تھا۔ باکسنگ میں کم ہی اس کے سامنے ٹھہر سکتے تھے۔

دوافروش اپنے پہلوان پر بگڑ رہا تھا۔

"ابے او رستم کے چچا۔ تم ٹھیکے دار ہو سارے زمانے کے۔ یہ تم نے کیا کیا؟"

"ٹھینگے سے۔" پہلوان بولا۔ "میں کسی سے قمزور ہوں؟"

"واقعی میری وجہ سے تم لوگ زحمت میں پڑ گئے۔" گریٹا نے کہا۔ "پردیسی معلوم ہوتے ہو۔
یہ بُرا شہر ہے۔ بوشن سے یہاں سب ڈرتے ہیں۔ وہ غنڈہ بھی ہے۔"

"میں سالے کی ٹانگیں چیر دوں گا۔" پہلوان نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"نہیں! تم نہیں جانتے۔ شاید پہلی بار یہاں آئے ہو۔ کہاں ٹھہرے ہو۔"

"سرائے میں۔" دوافروش بولا۔

اتنے میں شارٹی لپکتا ہوا اُن کے قریب پہنچا اور گھونسہ ہلا کر بولا۔ "اب یہ ہو گا کہ ہم سب ق
کر دیئے جائیں گے۔ میرے ہوٹل کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی۔"

"ہونے دو۔ سب کچھ ہونے دو۔" گریٹا دانت پیس کر بولی۔ "کمزور ہونے کا یہ مطلب تو
نہیں ہے کہ ہم اپنی عزت بیچ دیں۔"

"اور کیا۔" پہلوان آنکھیں نکال کر بولا۔ "میں دیکھوں گا سالے روستمبا کو۔"

دوافروش اس کا شانہ تھپکنے لگا اور بولا۔ "تم اپنی زبان کو قابو میں رکھو پیارے۔"

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور شارٹی اُدھر دوڑا چلا گیا۔

"یہ تمہارے باپ ہیں؟" دوافروش نے گریٹا سے پوچھا۔

"ہاں یہ میرے باپ ہیں۔ کاش یہ بھی پہلوان ہوتے۔"

"میں تمہارا باپ۔" پہلوان چھاتی ٹھونک کر بولا۔ پھر فوراً گڑبڑا گیا۔

"مم مطلب یہ کہ.... میں تمہارے باپ کی اُدھار.... ارے ہاں.... حفاظت....
ظت کر سکتا ہوں۔"

شارٹی فون پر کسی سے گفتگو کر رہا تھا لیکن اُس کے لہجے میں خوشی کی قلقاریاں بھی شامل
یں۔ گفتگو ختم کر کے وہ دوڑتا ہوا پھر اُن کی طرف آیا۔ اُس کے دانت نکلے پڑ رہے تھے۔

"دروازہ کھول دو۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "مسٹر ٹیوی کا فون تھا۔ وہ خود آرہے ہیں۔ اس پہلوان
ے ملاقات کریں گے۔ انہوں نے کہا ہے کہ تمہارے ہوٹل میں کوئی قدم بھی نہیں رکھ سکتا
ب میرے آدمی وہاں پہنچیں فوراً دروازہ کھلوا دینا۔ اب کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اوہو! پہلوان اپنی
ش نصیبی پر رشک کرو۔ ٹیوی صاحب تم سے ملنے آرہے ہیں۔ اب تم سڑکوں پر ٹھوکریں نہیں
ھاتے پھرو گے۔ وہ پہلوانوں کے قدرداں ہیں۔ اُن کی فرم میں کئی نامی پہلوان ملازم ہیں۔"

"اَے.... بوڑھے....!" دفعتاً دوافروش آنکھیں نکال کر بولا۔ "کیا میں فاقے کروں گا۔"

"اَمے.... توم چوپ راوٗ۔" پہلوان ہاتھ ہلا کر بولا۔ وہ غالباً گریٹا کو مرعوب کرنے کی
شش کر رہا تھا۔

"تم دنیا کو دھوکا دیتے ہو۔" شارٹی نے کہا۔

"اَے تمہیں کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ اس قسم کی باتیں کرو۔" دوافروش جھلا کر بولا۔

"پاپا.... تم جاؤ اپنا کام دیکھو۔" گریٹا بولی۔ پھر اس نے دوا فروش سے کہا۔ "معاف کرنا
ڑھے آدمی ہیں۔ اکثر بہک جاتے ہیں۔ یہاں اس دنیا میں کون ہے جو کسی نہ کسی طرح دوسروں
و دھوکا نہیں دیتا۔ بیٹھ جاؤ۔ میں تم لوگوں کے لئے کچھ کھانے پینے کو لاؤں۔"

وہ چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد صدر دروازے پر دستک ہوئی اور شارٹی دروازے کی طرف لپکا
کن دروازہ کھلتے ہی اُس کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ کیونکہ وہ ٹیوی یا اس کے آدمی نہیں تھے،
پولیس تھی۔

"یہاں کیا ہنگامہ ہو رہا ہے۔" انسپکٹر غرایا۔

"کک.... کچھ نہیں.... جج.... جناب والا۔" شارٹی ہکلایا۔

"سر سے والا کہاں ہے؟"

"اندر.... اندر جناب۔"

"ہٹو.... راستہ دو....!"

انسپکٹر کے پیچھے دو کانسٹیبل بھی تھے۔ وہ ہوٹل میں داخل ہوئے اور دوا فروش اچھل پڑا۔

"ہوں بدمعاش۔" انسپکٹر سر ہلا کر بولا۔ "وہیں ٹھہرو۔ تم لوگ یہاں ہنگامہ برپا کرتے ہو؟"

"نہیں سرکار۔" دوا فروش بولا۔ "بوشن نے میرے پہلوان کو گالیاں دی تھیں۔"

"جہنم میں جھونکو بوشن کو۔ تم نے کیسی چار سو بیس پھیلا رکھی ہے۔ طاقت کا سرمہ بیچتے ہو۔ نہ معجون نہ گولیاں۔ سرمہ.... دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہو۔"

"نہیں سرکار.... سرمہ۔" دوا فروش ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "جی ہاں میں طاقت کا سرمہ بیچتا ہوں۔ مجھے پھانسی پر چڑھا دیجئے لیکن میری سائنس کی توہین نہ کیجئے۔ آپ سرمہ کہتے ہیں میں تو عنقریب ایک ایسا منجن بھی پیش کرنے والا ہوں جو ہر مرض کی دوا ثابت ہو۔"

"مجھ سے بھی چرب زبانی کرتا ہے۔" انسپکٹر دھاڑا۔

"میں ثابت کرسکتا ہوں انسپکٹر صاحب صرف منجن دانتوں میں ملیئے۔ درد سر غائب۔ بدہضمی کافور۔ بخار ختم۔"

"کیا بکواس ہے۔" انسپکٹر غصیلے انداز میں مسکرایا۔

"میں اپنی تھیوری رکھتا ہوں سرکار۔"

"آخاہ.... افلاطون ہیں آپ۔ اسی لئے سڑکیں ناپتے پھر رہے ہیں۔"

"یہ میری بدنصیبی ہے۔ انگلینڈ یا امریکہ میں پیدا ہوا ہوتا تو قدر بھی ہوتی۔"

"اور.... قیا....!" پہلوان سر ہلا کر بولا۔

"تم نے بوشن کو مارا کیوں تھا؟" انسپکٹر اُس پر الٹ پڑا۔

"ان سے پوچھو....!" اُس نے دوا فروش کی طرف اشارہ کیا۔

اتنے میں گریٹا کافی کی ٹرے لائی اور انسپکٹر اُسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔ گریٹا نے اُسے خوش آمدید کہی تھی۔

اُس نے ٹرے میز پر رکھ دی اور باورچن کو آواز دے کر مزید تین کپ لانے کو کہا۔

"ارے نہیں۔ اس کی تکلیف نہ کرو۔" انسپکٹر مسکرایا۔

اتنی دیر میں دوا فروش نے ایک کڑکڑاتا ہوا بڑا نوٹ لفافے میں رکھ لیا تھا۔ لب لگا کر لفافے کو بند کیا اور وہ لفافہ انسپکٹر کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

"منجن اور سرمے کا فارمولا۔"

انسپکٹر نے لفافہ لے کر جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تمہارا مجمع بہت ہو جاتا ہے ایسا کرو کہ وہ سڑک کے نیچے ہی رہا کرے۔"

"اب ایسا ہی ہوگا سرکار۔"

"مگر تم نے بوشن کو کیوں مارا تھا؟" انسپکٹر نے پہلوان سے پوچھا۔

"ارے.... یہ۔" دوا فروش بول پڑا۔ "اس کے پاس فارمولے نہیں ہیں۔ یہ تو خود ہی رے لئے پرابلم بنا ہوا ہے سرکار۔"

"دیکھئے...." گریٹا بولی۔ "بوشن نے مجھ سے بدتمیزی کی تھی اس پر انہوں نے اُسے روکا۔ وہ لڑ پڑا۔"

"ارے مار ڈالا ہوتا سالے کو۔ تم سے بدتمیزی کی تھی؟" انسپکٹر آنکھیں نکال کر بولا۔

"جی ہاں۔"

"بہت اچھا کیا۔ مگر بوشن کی بڑی کرکری ہوئی ہے۔ لوگ اُس پر ہنس رہے ہیں۔ وہ ان دنوں کے خون کا پیاسا ہوگیا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اب تم دونوں فی الحال باہر مت نکلنا۔"

ٹھیک اُسی وقت ایک لمبا تڑنگا خوشرو آدمی ہوٹل میں داخل ہوا۔ اُس کی مونچھیں باریک ٹی ہوئی تھیں اور سوٹ بے داغ تھا۔ انگلیوں میں وزنی اور قیمتی انگوٹھیاں نظر آرہی تھیں۔

نارٹی اس کی طرف لپکتا ہوا بولا۔ "اوہ مسٹر ٹیوی جناب۔"

پھر انسپکٹر کو اٹھتے دیکھ کر وہ دونوں بھی اٹھ گئے۔ انسپکٹر نے بڑی گرم جوشی سے ٹیوی کا ستقبال کیا تھا۔

"اوہ.... انسپکٹر! شاید بوشن کا قصہ آپ کو یہاں لایا ہے۔" ٹیوی نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں تو مسٹر ٹیوی۔ بس یونہی آنکلا تھا۔ مگر یہ بوشن بڑا بے ہودہ آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے مس گریٹا کو چھیڑا تھا۔"

"بڑا افسوس ہوا۔" ٹیوی نے لہجے میں خشکی پیدا کر کے کہا۔ "ہاں! وہ بہت بدتمیز آدمی ہے۔"

پھر وہ دوا فروش اور پہلوان کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "آپ سب صاحبان تشریف رکھئے۔ بوشن کی کہانی جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی ہے۔"

"کیا مصیبت ہے۔" دوا فروش پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "اب شاید میں اپنے دھندے سے بھی جاؤں گا۔"

"کیا یہ ظلم نہیں ہے دوست!" ٹیوی نے مسکرا کر کہا۔ "کہ تم ایک اتنے اچھے پہلوان کو در در کی خاک چھنواتے پھر رہے ہو۔ ذرا باہر نکل کر دیکھو۔ شہر کے سارے اخبارات کے اسپورٹ رپورٹرز اور کیمرہ مین اس کے لئے فٹ پاتھ پر کھڑے ہیں۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ میں اپنی جان دے دوں گا۔" دوا فروش میز پر ہاتھ مار کر دھاڑا۔

"اے خاموش رہو۔" انسپکٹر گرجنے لگا۔ "تم مسٹر ٹیوی کی توہین کر رہے ہو۔ ہوش میں آؤ۔ ہو گا وہی جو مسٹر ٹیوی چاہیں گے۔"

"نہیں دوست.....!" ٹیوی نے مسکرا کر کہا۔ "تمہیں اس کی پرواہ نہ ہونی چاہئے کہ تم بھوکے مرو گے۔ یہ پہلوان بدستور تمہارے ساتھ رہے گا تمہاری کفالت کرے گا لیکن اب تم اسے سرمہ فروشی کا ذریعہ نہیں بنا سکو گے۔"

"یہ صرف طاقت ور ہے۔" دوا فروش بولا۔ "کشتی یا باکسنگ کے داؤں پیچ سے واقف نہیں ہے۔"

"یہ سب کچھ کرنا ہمارا کام ہے۔" ٹیوی نے کہا۔

"لیکن یہ مجھ سے ایک سال کا ایگریمنٹ کر چکا ہے۔ میں اسے عدالت میں کھینچ لوں گا۔" دوا فروش نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اُسے پھاڑ کر پھینک دو۔" ٹیوی نے نرم لہجے میں کہا۔ "کل یہاں کے سارے اخبارات میں بوشن کی کہانی اور تمہارے پہلوان کی تصویریں شائع ہوں گی۔ اس کے بعد بھی کیا یہ مناسب ہو گا کہ یہ سڑک کے کنارے کھڑا ہو کر راہ گیروں کا دل بہلائے؟"

دوا فروش کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "اچھا میں ایگریمنٹ پھاڑ دوں گا لیکن اس کی قیمت پانچ ہزار ہو گی۔"

"بیٹھ جاؤ۔" ٹیوی خود بھی ایک کرسی سنبھالتا ہوا بولا۔ اور پھر جیب سے چیک بک نکالی اور فاؤنٹین پن کی نب اُس پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کراس یا بیئرر؟"

شارٹی نے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں اور اُس کی داہنی آنکھ سے بھی پانی بہنے لگا۔ دوا فروش نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "بیئرر۔"

ٹیوی کا قلم تیزی سے چل رہا تھا۔ اُس نے چیک کاٹ کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔ دوا فروش نے اچھی طرح چیک کا جائزہ لے کر اُسے تہہ کیا اور جیب میں رکھ لیا۔ اس دوران میں شارٹی اس کے شانے پر جھکا ہوا آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "ٹھیک ہے آسانی سے کیش ہو جائے گا۔ اسی بینک

میرا اکاؤنٹ بھی ہے۔"

"اچھا..... میرا اور اس کا ایگریمنٹ ختم ہو گیا۔" دوا فروش نے کہا۔ "لیکن میں اسے اپنے ساتھ جانے پر مجبور نہیں کر سکوں گا۔ یعنی اگر یہ خود ہی تمہارے ساتھ جانے سے انکار کرے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہو گی۔"

"پرواہ مت کرو..... میں نے تمہارا حساب صاف کر دیا۔" ٹیوی نے مسکرا کر کہا۔ پھر پہلوان سے بولا۔ "کیوں دوست تم چلو گے نا میرے ساتھ؟ زندگی بن جائے گی۔"

پہلوان دوا فروش کی طرف دیکھنے لگا اور پھر بولا۔ "میرے اُستاد بھی میرے ساتھ چلیں گے۔"

"استاد..... کیا مطلب.....؟" ٹیوی دوا فروش کو گھورنے لگا۔

"سرمہ لگا لگا کر مجھے تگڑا کیا ہے۔ داؤں پیچ سکھائے ہیں۔" پہلوان ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں ان کا ساتھ کیسے چھوڑ دوں۔"

"دیکھو.....! میں نے تمہارے لئے پانچ ہزار خرچ کئے ہیں۔" ٹیوی نے نرم لہجے میں کہا۔

"ان سے اجازت دلوا دو..... میں چلوں گا۔" پہلوان بولا۔

"کیوں بھئی..... دے دو اجازت.....!" ٹیوی نے دوا فروش سے کہا۔

"اجازت کا سودا الگ سے ہو گا۔" دوا فروش بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

"اے تم لٹیرے ہو کیا.....؟" انسپکٹر نے آنکھیں نکالیں۔

"اس کا بھی فارمولا ہے میرے پاس..... حضور عالی!" دوا فروش نے آہستہ سے کہا اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"چلو اجازت کی قیمت بھی بتاؤ۔" ٹیوی نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"صرف تین ہزار جناب... آٹھ ہزار روپے دوسرا پیشہ اختیار کرنے کیلئے کافی ہوں گے۔"

ٹیوی نے دوسرا چیک بھی اُس کی طرف بڑھا دیا۔

بات ختم ہو گئی۔ پہلوان ٹیوی کے ساتھ چلا گیا تھا اور ٹیوی نے شارٹی سے کہا تھا کہ وہ دوا فروش کو اپنے ہی ساتھ رکھے۔ دوا فروش کا سامان سرائے سے شارٹی کے ہوٹل میں منگوالیا گیا۔

دوسرے دن دوا فروش نے گریٹا سے کہا۔

"میں تمہارے نام سے آٹھ ہزار روپے کا اکاؤنٹ کھول دوں؟"

"میرے نام سے کیوں؟" گریٹا متحیر رہ گئی۔

"اکثر مجھ پر دیوانگی کے دورے پڑتے ہیں اور میں غائب ہو جاتا ہوں۔ پہلے وہ پہلوان ڈھونڈ

نکالا کرتا تھا۔ مگر اب کیا ہو گا۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ کم از کم یہ روپے تو محفوظ رہیں۔"

"میں پاپا سے پوچھے بغیر ایسا نہیں کر سکتی۔"

"پوچھ لو..... میں اُس سے بھی گفتگو کر چکا ہوں۔ وہ تیار ہے۔"

گریٹا خاموش ہو گئی۔ اُس دن اخبارات میں بوشن اور اشتہاری پہلوان کی تصاویر آ گئیں۔ اُن کی کہانی بھی دہرائی گئی تھی اور پھر ایک خبر بھی تھی کہ بوشن نے اُسے چیلنج کیا ہے۔ چیلنج منظور بھی کر لیا گیا ہے اور عنقریب دونوں کے درمیان باکسنگ کا مقابلہ ہو گا۔

"دیکھا۔" گریٹا نے دوا فروش سے کہا۔ "بوشن پاگل ہو گیا ہے۔ شہر کے غنڈے اُس کے نام سے کانپتے تھے اُس کی بڑی توہین ہوئی ہے۔ مگر اب شاید اُس کی موت بھی آ گئی ہے..... کیا خیال ہے تمہارا؟"

"جہنم میں جائے۔" دوا فروش نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "بوشن کے لئے تو میں ہی کافی ہوں۔" وہ ہوٹل کی اوپری منزل کے ایک کمرے میں کھڑا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اُس کے جسم پر چمڑے کی جیکٹ اور خاکی گیبرڈین کی پتلون تھی اور وہ اس وقت نہ جانے کیوں گریٹا کو بڑا دلکش لگ رہا تھا۔ وہ خواب دیکھنے والی لڑکیوں میں سے تھی اور اُس کا ہیرو کچھ کاؤبوائے ٹائپ کی چیز تھا۔

وہ بار بار اُس کے کمرے میں آتی تھی۔ لیکن وہ بہت کم اُس کی طرف متوجہ ہوتا۔ اس وقت بھی وہ اُس کی طرف پشت کیے کھڑکی کے قریب کھڑا تھا لیکن اس کے سوالات کا جواب دیتے وقت بھی اُس کی طرف نہیں مڑا تھا۔ گریٹا کو اُس کی ان حرکتوں پر بڑا تاؤ آتا۔ لیکن وہ کرتی بھی کیا..... کہنے کی بات ہی نہیں تھی۔ مگر اس وقت اُس نے جھلا کر اتنا ضرور کہا۔ "کیا تم پر دیوانگی کا دورہ پڑا ہے؟"

"ابھی تک تو نہیں پڑ سکا۔" جواب ملا لیکن اس بار بھی وہ اس کی جانب نہیں مڑا تھا۔ گریٹا کچھ اور آگے بڑھ آئی اور دوسرے ہی لمحے میں اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ باہر سڑک کے اُس پار ایک آدمی کھڑا دوا فروش کو کسی قسم کے اشارے کر رہا تھا۔ اُس کی شکل بے حد ڈراؤنی تھی..... پھر شاید اُس نے بھی گریٹا کو دیکھ لیا اور برابر والی گلی میں تیزی سے داخل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ٹھیک اُسی وقت دوا فروش بھی گریٹا کی طرف مڑا۔

"یہ کون تھا.....؟" گریٹا نے بھرائی ہوئی سی آواز میں پوچھا۔

"اب منجن کا کاروبار شروع کر دوں گا۔" دوا فروش نے مسکرا کر کہا۔ "اُس کے لئے یہ آدمی

مناسب رہے گا۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

گریٹا کچھ نہ بولی۔ اُسے دوا فروش کی بات پر یقین نہیں آیا تھا اور پھر وہ اُس خوفناک شکل کے آدمی کے متعلق الجھن میں پڑ گئی۔

دیوانگی

گریٹا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ دوا فروش کو بھی کوئی اچھا آدمی نہیں سمجھتی تھی پھر کیسے گوارا کر لیتی کہ وہ آٹھ ہزار روپے اُس کے نام سے کسی بینک میں جمع کر دے۔ اس کے برخلاف شارٹی نہ صرف خوش نظر آ رہا تھا بلکہ دوا فروش کی خاطر و مدارات کے سلسلے میں زمین و آسمان ایک کیے دے رہا تھا۔

گریٹا نے شارٹی سے کہا کہ وہ اسے مناسب نہیں سمجھتی پتہ نہیں دوا فروش کیسا آدمی ثابت ہو۔

"اوہ..... پاگل.....!" شارٹی نے ناک سے شوں شوں کرتے ہوئے جواب دیا۔ "ایک بے چارا آدمی کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ وہ یہاں اجنبی ہے۔"

"تو وہ اپنے ہی نام سے اکاؤنٹ کیوں نہیں کھولتا۔"

"اوہ..... اُس پر دیوانگی کے دورے پڑتے ہیں۔ وہ جڑی بوٹیاں سب سے پہلے خود استعمال کرتا ہے۔ ایک بار کسی تجربے کے سلسلے میں اُس پر دیوانگی کا دورہ پڑ گیا تھا جواب بھی اکثر پڑ جاتا ہے۔ دیوانگی کے دوران وہ اپنی پچھلی زندگی کے متعلق سب کچھ بھول جاتا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ اگر میں بے ایمانی پر اُتر آؤں تو؟" گریٹا نے مسکرا کر کہا۔

"خاموش..... خاموش۔" وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "کیا بکواس کر رہی ہو۔ اگر وہ بھڑک گیا تو..... تم کیسی نا سمجھ ہو۔"

"ہوں..... تو تم یہ چاہتے ہو پاپا کہ اُسے بے وقوف بناؤ؟"

"لڑکی تم پاگل ہو گئی ہو۔ آہستہ بول۔" شارٹی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

گریٹا چپ ہو رہی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں خود شارٹی ہی اس کام کے لئے اپنا نام پیش نہ کر بیٹھے۔ اس صورت میں دوا فروش کے روپے یقینی طور پر ڈوب جاتے۔ وہ اپنے باپ کے عادات و اطوار سے بخوبی واقف تھی۔ شارٹی گو جسمانی طور پر ناکارہ تھا لیکن اُس کا ذہن ہر وقت سازشوں اور داؤں پیچ میں لگا رہتا تھا۔ لوگ اُس کے حلیہ سے دھوکا کھا جاتے تھے۔ بظاہر وہ ایک مظلوم اور

خارش زدہ کتے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا لیکن اُس کی چالیں بڑی تباہ کن ہوتی تھیں۔

اس کے برعکس گریٹا کو مکاری سے نفرت تھی۔ وہ کسی کو دھوکا نہیں دے سکتی تھی۔ لہٰذا اُس نے یہی مناسب سمجھا کہ اکاؤنٹ اپنے ہی نام سے کھلوائے ورنہ ہو سکتا ہے کہ دوافروش کے زیادہ چالاک ثابت ہونے پر انہیں حقیقتاً کسی بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑے۔ بہرحال اُس نے شارٹی کو اطمینان دلا دیا کہ اب وہ اُس کی مخالفت نہیں کرے گی۔

ساگر نے اُس کے نام سے اُسی بینک میں اکاؤنٹ کھول دیا جس کے چیک تھے۔ اُسی وقت گریٹا کو اُس کا نام بھی معلوم ہوا اور نہ وہ اُسے سرمہ والا ہی کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔ وہ اُس کے متعلق الجھن میں مبتلا تھی کہ آخر وہ کس قسم کا آدمی ہے۔ اُسے اچھا سمجھے یا بہت بُرا۔ کیونکہ وہ خاصا تعلیم یافتہ معلوم ہوتا تھا لیکن اُس نے کسی تعلیم یافتہ آدمی کو سڑک کے کنارے مجمع لگا کر سرمہ بیچتے بھی نہیں دیکھا تھا۔

بینک سے واپس آکر وہ پھر اوپری منزل پر چلا گیا تھا اور یہ چیز تو ابھی تک گریٹا محسوس ہی نہیں کر سکی تھی کہ وہ اُس کی ذات میں کسی قسم کی دلچسپی لے رہا ہے۔

دوپہر کا کھانا وہ خود ہی اوپری منزل پر لے گئی۔ شارٹی کی تاکید تھی کہ اب وہ کھانا اُسی کے ساتھ کھایا کرے۔

کھانے کی میز پر گریٹا نے پھر ساگر کی آئندہ زندگی کے متعلق گفتگو چھیڑ دی۔

"منجن....!" ساگر نے ٹھنڈی سانس لی۔ "منجن ہی زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اس طرح میں اپنی تھیوری کو زیادہ کارآمد بنا سکوں گا۔ تم نے کہاں تک تعلیم حاصل کی ہے؟"

"جونیئر کیمبرج سے آگے نہیں پڑھ سکی۔ پڑھنے لکھنے میں میرا دل نہیں لگتا۔"

"ہوں.... بہرحال تم میری تھیوری کو کسی حد تک سمجھ سکو گی۔"

"نہیں.... میں تھیوری نہیں سنوں گی۔ اس لفظ ہی سے مجھے الجھن ہوتی ہے۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم یا تو کوئی بہت بڑے فراڈ ہو یا بالکل احمق۔"

"بالکل احمق ہی سمجھو۔ فراڈ کا سلیقہ مجھ میں نہیں ہے۔"

"مجھے تم سے خوف معلوم ہوتا ہے۔" گریٹا نے کہا۔

"ہونا بھی چاہئے۔" ساگر نے کہا اور ہاتھ روک کر کرسی پیچھے کھسکائی۔

"ارے.... کھاؤ....!" گریٹا ہنس پڑی۔ "کیا خفا ہو گئے؟"

"ہاں میں جا رہا ہوں یہاں نہیں رہوں گا۔"

"کیوں....؟"

"تم لوگوں کو مجھ سے خوف معلوم ہوتا ہے۔"

"لیکن اسے بھی یاد رکھو کہ تم صرف اسی چھت کے نیچے محفوظ ہو۔"

"کیا مطلب....؟"

"کھاؤ.... کھاتے رہو.... یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ مسٹر ٹیوی نے تمہیں پناہ دی ہے۔"

"تو پھر اس سے کیا؟"

"جب تک تم یہاں ہو.... لوگ یہی سمجھیں گے کہ تم مسٹر ٹیوی کی پناہ میں ہو۔ یہاں کے علاوہ کہیں اور قیام کرنے کا مطلب یہی ہوگا کہ مسٹر ٹیوی نے تم پر سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔"

"پھر کیا ہوگا....؟"

"بوشن کے آدمی تمہیں بڑی بے دردی سے قتل کر دیں گے۔ وہ ایسے پاگل کتے ہیں جنہیں بھوک ہو یا نہ ہو مگر بھنبھوڑ کھائیں گے۔"

"کیا وہ ٹیوی سے ڈرتے ہیں؟"

"نہیں.... یہ ایک معاہدہ کے تحت ہوتا ہے۔ کیا تم یہاں کے پہلوانوں اور اُن کی فرموں کے متعلق کچھ نہیں جانتے؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

"ارے تو کھانا کھاؤ.... میں تمہیں بتاؤں گی۔"

ساگر نے پھر کھانا شروع کر دیا اور گریٹا بولی۔ "یہاں دو بڑی فرمیں سب سے زیادہ بزنس کرتی ہیں۔ ایک ٹیویز ہے اور دوسری بلنگرز۔ دونوں ایک دوسری کی حریف ہیں۔ ٹیوی اور بلنگر ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں بوشن بلنگرز کا پہلوان ہے اور ٹیوی تمہارے پہلوان کو لے گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ دونوں کا مقابلہ ہوگا۔ بوشن کے پٹنے کی خبر پر وہ اسی لئے دوڑا آیا تھا۔ جب بوشن نے یہ دیکھا کہ وہ ٹیوی کے قبضے میں آ گیا ہے تو اُس نے اُسے باقاعدہ طور پر چیلنج کر دیا۔ اب دیکھنا ٹیوی کتنے زور و شور کے ساتھ بوشن کے پٹ جانے کی پبلیسٹی کراتا ہے۔"

"اس سے کیا ہوگا....؟"

"دونوں کے مقابلہ کے لئے میدان ہموار ہوگا۔ پھر مقابلے میں تمہارا پہلوان بوشن کو یقینی طور پر پیٹ دے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس سیزن کا سب سے بڑا مقابلہ ہوگا۔"

”مگر.... تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ بوشن کے آدمی مجھے ٹیوی کی پناہ میں دیکھ کر بخش کیوں دیں گے؟“

”ٹیوی اور بلنگرز کے درمیان معاہدہ ہوا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے کسی ایسے آدمی کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے جس کی ملازمت کی مدت ایک سال سے کم ہو۔ اب ایک سال تک بلنگر کے آدمی تمہیں یا تمہارے پہلوان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔“

”یہ تو بڑا عجیب معاہدہ ہے۔“

”صرف عجیب ہی نہیں بلکہ دانش مندانہ بھی ہے۔“

”کیوں....؟“

”شروع شروع میں دونوں طرف کے کچھ نئے پہلوان بیکار ہو گئے تھے۔ یعنی مثال کے طور پر ٹیومی نے کوئی پہلوان ملازم رکھا اور بلنگر کو اُس کی طرف سے خدشہ محسوس ہوا کہ اُس کے پہلوان اُس کے سامنے نہ ٹھہر سکیں گے تو وہ کسی نہ کسی بہانے اُسے اس طرح پٹوا دے گا کہ وہ مقابلے کے قابل ہی نہ رہ جائے۔ اس طرح دونوں ہی کو نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ پھر دونوں نے آپس میں طے کیا کہ ایک سال سے کم مدت کے ملازم پہلوانوں کی دونوں حفاظت کریں گے۔ انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ ویسے پرانے ملازموں کے درمیان اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں اور دونوں آئے دن عدالت میں کھڑے رہتے ہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ پولیس انسپکٹر بھی ٹیوی سے مرعوب نظر آرہا تھا۔“

”وہ پولیس کمشنر کے گہرے دوستوں میں سے ہے۔ اس لئے انسپکٹر تو اُسے سلام کیا کرتے ہیں۔“

”اور.... بلنگر....؟“

”ہونہہ! پولیس والے تو کسی کے بھی دشمن نہیں ہوتے۔“ گریٹا ہنس کر بولی۔ ”وہ بلنگر کا بھی اتنا ہی احترام کرتے ہیں۔“

”یہ بات مجھے قطعی پسند نہیں آئی۔“ ساگر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”تمہاری پسند یا ناپسند سے کیا ہوتا ہے۔ جب تمہیں مرنا ہوگا.... چپ چاپ مر جاؤ گے۔“

”خیر میں اتنی آسانی سے مرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔“ ساگر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ”بوشن کے آدمیوں سے کہاں مڈبھیڑ ہو سکتی ہے۔“

”کیا مطلب....؟“

”میں اُن سے ٹکرانا چاہتا ہوں۔“

”شاید تم پر دیوانگی کا دورہ پڑنے والا ہے۔“ گریٹا ہنس پڑی۔

”سنو۔ ایک تدبیر ہے میرے ذہن میں۔“ ساگر نے آہستہ سے کہا۔

”کیا....؟“

”وہ جیسے فلموں میں نقاب لگاتے ہیں نا.... بس ویسے ہی نقاب لگا کر جاؤں۔“

”کیا تم بالکل گدھے ہو مائی ڈیئر مسٹر ساگر....؟“

”نہیں.... دیکھو.... ہو سکتا ہے کہ تم غلطی پر ہو۔ مس شارٹی بھلا میں ٹیوی کا ملازم کیسے نے لگا۔ ملازم تو پہلوان ہے۔ وہ بوشن یا اُس کے آدمیوں کے حملے سے محفوظ رہ سکتا ہے مگر ....؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اور پھر ٹیوی کو مجھ سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے جب کہ میں سے آٹھ ہزار بھی وصول کر چکا ہوں۔“

”یہی تو میں سوچتی ہوں.... مگر....؟“

”مگر کیا....؟“

”پاپا کہتے ہیں کہ ٹیوی ساگر کا بھی حلیف ہے۔“

”لیکن ساگر کی سمجھ میں تو نہیں آئی یہ بات۔“ ساگر نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

”پھر تم کیا سوچ رہے ہو....؟“

”وہ مجھے دھوکے میں رکھ کر اپنے آٹھ ہزار وصول کرنا چاہتا ہے۔“

”اوہ.... تو.... تم نے اسی لئے میرے نام سے اکاؤنٹ کھولا ہے؟“

”بالکل....!“ ساگر نے قہقہہ لگایا۔

”اچھا اگر میں تمہیں وہ رقم نہ دوں تو.... ظاہر ہے کہ اب وہ میرے قبضے میں ہے۔ تمہارے کیا ثبوت ہے کہ....!“

”ختم کرو۔“ ساگر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ رقم میری ہے۔“

”پھر....؟“

”پھر کچھ بھی نہیں۔ تم مجھے اتنی چھوٹی طبیعت کا آدمی کیوں سمجھتی ہو؟ اور تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ میں تم پر عاشق ہو گیا ہوں۔“

”کیا بکواس ہے۔“ گریٹا جھلا گئی اور ساگر ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ ”کیا یہ غلط ہے کہ شارٹی مجھے سمجھتا ہے۔“

”میں کچھ نہیں جانتی۔ پتہ نہیں تم کون ہو اور کس چکر میں ہو۔“

"میں کسی چکر میں نہیں ہوں۔ بس لوگوں کو متحیر کر دینا میری ہوبی ہے۔"

دفعتاً ایک باورچن چیختی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

"ارے مار ڈال رہے ہیں.... صاحب کو.... بچاؤ۔"

وہ دونوں اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"کیوں کیا بات ہے۔" دونوں کی زبانوں سے بیک وقت نکلا۔

"پانچ ہیں۔" باورچن ہانپتی ہوئی بولی۔ "صاحب کو مارا ہے۔ دروازہ بند کر لیا۔ اب سارا سامان توڑے پھینکے دے رہے ہیں۔"

وہ تینوں تیزی سے زینوں کی طرف جھپٹے۔

ڈائننگ ہال سے فرنیچر ٹوٹنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کرسیاں اور میزیں اٹھا اٹھا کر پٹخی جا رہی ہوں۔

ہال میں پہنچ کر گریٹا کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی۔ تین آدمی فرنیچر اور کراکری توڑ رہے تھے ایک نے شارٹی کے دونوں ہاتھ پکڑ رکھے تھے اور دوسرا اُس کے گالوں پر تھپڑ مار رہا تھا۔ ویٹر ایک گوشے میں سہما کھڑا تھا اور باورچنیں حلق پھاڑ رہی تھیں۔

"اے....!" ساگر نے گریٹا کا شانہ دبا کر کہا۔ "تم ویٹر سے کہو کہ وہ صدر دروازے پر جم جائے۔ میں ان میں سے کسی کو بھی باہر نہیں جانے دوں گا۔"

"آ.... ہا....!" فرنیچر توڑنے والوں میں سے ایک ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ "یہ رہا سرے والا۔"

دوسرے ہی لمحے میں ساگر ہال کے وسط میں تھا اور وہ پانچوں اُس پر ٹوٹ پڑے تھے گریٹا دوڑ کر شارٹی کے پاس پہنچی جو اپنی جگہ پر کھڑا کانپ رہا تھا اور انہیں گالیاں دے رہا تھا۔

"فون پاپا.... فون۔" گریٹا اُسے جھنجھوڑ کر بولی۔

"حرامیوں نے تار پہلے ہی کاٹ دیئے تھے۔" شارٹی نے سسکی لے کر کہا۔

"پھر.... پھر....!" گریٹا بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "یہ تو اُسے مار ڈالیں گے۔"

"جہنم میں جائے۔" شارٹی دانت پیس کر بولا۔ "اسی کی بدولت یہ مصیبت نازل ہوئی ہے۔"

مگر وہ پانچوں بھی اُسے جہنم میں نہ بھیج سکے۔ بلکہ انہیں تو خود اپنی عافیت خطرے میں نظر آ رہی تھی کیونکہ سرے والا تو سخت چمڑے اور فولادی ہڈیوں والا ثابت ہو رہا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس قسم کی بے ہنگم لڑائیوں کے اصولوں سے بھی واقف معلوم ہوتا تھا۔ اتنی ہی سی دیر میں اُس نے دو آدمیوں کو قطعی بیکار کر دیا اور اب اُن تینوں کے جبڑے بھی سہلا رہا تھا۔

گریٹا حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس ہنگامے کو دیکھتی رہی۔ وہ یہ بھی محسوس کر رہی تھی کہ صدر دروازے کے لئے بھی دیوار بن کر رہ گیا ہے۔ ایک آدمی کئی بار کوشش کر چکا تھا کہ نکل لیکن اُس نے اُسے ایسا نہ کرنے دیا۔

وہ تینوں بے حد شور مچا رہے تھے مگر ساگر کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔

"پاپا.... میں کہتی ہوں۔"

"کچھ مت کہو۔ اگر ہم نے ذرہ برابر بھی مداخلت کی تو ہم کہیں کے نہ ہوں گے۔ خاموشی سے دیکھتی رہو۔"

"میں تو اوپر جا کر شور مچاؤں گی۔"

"میں تمہیں گولی مار دوں گا۔" شارٹی نے آنکھیں نکالیں۔

گریٹا مضطربانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ساگر کی کس طرح کرے.... لیکن.... لیکن اُسے کسی کی مدد کی ضرورت ہی کیا تھی۔ گریٹا کے دیکھتے دیکھتے ایک آدمی اور ڈھیر ہو گیا۔ اب صرف دو ہی رہ گئے تھے اور اُن کی کوشش یہی تھی کہ نکلیں لیکن ساگر سے چھٹکارا مشکل ہی معلوم ہو رہا تھا۔

"یہ تو بھوت معلوم ہوتا ہے۔" شارٹی نے بھرائی ہوئی سی آواز میں کہا۔ "مگر اب کیا ہوگا۔ یہ لوگ یہاں بے ہوش پائے گئے.... ارے کہیں کوئی مر نہ گیا ہو؟"

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر اکڑوں بیٹھ گیا۔

دونوں آدمی اب شرابیوں کی طرح لڑکھڑا رہے تھے۔ اُن کی ناکوں اور منہ سے خون جاری اور آنکھیں انگارے معلوم ہو رہی تھیں۔

یک بیک ساگر نے دونوں کی گردنیں دبوچ کر سر ٹکرائے اور وہ بھی بے ہوش ہو کر گر گئے۔

وہ شارٹی اور گریٹا کی طرف متوجہ ہوا۔ گریٹا اُس سے پوچھنے لگی کہ کہیں چوٹ تو نہیں آئی لیکن وہ اُس کی بات کا جواب دیئے بغیر شارٹی کی طرف جھپٹا اور اُسے گود میں اٹھا کر باورچی خانے میں جا گھسا.... پھر گریٹا نے شارٹی کی چیخیں سنیں۔ "ارے بچاؤ.... بچاؤ.... یہ پپ.... پاگل ہے.... بچاؤ۔"

گریٹا باورچی خانے کی طرف جھپٹی لیکن یہاں کا منظر بھی کم متحیر کن نہیں تھا۔ ساگر نے شارٹی کے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے اور اب شوربے کی دیگچیاں اُس پر الٹ رہا تھا۔

"ارے.... ارے....!" گریٹا چیخی۔

"بھاگ جاؤ۔" وہ اُسے بھی مارنے دوڑا۔ دونوں باورچنوں کی چوٹیاں کھینچیں اور کچن کا عقبی
دروازہ کھول کر گلی میں بھاگ گیا۔

شارٹی اپنی آنکھیں ملتا اور چیختا ہوا شوربے میں لوٹ رہا تھا۔

خوفناک آدمی

ٹیوی اپنے آفس میں تنہا بیٹھا پیشنس کھیل رہا تھا۔ آفس میں آج تک کسی نے بھی اُسے ایسی حالت میں نہیں دیکھا تھا جب اُس کی میز پر تاش کے پتے موجود نہ رہے ہوں۔

وہ اپنی لاپروائی اور سرد مہری کے لئے دور دور تک مشہور تھا۔ لیکن اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے سطح سے گر جانا بھی اُس کے لئے کوئی بڑی بات نہ تھی۔ یہی چیز اُسے اپنے ٹائپ کے لوگوں سے کچھ مختلف بنا کر پیش کرتی تھی۔ ورنہ ایسے لوگ تو چٹان ہوتے ہیں۔ اُن کے اپنی جگہ سے ہلنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔

کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ تنہائی میں پیشنس نہیں کھیلتا بلکہ تاش کے پتوں کے سہارے بڑی بڑی اسکیمیں مرتب کیا کرتا ہے۔ ویسے اس خیال میں کسی حد تک شاید صداقت بھی تھی کیونکہ پیشنس کھیلتے وقت اگر کوئی اس مشغلے میں حارج ہوتا تھا تو ٹیوی کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار ضرور دکھائی دیتے تھے۔

اس وقت بھی جیسے ہی کسی نے باہر سے گھنٹی بجائی وہ بھوکے شیر کی طرح غرانے لگا اور پھر غراہٹ ہی سے ملتے جلتے لہجے میں گھنٹی بجانے والے کو اندر آنے کی اجازت دی۔

"اوہ....!" وہ یک بیک اچھل پڑا اور اُس کی آنکھیں متحیرانہ انداز میں پھیل کر رہ گئیں۔ کیونکہ شارٹی عجیب حلئے میں اُس کے سامنے کھڑا تھا۔

اُس کے جسم پر چیتھڑے جھول رہے تھے اور وہ شوربے میں نہایا ہوا تھا۔

"کیوں.... کیا بات ہے؟" ٹیوی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"میں ایک بند گاڑی میں یہاں تک آیا ہوں تاکہ آپ کو اپنی حالت دکھا سکوں۔ آپ کو یقین آجائے کہ میں آپ کا کتنا فرمانبردار ہوں مسٹر ٹیوی۔"

"کیا ہوا کیا بات ہے؟"

"سرمہ فروش کو آپ نے میرے سپرد کیا تھا۔ آج بوشن کے پانچ آدمی میرے ہوٹل میں

آئے۔ گاہکوں کو باہر نکال دیا۔ پھر صدر دروازہ بند کر کے توڑ پھوڑ مچادی۔ مجھے خوب پیٹا۔ فون کے تار کاٹ دیئے۔ اتنے میں اُدھر سے ساگر آگیا اور اُس نے اُن پانچوں کی اچھی خاصی مرمت کر دی کسی کو بھی نہیں بھاگنے دیا۔ پانچوں کو مار مار کر وہیں گرادیا۔"

"نہیں.... جھوٹ....!"

"یقین کیجئے جناب.... آپ سے جھوٹ بول کر میں کہاں رہوں گا۔"

"اُس نے تنہا انہیں مارا تھا؟" ٹیوی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں جناب.... اور وہ پانچوں آدھے گھنٹے تک بے ہوش پڑے رہے تھے۔"

"کمال ہے.... اچھا پھر کیا ہوا....؟"

"اس کے بعد وہ دیوانہ مجھ پر ٹوٹ پڑا.... اور میں اپنی خستہ حالی سمیت آپ کے سامنے موجود ہوں۔ میرے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ مجھ پر شوربہ انڈیلا.... اور بھاگ گیا۔"

"بھاگ گیا....؟"

"ہاں.... جناب لیکن آپ کے آٹھ ہزار روپے محفوظ ہیں۔ میں نے اُن کا نقصان نہیں ہونے دیا۔"

"وہ کیسے؟" ٹیوی نے لاپرواہی سے پوچھا۔

"میں نے پھسلا کر گریٹا کے نام سے اکاؤنٹ کھلوادیا تھا۔"

"پھسلا کر....؟" ٹیوی نے قہقہہ لگایا۔ "تم گھاس تو نہیں کھا گئے شارٹی وہ بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"لفظ پھسلانا غلط استعمال کیا ہے میں نے۔" شارٹی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں نے دراصل اُسے ڈرایا تھا اس سلسلے میں مجھے تھوڑا سا جھوٹ بھی بولنا پڑا تھا۔ مقصد یہی تھا کہ میں آپ کی وہ رقم ضائع نہ ہونے دوں۔ آپ کچھ اور نہ سمجھئے گا۔ میں نے اُس سے کہا تھا کہ آپ اُس سے وہ رقم کسی نہ کسی طرح وصول کرلیں گے۔ اس لئے وہ اکاؤنٹ بھی اپنے نام سے نہ کھولے۔"

ٹیوی چند لمحے سر جھکائے کچھ سوچتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "اب اُسے تلاش کرو۔ اگر تم مجھے اُس کا صحیح پتہ بتا سکے تو میں تم سے وہ آٹھ ہزار واپس نہیں لوں گا۔ وہ گریٹا ہی کے ہوں گے۔"

"اوہ.... جناب آپ کتنے اچھے ہیں۔" شارٹی کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ہاں.... اُن پانچوں کا کیا ہوا؟"

"میں نے انہیں پولیس کے حوالے کر دیا ہے اور اپنی رپورٹ درج کرادی ہے۔ لیکن اب

بوشن مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"تم گدھے ہو۔ بوشن کبھی اعتراف نہ کرے گا کہ وہ اُس کے آدمی تھے۔ ویسے میں تم لوگوں کی حفاظت کے لئے کچھ آدمی مقرر کردوں گا۔ لیکن اُسے ضرور تلاش کرو۔ یہ کام گریٹا بخوبی انجام دے سکے گی.... کیوں؟"

"جی ہاں.... جی ہاں.... میں اُسے مجبور کروں گا۔ بھلا وہ آپ ہی کا کام نہ کرے گی جناب۔"

"بس جاؤ۔" ٹیوی نے کہا اور پھر پتے پھینٹنے لگا۔

❁

گریٹا نے محسوس کیا کہ وہ ساگر کے لئے بے چینی محسوس کررہی ہے۔ وہ اُس کے لئے عجیب وغریب آدمی ثابت ہوا تھا بلکہ بعض اوقات تو وہ یہ بھی سوچنے لگتی تھی کہ کہیں وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق تو نہیں تھا۔ آخر اُس نے بعد میں شارٹی پر کیوں حملہ کردیا تھا؟ اور وہ حملہ اتنا عجیب کیوں تھا؟ اُس نے اُسے مارا پیٹا کیوں نہیں تھا؟ صرف کپڑے پھاڑے اور شوربے سے نہلا دینے کا کیا مطلب ہوسکتا تھا؟

اور شارٹی کی بعض حرکتیں تو اُس کے لئے یوں بھی متنفر کن ہوا کرتی تھیں۔ مثال کے طور پر یہی ڈبل رول۔ ایک طرف اُس نے آٹھ ہزار ہتھیانے کی کوشش کی تھی اور پھر بعد میں ٹیوی کے پاس بھی یہ بتانے کے لئے دوڑا گیا تھا کہ وہ روپے اُس نے اُسی کے حق میں محفوظ کئے ہیں۔

آخر ساگر کس قسم کا آدمی تھا۔ زبان کے ساتھ ہی اُس کے ہاتھ بھی چلنا جانتے تھے۔ بوشن کے بدمعاشوں سے تنہا نپٹ لینا آسان کام نہیں تھا۔ وہ سوچتی رہی اور متحیر ہوتی رہی۔ شارٹی نے اُسے اپنی اور ٹیوی کی ملاقات کے متعلق بھی بتایا تھا لیکن وہ سوچ رہی تھی کہ اسے تلاش کہاں کرے گی۔ کیا وہ ایسا ہی احمق ہے کہ بوشن سے بگاڑ کرنے کے بعد روستمبا کی سڑکوں پر مارا مارا پھرے گا۔ پھر بھی اُس نے ارادہ کیا کہ وہ شام کو اُس کی تلاش میں ضرور نکلے گی۔ ہوسکتا ہے کسی تفریح گاہ ہی میں نظر آجائے۔ مگر شام کو جب وہ لباس تبدیل کرکے باہر جانے کے لئے تیار تھی اُسے ڈائننگ ہال ہی میں رک جانا پڑا۔ کیونکہ اُسے وہاں وہی خوفناک شکل والا آدمی نظر آیا تھا جسے پچھلے دن اُس نے ساگر کو اشارے کرتے دیکھا تھا۔ وہ بڑے وحشیانہ انداز میں اسٹیک کھا رہا تھا۔

وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ آج سے پہلے وہ اس ہوٹل میں کبھی نہیں دکھائی دیا تھا۔

شارٹی حسب معمول کاؤنٹر کے پیچھے کھاتے پر جھکا ہوا دن بھر کے اخراجات لکھ رہا تھا۔ گریٹا کاؤنٹر کے پیچھے چلی گئی۔

"کیوں....؟" شارٹی نے سر اٹھا کر کہا۔

"میں اُس کی تلاش میں جانے کا ارادہ کررہی ہوں۔"

"تو جاؤنا۔" شارٹی نے کہا اور پھر رجسٹر کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"ہاں.... جاؤں گی.... آج یہاں ایک نیا گاہک نظر آرہا ہے۔"

"آتے ہی جاتے رہتے ہیں۔" شارٹی نے لاپروائی سے کہا۔ پھر چونک کر بولا۔ "کون.... ہاں؟" وہ گردن اٹھا کر میزوں پر نظر دوڑانے لگا۔

"اوہ.... یہ کون ہے؟" اُس نے مڑ کر خوفزدہ آواز میں گریٹا سے کہا اور تھوک نگل کر رہ گیا۔

"پتہ نہیں کتنا ڈراؤنا آدمی ہے۔"

"ارے تو تم کیوں کھڑی ہو یہاں.... جاؤ....!"

"چلی جاؤں گی۔ کون سی آفت آئی ہوئی ہے۔" گریٹا نے کہا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں یہ آدمی ساگر ہی کی تلاش میں یہاں نہ آیا ہو لیکن اُس نے شارٹی کو اُس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔

خوفناک صورت والا آدمی سر جھکائے ہوئے اسٹیک کھانے میں مشغول تھا۔ یک بیک اُس نے کسی وحشی درندے کی طرح گردن اونچی کی.... اور گردوپیش کا جائزہ لینے لگا۔

غالباً اسٹیک ختم ہوچکے تھے۔ گریٹا نے اُسے اٹھتے دیکھا.... وہ بڑی تیزی سے کاؤنٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ گریٹا سہم گئی اور شارٹی بھی ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

وہ کاؤنٹر پر دونوں کہنیاں ٹیک کر جھکا اور شارٹی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ اجنبی کی آنکھوں میں اُسے خون کی پیاس نظر آئی تھی۔

گریٹا کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔

"مجھے مسٹر ساگر کی تلاش ہے؟" اجنبی سانپ کی طرح پھپکارا۔

کئی سیکنڈ تک انہیں کوئی جواب نہ سوجھا۔ اجنبی براہِ راست شارٹی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"وہ مجھے مار پیٹ کر بھاگ گیا۔" شارٹی نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اوہ.... خدا کی پناہ۔" اجنبی نے نرم لہجے میں کہا۔ "وہ کہاں ملے گا؟"

"آپ اُسے کیا جانیں۔" گریٹا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"اوہ.... وہ میرے بھائی کو پھسلا کر بھگا لایا ہے۔" اجنبی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کون بھائی.... وہی پہلوان....؟"

"ہاں.... وہی.... وہ کہاں ہے؟"

"وہ تو ٹیویز کی فرم میں پہنچ گیا۔" شارٹی نے کہا۔ "کیا تم اخبار نہیں دیکھتے؟"

"نہیں! مگر وہ وہاں کیسے پہنچا۔"

شارٹی نے اُسے بوشن کے جھگڑے کے متعلق بتایا۔ اجنبی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر غصیلے لہجے میں بولا۔ "میں اُس ساگر کے بچے کی گردن توڑ دوں گا اور ٹیویز کے خلاف مقدمہ دائر کروں گا۔ میرا بھائی بیوقوف آدمی ہے۔ موٹی عقل والا۔"

"مگر اُس نے ساگر سے ایک سال کا معاہدہ کیا تھا۔" شارٹی نے کہا۔

"سب بکواس ہے۔"

"ارے اُس نے اُس معاہدے کی قیمت آٹھ ہزار روپے مسٹر ٹیوی سے وصول کی ہے۔"

"تب پھر یہ مسٹر ٹیوی کوئی پرلے سرے کا گدھا معلوم ہوتا ہے۔"

"کیوں....؟"

"میں اپنے بھائی کو واپس لے جاؤں گا اور وہ اپنی رقم کو روئے گا۔"

"ساگر اپنا سامان یہیں چھوڑ گیا ہے۔" شارٹی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کیوں بے تکی بات کرتے ہو پاپا۔" گریٹا جھلا گئی۔ "وہ کیسا ہی آدمی کیوں نہ ہو۔ اُس کے سامان کی حفاظت کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔"

"اے لڑکی تم شور کیوں مچاتی ہو۔" اجنبی نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "کیا میں اُس کا سامان اٹھائے لیے جارہا ہوں۔"

"نہیں نہیں.... مسٹر.... کوئی بات نہیں۔" شارٹی بوکھلا کر بولا.... یہ ناسمجھ ہے۔ جاؤ گریٹا تم اپنا کام دیکھو۔"

"میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

"کیوں....؟" شارٹی کو غصہ آگیا۔

"میری مرضی۔"

شارٹی دانت پیسنے لگا اور اجنبی مسکرا کر بولا۔ "ناسمجھ ہے نا۔ میری لڑکی ہوتی تو قیمہ کر کے رکھ دیتا۔"

گریٹا کا دل چاہا کہ اُس کے سر پر اسٹول دے مارے۔

"چلی جاؤ.... جاؤ یہاں سے۔" شارٹی مٹھیاں بھینچ کر بولا۔

مگر گریٹا اسٹول کھینچ کر نہایت اطمینان سے بیٹھ گئی۔ اجنبی مسکرا رہا تھا۔ لیکن شارٹی سیخ پا

نا جارہا تھا۔ دفعتاً اجنبی نے اُس سے کہا۔

"میں تم سے کیا بات کروں۔ میں کیا کرسکتا ہوں میں تو بڑی مصیبتوں میں پھنس گیا ہوں۔ ٹیوی نے ساگر کو میرے سپرد کیا تھا۔ بوشن میرا دشمن ہوگیا۔ اب تمہارے تیور بھی یہی کہہ ہیں کہ تم بھی کسی نیک ارادے سے نہیں آئے۔"

"مجھے غلط نہ سمجھو۔" اجنبی نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن میں اپنے بھائی کو پیشہ ور پہلوانوں کی ح زندگی بسر کرتے نہیں دیکھ سکتا اور نہ مجھے یہی پسند ہے کہ وہ سرمہ یا منجن بیچتا پھرے۔"

"مگر اب کیا ہوسکتا ہے۔" شارٹی نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ "مسٹر ٹیوی بہت بڑے آدمی ۔ پولیس کمشنر سے اُن کی دوستی ہے اور جسٹس بوڈائی اُن کا بڑا خیال کرتے ہیں۔"

"مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ اگر مجھ سے کوئی الجھا تو روستمبا م کا نمونہ بن کر رہ جائے گا۔"

"اسی لئے ایک سرمہ فروش تمہارے بھائی کو نچاتا پھر رہا تھا۔" گریٹا جل کر بولی۔

"تمہاری لڑکی مجھے غصہ دلانے کی کوشش کررہی ہے۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں....!" گریٹا بھی مسکرائی۔ "میں نہیں چاہتی کہ روستمبا جہنم کا نمونہ بن جائے اس لئے میں چاہتی ہوں کہ تم اپنے بھائی کا خیال دل سے نکال دو۔ ٹیوی اُسے اس سیزن میں ضرور ائے گا۔ کیونکہ اُس پر کافی روپیہ خرچ کرچکا ہے۔"

"میں اُس کا سارا روپیہ واپس کرسکتا ہوں۔"

"کیا میں مسٹر ٹیوی سے فون پر گفتگو کروں؟"

"نہیں.... میں خود ہی سمجھ لوں گا اُس سے۔ فی الحال مجھے ساگر کا پتہ بتاؤ۔"

"میں کیا جانوں۔"

"تم ضرور جانتی ہوگی۔" اجنبی نے گریٹا سے کہا۔

"فرض کرو جانتی ہوں پھر؟ میرا خیال ہے کہ میں تمہیں تو ہرگز نہ بتاؤں گی۔"

اجنبی شارٹی کی طرف مڑا اور آہستہ سے بولا۔ "کیا تم نے اپنی لڑکی کو صرف نفرت کرنا سکھایا ہے؟"

"میں بُرے آدمیوں سے نفرت کرنے پر مجبور ہوں۔" گریٹا بولی۔

"تب پھر تمہیں اپنے باپ سے بھی یقینی طور پر نفرت ہوگی۔"

"کیوں مجھ سے کیوں؟ تم بڑے واہیات آدمی معلوم ہوتے ہو۔" شارٹی غصیلے لہجے میں بولا۔

"وہ آٹھ ہزار کیا ہوئے جو ساگر نے ٹیوی سے وصول کیے تھے۔"

"تت..... تم سے..... مطلب.....؟" شارٹی ہکلایا اور اجنبی ہنسنے لگا۔

"کچھ دیر کے لئے وہ خاموش ہو گئے اور پھر شارٹی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اگر تم ٹیوی سے الجھنا چاہتے ہو تو بلنگرز کی ملازمت کر لو۔"

"ہونہہ!" اجنبی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "بلنگر اور ٹیوی جیسے میری جیبوں میں پڑے رہتے ہیں۔"

یک بیک شارٹی بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی نظریں صدر دروازے کی طرف تھیں۔ گریٹا بھی اُدھر متوجہ ہو گئی اور پھر اُس کا حلق خشک ہونے لگا۔ کیونکہ صدر دروازے میں اُسے بوشن نظر آیا تھا۔ جیسے ہی وہ صدر دروازے سے آگے بڑھا۔ گاہک بھی ایک ایک کر کے کھسکنے لگے۔ سبھی جانتے تھے کہ بوشن کے وہاں نظر آنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بوشن والے معاملے کی پبلسٹی اخبارات کے ذریعہ ہوئی تھی اور اس سلسلے میں شارٹی کے ہوٹل نے بھی خاصی شہرت حاصل کی تھی۔

بہر حال شارٹی بوشن کو وہاں دیکھ کر اس طرح بوکھلا گیا تھا کہ اُسے اُن گاہکوں کی بھی فکر نہیں رہ گئی تھی جو دام ادا کیے بغیر ہی کھسکے جا رہے تھے۔

بوشن ہال کے وسط میں رک گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہال خالی ہو گیا۔ اب بوشن پھر صدر دروازے کی طرف بڑھا اور اُسے بند کر کے بولٹ کر دیا۔ اجنبی کاؤنٹر سے ٹکا کھڑا اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔

"جاؤ..... تم بھی جاؤ۔" شارٹی نے ہذیانی انداز میں کہا۔ "ورنہ یہ تمہاری ہڈیاں توڑ ڈالے گا اور ہم تو مار کھانے کے لئے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ خدا کو مجھے آدمی بناتے ہوئے شرم بھی نہیں آئی تھی۔ یہی جثہ دینا تھا تو مچھر کیوں نہیں بنایا۔"

"پرواہ مت کرو۔" اجنبی نے کہا۔ "تم جیسوں کی حفاظت کے لئے اُس نے ہمیں بنایا ہے۔"

"ارے تم ہی کیا کر لو گے..... اور گریٹا کی بچی تم اوپر جاؤ۔"

"تم..... تم دونوں یہیں ٹھہرو۔" اجنبی نے آہستہ سے کہا۔ بوشن اب کاؤنٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر وہ کاؤنٹر سے دو گز کے فاصلے پر رک گیا۔ گریٹا کی طرف دیکھ کر بائیں آنکھ دبائی شارٹی کو دیکھ کر مسکرایا..... اور اجنبی سے بولا۔ "تم یہاں کیوں کھڑے ہو..... دفع ہو جاؤ۔"

اجنبی جو نیچے سے اوپر تک اُس کا جائزہ لے رہا تھا شارٹی سے بولا۔ "یہ بھی چلے گا..... پہلوان ہی معلوم ہوتا ہے۔"

پھر بوشن سے مسکرا کر کہا۔ "مجھے بھی ایک پہلوان کی ضرورت ہے۔ میں منجن بیچتا ہوں۔"

بوشن نے حلق پھاڑ کر اُسے گندی سی گالی دی اور ٹوٹ پڑا۔ گریٹا چیخنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ اب پھر فرنیچر ٹوٹے گا اور کچھ تعجب نہیں کہ خود اُس کی بھی شامت آجائے کیونکہ بوشن بھوکا بھیڑیا ہو رہا تھا۔ لیکن اُس نے دیکھا کہ اجنبی نے بوشن کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے ہیں اور بوشن ہاتھ چھڑا لینے کے لئے انتہائی زور صرف کر رہا ہے۔

آخر اُس نے لات چلائی اور اجنبی بڑی پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا۔ بوشن کے ہاتھ چھوٹ گئے۔ اب وہ کسی لڑاکے مرغ کی طرح جھک کر حملہ کرنے کی گھات میں تھا۔ اجنبی اُس کی ہیئت کذائی پر ہنس پڑا..... اور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ٹھہرو..... ایک بات ہے پہلوان..... اگر تم مجھے ایک ہاتھ بھی مار سکے تو میں اپنے کان پکڑ کر مرغا بن جاؤں گا اور پھر کبھی روستما میں نہ دکھائی دوں گا لیکن اگر نہ مار سکے تو.....!"

بوشن نے جھپٹ کر حملہ کر ہی دیا۔

پُراسرار ہمدرد

لیکن اس حملے کا نتیجہ دیکھ کر گریٹا کی باچھیں کھل گئیں۔ کیونکہ بوشن اپنے ہی زور میں ایک میز پر ڈھیر ہو گیا تھا اور اجنبی ایک طرف کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"اس حرامی کے ستارے ہی گردش میں ہیں۔" شارٹی مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔ "جسے دیکھو پِٹ رہا ہے۔"

بوشن دہاڑتا ہوا اٹھا۔ اُس کے چہرے پر شوربے کے دھبے نظر آ رہے تھے اور کپڑے بھی داغدار ہو گئے تھے۔ اُس نے پھر حملہ کیا۔ لیکن اس بار بھی وار خالی گیا۔ اجنبی کسی پھرتیلے چیتے کی طرح جست و خیز کر رہا تھا۔ بوشن نے اب طے کیا تھا کہ پے در پے حملوں سے اُسے بوکھلا دے۔ مگر اجنبی اُسے سارے ہال میں نچاتا پھر رہا تھا۔ دس پندرہ منٹ اسی طرح گذر گئے۔ اس دوران میں کسی نے دروازہ بھی نہیں کھٹکھٹایا۔ ویسے گریٹا کو یقین تھا کہ باہر بھیڑ ضرور لگ گئی ہوگی۔ کیونکہ یہاں سے اٹھنے والے وہ گاہک جو نادہندہ نہ ہوں گے باہر ہی ٹھہر گئے ہوں گے اور انہوں نے دوسروں کو بھی بتایا ہوگا کہ بوشن نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد بوشن دیوار سے لگا کھڑا ہانپ رہا تھا اور اجنبی تھوڑی ہی فاصلے پر کھڑا کہہ رہا

تھا۔"ہاں ہاں دم لے لو.... اگر تم چاہو تو میں رات بھر تم سے ورزش کرا سکتا ہوں۔ بھاگ دوڑ سے ہاتھ پیروں میں جان آتی ہے۔"

بوشن نے دانت پیس کر پھر اُس پر چھلانگ لگائی۔ اس پر اجنبی نے نہ صرف خود کو بچایا بلکہ بوشن کے جبڑے پر ایک ہاتھ بھی جھاڑ دیا۔ بوشن لڑکھڑاتا ہوا کاؤنٹر سے آٹکا اور اجنبی ہاتھ اٹھا کر بولا۔"اگر تم راہِ راست پر آجاؤ تو یہ کہانی اس چہار دیواری سے باہر نہ جانے پائے گی۔"

بوشن کے ہونٹ سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ کھڑا ہانپتا رہا۔ شاید اُس کو ہاتھ ہی سے اندازہ ہوگیا تھا کہ اجنبی سے بھڑنا موت ہی کو دعوت دینا ہوگا۔ اُس نے ابھی تک اُسے صرف یہی ایک ہاتھ مارا تھا اور خود اُسکے دل میں تو حسرت ہی رہ گئی تھی کہ کوئی چھچھلتا ہی ہوا سا ہاتھ اجنبی پر پڑ گیا ہوتا۔

"کمزور آدمیوں پر ظلم کرنا اچھی بات نہیں ہے۔" اجنبی نے کہا۔"مجھے حیرت ہے کہ تم اتنے اچھے پہلوان ہو کر شارٹی جیسے کمزور آدمیوں پر کیوں ٹوٹ پڑتے ہو۔"

"یہ انتہائی سور آدمی ہے۔ تم اسے نہیں جانتے۔ سازشی کتا۔" بوشن ہانپتا ہوا دہاڑا۔

"ٹھیک ہے.... مگر اس پر ہاتھ اٹھانا تمہارے شایانِ شان نہیں ہے اور یہ بے چاری لڑکی، اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ تم اس کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ تم ایک اچھی چیز کو برباد کرنے پر کیوں تلے ہو جب کہ اعلیٰ درجہ کی برباد چیزوں سے بازار بھرا پڑا ہے۔ یہ کتنی بُری بات ہے بوشن۔ کسی پہلوان کو ایسا نہ کرنا چاہئے۔ تم پہلوانی کی تقدیس پر گندگی اچھال رہے ہو۔"

بوشن نے سر جھکا لیا۔ پتہ نہیں کیوں۔ وہ اُس سے آنکھیں نہیں ملا رہا تھا۔

دفعتاً اجنبی نے گریٹا اور شارٹی کی طرف مڑ کر کہا۔"تم لوگ اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کرو گے۔"

"نہیں نہیں۔ ہرگز نہیں۔" دونوں نے بیک وقت کہا۔

گریٹا کی عجیب حالت تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اجنبی کے قدموں پر سجدے کرے یا اُس کے گرد ناچنا شروع کردے۔

"میری خواہش ہے کہ تم دونوں صلح کرلو۔" اجنبی نے کہا اور شارٹی کاؤنٹر کو پھلانگتا ہوا سامنے آگیا۔ اُس کا ہاتھ مصافحے کے لئے بوشن کی طرف بڑھا ہوا تھا۔ بوشن نے بُرا سا منہ بنائے ہوئے اُس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور اجنبی سے بولا۔"تم روستمبا کے تو نہیں معلوم ہوتے۔"

"ہاں.... میں پردیسی ہوں.... اور کچھ نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میری عدم موجودگی میں شارٹی میرے متعلق کچھ بتا سکے۔ اچھا شب بخیر.... نئے ایک پہلوان پر اعتماد کرنا ہی چاہئے کہ اپنی بات سے نہیں ہٹے گا۔"

"ٹھہرو.... دوست....!" بوشن ہاتھ اٹھا کر بولا۔"تم مجھے بہت مشاق لڑاکے معلوم ہوتے ہو۔ تمہارے مقابلے میں میری مشق کچھ بھی نہیں ہے۔"

"میں پہلوانوں کو ٹریننگ دیتا ہوں۔ جس پہلوان سے تمہارا جھگڑا ہوا تھا وہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔"

"اوہ....!" بوشن کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"میں نے اُس پر بڑی محنت کی ہے۔" اجنبی نے کہا۔"لیکن اُسے ایک چالاک دوا فروش بہکا نکال لایا۔ مگر بوشن دیکھو۔ وہ بھی تم سے اسی بات پر الجھا تھا کہ....!"

"ہاں.... ہاں.... مگر اب وہ بہت بُرے ہاتھوں میں پہنچ گیا ہے۔"

"مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں۔ میں نے سنا ہے کہ دوا فروش نے اُس سے اس کے لئے ٹھ ہزار روپے وصول کئے ہیں۔"

"ٹیوی کسی صورت سے بھی اُسے نہیں چھوڑے گا۔" بوشن نے کہا۔

"اور تم اُس سے مقابلہ کرو گے؟"

"مجبوری ہے۔ میں چیلنج کرچکا ہوں ہزاروں آدمیوں کی موجودگی میں اُس نے میری توہین کی تھی.... اور اسی لئے ٹیوی اُسے جھپٹ لے گیا۔"

"تم اُس سے جیت نہیں سکو گے۔"

"اب کچھ بھی ہو۔"

"خیر میں کوئی ایسی صورت نکالوں گا کہ تمہاری مزید توہین نہ ہوسکے۔"

شارٹی اور گریٹا کھڑے پلکیں جھپکاتے رہے۔

اجنبی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔"اچھا اب میں چلا۔ بوشن اگر تم چاہو تو کل دوپہر کو مجھ سے یہیں مل سکتے ہو۔"

بوشن کچھ نہ بولا۔ وہ جیب سے رومال نکال کر اپنا چہرہ صاف کرنے لگا تھا۔ اجنبی ہاتھ ہلاتا ہوا صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن پھر پلٹ آیا کیونکہ اُس نے بل نہیں ادا کیا تھا۔

❋

ٹیوی حسب معمول تاش کے پتے ترتیب دے رہا تھا لیکن اس وقت وہ تنہا نہیں تھا۔ ایک قبول صورت عورت بھی اُس کے شانوں پر کہنیاں ٹیکے جھکی ہوئی پتوں کا جائزہ لے رہی تھی۔

"کاش کبھی تم اس یکسانیت سے اکتا سکو۔" عورت نے کہا۔

"چالیس سال سے میری شکل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی لیکن مجھے یہ یکسانیت بہت پسند

ہے.... کیوں....؟"

"تم فلسفہ شروع کر دیتے ہو۔"

"نہیں.... یکسانیت سے اکتا کر آدمی جائے گا کہاں۔ ہاں اگر وہ اپنی کھال چھوڑ کر بھاگ سکے یا اپنی ہڈیوں کے پنجرے سے نکل سکے تو میں یہ کہوں گا کہ وہ یکسانیت سے نجات پا سکا ہے۔"

"ٹیوی.... تم پتہ نہیں کیسے آدمی ہو۔ اٹھو باہر چلیں۔" عورت نے ٹھنک کر کہا۔

"باہر اس سے بھی زیادہ یکسانیت ملے گی اور تم یکسانیتوں کے ہجوم میں پاگل ہو کر رہ جاؤ گی۔"

"نہیں اٹھو۔"

اچانک فون کی گھنٹی بجی اور ٹیوی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو....!"

"ٹیوی.... دوست....!" دوسری طرف سے آواز آئی اور ٹیوی کی بھنوئیں تن گئیں۔

"تمہارا نیا پہلوان ہاتھ سے جانے والا ہے۔" پھر آواز آئی۔ "اُس کا بھائی اُس کی تلاش میں ہے اور وہ خود بھی ایک ماہر فن آدمی ہے۔ لاجواب ٹریزر.... اُس نے پچھلی رات بوشن کو ایک اچھا سبق دیا ہے اور بوشن اُس سے بہت مرعوب ہو گیا ہے۔"

"پھر وہ میرا کیا بگاڑ لے گا۔"

"اُس کا کہنا ہے کہ دوا فروش اُس کے بھائی کو بہکا کر نکال لایا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں قانونی چارہ جوئی کرے۔"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ میں ہر قیمت پر اُسے بوشن سے لڑاؤں گا۔ کیا میں اُس کا منہ نہیں بند کر سکتا؟"

"مشکل ہے ٹیوی۔ وہ عجیب قسم کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"پھر میں کیا کروں؟" ٹیوی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "تم نے ہمیشہ مشکلات میں میری، کی ہے۔"

"ہاں! دیکھو میں سوچ رہا ہوں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا کیونکہ میں بھی اس مقابلے کے لئے بہت بے چین ہوں۔"

"تو پھر میں مطمئن رہوں؟"

"بالکل! تم ہمیشہ کی طرح اب بھی مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور ٹیوی نے ریسیور رکھتے ہوئے طویل سانس لی۔

"کیا بات ہوئی؟" عورت نے پوچھا۔

"اب داور کا کوئی بھائی بھی نکل آیا ہے۔"

"تم گفتگو کس سے کر رہے تھے؟"

"وہی جواب میرے لئے مستقل درد سر بن گیا ہے۔"

"اوہ.... کیا وہی نامعلوم آدمی؟"

"ہاں سونیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ چاہتا کیا ہے۔ ٹھیک اُسی دن سے وہ میرے پے لگا ہے جس دن میری فرم کا پہلا پہلوان بلنگر کے پہلوان کے مقابلے پر اترا تھا۔ بس وہ کہتا ہ کہ میں تمہارا بہی خواہ ہوں۔"

"اُس کی ذات سے تمہیں آج تک کوئی نقصان تو نہیں پہنچا؟"

"ہرگز نہیں سونیا۔ بس وہ میرے خلاف ہونے والی سازشوں سے مجھے باخبر رکھتا ہے۔ کتنی بار اُس نے مجھے بلنگر کے حملوں سے بچایا ہے۔ پچھلے سال تو میں ڈوب ہی گیا ہوتا۔ تمہیں تن ن اور پکھیرو کا مقابلہ تو یاد ہی ہوگا۔ پکھیرو میرا پہلوان تھا اور تن لین کو بلنگر نے کرائے پر حاصل ا تھا۔ تن لین بڑا اچھا ریسلر تھا۔ ادھر میرے پہلوان پکھیرو نے بھی اُن دنوں خاصی شہرت صل کی تھی۔ ایک رات اچانک مجھے اسی پُراسرار آدمی نے اطلاع دی کہ پکھیرو کی خواب گاہ میں دودھ کا جگ رکھا گیا ہے وہ زہر آلود ہے۔ پکھیرو سوتے وقت دودھ پینے کا عادی تھا.... بس وہ اب گاہ میں داخل ہو کر شب خوابی کا لباس پہن ہی رہا تھا کہ میں نے بڑے بھدے طریقے سے وازے پر دستک دی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اس دستک پر برافروختہ ہو کر خود ہی دوڑا آئے گا۔ نکہ دروازے کی چوکھٹ پر کال بل کا بٹن بھی موجود تھا۔ اس لئے ہاتھ سے دروازہ پیٹنے پر غصہ نفسیاتی چیز تھی۔ میرے خیال کے مطابق اُس نے خود ہی دروازہ کھولا لیکن مجھے دیکھ کر ٹھٹھک یا۔ وہاں اُس وقت میری موجودگی اُس کے لئے یقیناً باعث حیرت تھی۔ میں نے اُس سے وٹتے ہی پوچھا تھا کہ اُس نے دودھ تو نہیں پیا۔ اس پر وہ اور بھی بوکھلا گیا.... بہر حال وہ دودھ نتیجتاً زہر آلود ثابت ہوا تھا۔"

"مگر تم نے مجھ سے کبھی اس کا تذکرہ نہیں کیا؟" سونیا نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"ضروری نہیں سمجھا تھا۔ میں اس قسم کی بوریتیں اپنی ہی ذات تک محدود رکھنے کا عادی ں.... بہر حال اب یہ بلنگر کوئی نیا فتنہ کھڑا کرنے والا ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"اُس نے داور کا کوئی بھائی پیدا کیا ہے۔"

"تو اس سے کیا ہوگا؟"

"الجھنیں بڑھ سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر اُس کا بھائی کہتا پھر رہا ہے کہ سرمہ فروش داور کو نکال لایا تھا۔"

"تو اس سے کیا ہوگا۔ داور بچہ تو نہیں ہے۔ وہ اپنی خوشی سے تمہارے پاس آیا ہے۔"

"آٹھ ہزار صرف ہوئے ہیں۔"

"وہ مجھے کوئی خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ وہ میری نظروں ہی میں رہے۔"

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور ٹیوی نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.... ٹیوی....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اٹ از ٹیوی۔"

"دیکھو داور کے بھائی کا نام خاور ہے۔ ابھی ابھی بوشن اُسے شارٹی کے ہوٹل سے گوڈوین کارنر لے گیا ہے۔ غالباً اب وہ دونوں وہاں بلنگر کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں کہ وہ بلنگر کے قبضے میں نہ آنے پائے ورنہ تم بڑے خسارے میں رہو گے۔"

"پھر مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"سونیا تمہاری مدد کر سکتی ہے۔"

"اوہ.... تم تو سبھی کو جانتے ہو۔ دوست۔" ٹیوی نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

"مگر کیسے؟"

"وہ بلنگر پر سبقت لے جاسکتی ہے بلنگر سے اُس کی گفتگو ہو جانے کے بعد بھی وہ کام کر سکے گی۔ میں اُس کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہوں۔ اگر بلنگر کے پاس سونیا ہی جیسی کوئی دلکش محبوبہ ہوتی تو وہ تمہیں کبھی کا تباہ کر چکا ہوتا۔"

ٹیوی نے پہلے تو بُرا سا منہ بنایا پھر ہنس کر بولا۔ "اچھی بات ہے۔ خاور کا حلیہ کیا ہے؟"

"بڑی خوفناک شکل کا آدمی ہے، سونیا کو بس اتنا ہی بتادو وہ اُسے ہزاروں میں بھی پہچان لے گی۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

❁

گوڈوین کارنر میں بوشن اور خاور بلنگر کے منتظر تھے اور اُن دونوں میں روستمبا کے قدیم

پہلوانوں کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔

"کچھ بھی ہو مسٹر بوشن....!" خاور نے کہا۔ "روستمبا کے خاندانی پہلوانوں نے خود کو بہت گرادیا ہے۔ بھلا یہ بات کتنی مضحکہ خیز ہے کہ وہ لڑانے والی فرموں میں ملازمت کرتے پھریں۔"

"مجبوری ہے۔ پھر ہم کیا کریں۔ ان مقابلوں کی وجہ سے سال بھر روٹی تو نصیب ہوتی رہتی ہے۔ ورنہ پہلے تو ہمیں پیٹ پالنے کے لئے نہ جانے کیا کیا کرنا پڑتا تھا۔"

"مجھے بے حد افسوس ہے۔"

"اوہ.... مسٹر بلنگر آگئے۔" بوشن نے دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔ ایک لمبا تڑنگا یوریشین ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ اُس کے جبڑے بھاری تھے اور پیشانی تنگ تھی اور اُسے کوتاہ گردن ہی کہا جاسکتا تھا بس ایسا لگ رہا تھا جیسے چوڑے چکلے شانوں کے درمیان صرف سر رکھ دیا گیا ہو۔

جیسے ہی وہ قریب پہنچا یہ دونوں کھڑے ہو گئے۔ بلنگر بڑی توجہ اور دلچسپی سے خاور کا جائزہ لے رہا تھا۔

"بیٹھئے بیٹھئے۔" وہ سر ہلاتا ہوا مسکرایا۔ "مسٹر خاور یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ ایک ماہر فن ٹریز ہیں۔"

دونوں نے بالکل ایسے ہی انداز میں مصافحہ کیا تھا جیسے ایک دوسرے کی قوت کا اندازہ کرنا چاہتے ہوں۔

"گڈ!" بلنگر بیٹھتا ہوا بولا۔ "یہ ہاتھ خود ہی کہہ رہے ہیں کہ بوشن کا بیان مبالغے پر مبنی نہیں تھا۔"

"شکریہ۔" خاور نے لاپرواہی سے کہا۔

"مگر آپ داور کی طرح دیو نہیں ہیں۔"

"مجھے اُس کا جثہ پسند نہیں ہے۔" خاور نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کچھ بھی ہو لوگ اُسے دیکھ کر مرعوب تو ہو ہی جاتے ہیں۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ وہ اچھے ہاتھوں میں نہیں پڑا۔"

"میں اسے بھی پسند نہیں کرتا.... کہ اس فن کو ذریعہ معاش بنایا جائے۔ ہماری آبائی جائیداد ہماری کفالت بخوبی کر سکتی ہے۔ داور تھوڑا سا کریک ہے اس لئے بھٹکتا پھرتا ہے۔"

"اوہ.... تو پھر مجھے مایوس ہو جانا چاہئے۔" بلنگر نے کہا۔

"اب میں کیا بتاؤں؟"

"مگر داور کو تو اس معاملے میں حصہ لینا ہی پڑے گا۔"

"میں یہی سوچ رہا ہوں کہ ایسا نہ ہونے پائے۔"

"بہت مشکل ہے مسٹر خاور.... ٹیوی بہت ہی چالاک اور بیدار مغز آدمی ہے۔ آپ اُسے ایسا کرنے سے باز نہیں رکھ سکیں گے۔"

"کیوں.... کیا میں اُس کے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کر سکتا؟"

"ہر گز نہیں مسٹر خاور۔" بلنگر نے کہا۔ "یہ تو اب اُسی صورت میں ممکن ہو گا جب خود داور ہی اُسے چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لے۔ ویسے دیکھئے.... شاید وہ اُس کی ہمت بھی نہ کر سکے۔"

"کیوں....؟"

"قانون ہر حال میں ٹیوی کا ساتھ دے گا۔ وہ کوئی نہ کوئی نکتہ نکال کر اُسے باندھ ہی لے گا۔ پولیس کمشنر سے اُس کے گہرے مراسم ہیں اور مقامی منصف اُس کی عزت کرتا ہے۔"

خاور سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔

ایک خبر

سونیا نے خوفناک شکل والے آدمی کو ہوٹل سے نکلتے دیکھا اور بک سٹال سے ہٹ کر فٹ پاتھ کے سرے پر آگئی۔ بلنگر اور بوشن پہلے ہی جا چکے تھے۔ اُس نے اُن تینوں کو ایک ہی میز پر بیٹھے دیکھا تھا اور بلنگر کی نظروں سے بچنے کی کوشش کی تھی۔

وہ خاور کو دیکھ کر سچ مچ کانپ گئی تھی۔ کتنا خوفناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے سوچا کہ ممکن ہے وہ خونی بھی ہو۔ پھر وہ اپنے ذہن کو ٹٹولنے لگی۔ اندازہ کرنے لگی کہ وہ اُس سے گفتگو کرنے کی ہمت بھی رکھتی ہے یا نہیں۔

خاور نے ایک ٹیکسی رکوائی اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھنے ہی جا رہا تھا کہ سونیا تیزی سے اُس کی طرف جھپٹی۔

"ذرا سنئے گا۔"

"ہاں....!" وہ بڑے بھدے انداز میں اُس کی طرف مڑا۔

"میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں.... بیٹھئے.... میں بھی بیٹھوں گی۔"

وہ مسکرایا اور پچھلی نشست پر بیٹھ کر پرے سرک گیا۔ سونیا بھی بیٹھ گئی۔

"گرین پارک....!" خاور نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا اور ٹیکسی حرکت میں آگئی.... پھر اُس

سونیا سے کہا۔ "تم نے غلط آدمی کا انتخاب کیا ہے۔ مجھے عورتوں سے دلچسپی نہیں ہے۔"

سونیا کو اُس کی اس بد تہذیبی پر بڑا تاؤ آیا۔ مگر وہ جلدی سے مسکرا کر بولی۔ "آپ بھی قطعی سمجھے ہیں۔ میں کوئی فلرٹ نہیں ہوں۔"

"تم کوئی بھی ہو۔ مجھے اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"نہیں۔ آپ کو دلچسپی ہو سکتی ہے کیونکہ آپ ایک غلط آدمی کے ہاتھ میں پڑنے والے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"بلنگر بُرا آدمی ہے۔ بے ایمان اور کنجوس۔"

"میں بھی زیادہ اچھا آدمی نہیں ہوں۔ پھر تمہیں ان باتوں سے کیا سروکار۔ تم ان معاملات یا جانو۔"

"اُس کے اور ٹیوی کے تعلقات کے متعلق یہاں کون نہیں جانتا۔"

"تم کیا جانتی ہو؟"

"میں تو یہاں تک جانتی ہوں کہ آپ داور کے بھائی ہیں۔"

"اوہو....!" خاور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"بلنگر.... کیا چاہتا ہے.... میں اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"یہ بہت اچھا ہوا کہ تم بلنگر کے متعلق کچھ جانتی ہو.... مگر میں اُس سے وعدہ کر چکا ہوں کہ ما یہ مقابلہ ہرگز نہ ہونے دوں گا۔"

"اگر وہ ایسا ہی بدحواس ہے تو بوشن نے کچھ سوچے سمجھے بغیر داور کو چیلنج کیوں کر دیا تھا؟" نیا نے کہا۔

"وہ کہتا ہے کہ بوشن نے اُس سے مشورہ کیے بغیر ایسا کیا تھا....؟"

خاور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اب اگر بوشن پیچھے ہٹتا ہے تو یہ نہ صرف بوشن بلکہ بلنگر کی فرم کی ی بدنامی کا باعث ہو گا۔ اس لئے وہ چاہتا ہے کہ داور ہی کسی طرح بیٹھ جائے.... اور بھی یہاں ے مقابلے میری سمجھ سے باہر ہیں.... آخر ان فرموں کو ان سے کیا فائدہ پہنچتا ہے۔"

"کافی آمدنی ہوتی ہے۔" سونیا نے کہا۔ "کیا آپ پہلی بار یہاں آئے ہیں؟"

"بالکل پہلی بار اور شاید آتا بھی نہ ہوتا مگر وہ دوا فروش کم بخت داور کو ورغلا کر نکال لایا اور سے ایسا ذلیل پیشہ کراتا رہا۔"

"آپ کو کبھی ریس کھیلنے کا اتفاق ہوا ہے؟"

"نہیں.... لیکن میں اُس کے متعلق جانتا ہوں۔"

"بس یہ مقابلے بھی اُس سے ملتے جلتے ہوتے ہیں۔"

"کیا.... یہ پہلوان دوڑ لگاتے ہیں؟" خاور نے حیرت سے کہا۔

سونیا ہنس پڑی اور پھر بولی۔ "نہیں.... مقابلہ تو فری اسٹائل ریسلنگ یا باکسنگ ہی کا ہوتا ہے۔ مگر تماشائی مقابلہ گاہ میں ٹکٹ لے کر داخل ہوتے ہیں۔"

"ارے تو اس کے لئے فرمیں بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس طرح یہ لوگ خواہ مخواہ اخراجات بڑھا لیتے ہیں۔"

"اوہ.... آپ کچھ بھی نہیں جانتے۔ وہ تو صرف داخلے کا ٹکٹ ہوتا ہے اور اُس کی آمدنی سے فرموں کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ داخلے کے ٹکٹوں کی آمدنی تو مقابلے کا انتظام کرنے والی کارپوریشن کو جاتی ہے اس کے علاوہ مقابلے میں حصہ لینے والی فرمیں اپنے ٹکٹ فروخت کرتی ہیں۔"

"اپنے ٹکٹ؟"

"ہاں مثال کے طور پر اگر بوشن اور داور کا مقابلہ ہوا تو بلنگر کی فرم بوشن کے ٹکٹ فروخت کرے گی اور ٹیوی کی فرم داور کے۔ یہ ٹکٹ ایک ہی قیمت کے ہوتے ہیں۔ یعنی فی ٹکٹ دو روپے۔ ایک آدمی ایک سے زیادہ ٹکٹ بھی خرید سکتا ہے۔ اب فرض کرو کہ بوشن ہار گیا تو بلنگ داور کے ٹکٹوں کے دوگنے دام واپس کرنے پڑیں گے۔ یعنی ہر ٹکٹ چار روپے۔"

"ارے.... یہ تو جوا ہے۔"

"ہاں.... آں.... لیکن یہ جوا غیر قانونی طور پر نہیں ہوتا۔ دونوں فرمیں اس کے لئے لائسنس رکھتی ہیں۔"

"خیر.... مگر ہارنے والی فرم کا دیوالہ نکل جاتا ہے۔"

"ہاں اکثر ایسا بھی ہوتا ہوگا.... مگر مجموعی طور پر وہ نقصان میں نہیں رہتے۔ ورنہ یہ کاروبار ہی بند کر دیتے۔"

خاور تھوڑی دیر خاموش رہا پھر اُس نے پوچھا۔ "تم کیا چاہتی ہو۔"

"میں چاہتی ہوں کہ یہ مقابلہ ضرور ہو۔"

"میں اپنے بھائی کو پیشہ ور پہلوان نہیں بننے دوں گا۔ میری توہین ہے اس میں اور سنو! لڑکی مجھے یقین ہے کہ تمہیں ٹیوی نے بھیجا ہے۔"

"میں پھر کہتی ہوں کہ ٹیوی بُرا آدمی نہیں ہے۔ اُس سے تعاون کر کے آپ فائدے میں

رہیں گے۔"

"اچھا اگر میں نے تعاون نہ کیا تو کیا ہوگا؟"

"ٹیوی خود کو بے بس نہیں سمجھتا۔" سونیا جھنجھلا گئی اور خاور مسکرا کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ داور بے وقوف ہے۔ کمزور دماغ رکھتا ہے۔ ٹیوی اُسے ہر بات پر آمادہ کر لے ہو سکتا ہے داور خود ہی پھیل جائے اور میرا کہنا نہ مانے۔ یا ہو سکتا ہے مجھے اپنا بھائی ہی تسلیم نے سے انکار کر دے۔"

"بات سمجھ میں آ گئی نا؟" سونیا معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"اچھی طرح مگر میں جانتا ہوں کہ وہ کتنے پانی میں ہے اور کس طرح ہار سکتا ہے۔"

"یعنی....؟"

"وہ میرے ہی ہاتھ کا سکھایا ہوا ہے۔"

سونیا خاموش ہو گئی۔ اُس کی آنکھوں میں گہری تشویش صاف پڑھی جا سکتی تھی۔

"کچھ اور کہنا ہے تمہیں....؟"

"نہیں! اب میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ کیا آپ براہِ کرم گاڑی رکوائیں گے؟"

خاور نے ڈرائیور سے گاڑی روکنے کو کہا اور پھر سونیا مزید کچھ کہے بغیر نیچے اُتر گئی۔

❁

کیپٹن حمید اور کرنل فریدی اسٹار ہوٹل کے ایک کمرے میں مصروف گفتگو تھے۔ حمید کہہ رہا

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں قاسم بھانڈا نہ پھوڑ دے۔"

"ناممکن ہے۔ اگر اسکیم تمہاری ہوتی تو البتہ ایسا ہو سکتا تھا۔"

"مگر آپ نے یہ سارا کھڑاگ پھیلایا ہی کیوں ہے جب کہ اس جوئے کو قانوناً جائز قرار دیا گیا ہے۔"

"فضول بحثوں میں نہ الجھو۔ تمہیں ٹیوی کی محبوبہ سونیا سے دوستی بڑھانی ہے۔"

"اور گریٹا کا کیا ہوگا؟" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

"وہ اپنا پارٹ ادا کر چکی اب تم ادھر کا رخ بھی نہیں کرو گے۔"

"بڑی مصیبت ہے۔ کبھی یہ کبھی وہ۔ نہیں بس ٹھیک ہے۔ گریٹا ہی مجھے پسند ہے۔"

"بکواس مت کرو۔"

"اچھا ایک مسئلہ صاف کر دیجئے۔ سرمہ فروش کی اسکیم آپ نے یہیں پہنچ کر بنائی تھی کیا پ کو یقین تھا کہ بوشن سے اس صورت میں ضرور ٹکراؤ ہوگا....؟"

"ہاں مجھے یقین تھا۔"

"آخر کیوں....؟"

"میں نے معلوم کیا کہ بوشن گریٹا کے چکر میں ہے۔ ظاہر ہے کہ گریٹا ہر حال میں قاسم کی طرف ضرور متوجہ ہوتی۔ گو یہ متوجہ ہونا محض دلچسپی کی خاطر ہوتا۔ لیکن اگر بوشن کی نظر اُس پر پڑ جاتی تو اُس کی پہلوانیت مجروح ہوئے بغیر نہ رہتی اور وہ قاسم پر بھی اپنی برتری جتانے کے لئے اُس سے ضرور ٹکرا جاتا....اور دیکھو یہی ہوا۔"

"گویا آپ کو اس کا بھی اندازہ تھا کہ اگر قاسم نے بوشن کو سرِ راہ پیٹ دیا تو ٹیوی اُس میں ضرور دلچسپی لے گا۔"

"کھلی ہوئی بات ہے اور پھر جب کہ معاملہ کسی پہلوان کا ہو۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیس اتنا اہم ہو سکتا ہے جس کے لئے آپ قاسم کے ساتھ تین ماہ تک محنت کرتے رہے ہیں۔"

"بہت اہم ہے۔ ایسا کہ مقامی پولیس اس کے لئے ابھی تک کچھ نہیں کر سکی۔"

"سلسلہ جوئے ہی کا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ اس کا تعلق اس جوئے سے ضرور ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اچھا ٹھہرو۔ ابھی سونیا سے دور ہی رہنا۔"

"دور ہوں.... آپ مطمئن رہیئے۔" حمید نے اس طرح ہاتھ ہلا کر کہا جیسے سونیا قریب ہی کہیں موجود ہو۔

"اوں....!" فریدی چونک کر مسکرانے لگا۔ لیکن انداز ایسا تھا جیسے اُس نے حمید کا جملہ سنا ہی نہ ہو۔ پھر اُس نے میز پر انگلی سے کچھ لکھتے ہوئے کہا۔ "آرام کرو.... ہمیں فی الحال صرف اندھیروں میں بھٹکنا ہے۔"

✿

رات کے ڈیڑھ بج رہے تھے۔ سونیا ٹیوی کی اقامتی عمارت کے سامنے رک گئی۔ اُس کی سانس پھول رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ یہاں تک دوڑتی ہوئی آئی ہو۔

ٹیوی کا آفس اور رہائشی کمرے ایک ہی عمارت میں تھے۔ سونیا نے کال بل کا بٹن دبایا....اور مڑ کر اندھیرے میں گھورنے لگی۔

کچھ دیر ٹھہر کر اُس نے پھر دو تین بار بٹن دبایا اور اندر سے قدموں کی آوازیں آئیں۔

دروازہ کھلا اور سونیا ٹیوی کو پیچھے دھکیلتی ہوئی اندر گھس پڑی۔

ٹیوی کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور وہ اُسے دروازہ بند کرتے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ اُس کی طرف مڑی۔ تھوڑی دیر تک اُسے گھورتی رہی پھر سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ "یہ تم نے کیا کیا؟"

"کیا بات ہے؟" ٹیوی کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ نظر آئی۔ "کیا زیادہ پی گئی ہو؟"

یک بیک سونیا ہسٹریائی انداز میں اُس پر جھپٹ پڑی اور گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتی ہوئی چیخی۔

"یہ تم نے کیا.... کیا....؟"

ٹیوی نے اُس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے اور اُسے صوفے کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔ "یہ بہت بُری بات ہے کہ اب تم اتنی زیادہ پینے لگی ہو۔ میں اسے پسند نہیں کرتا اور اسی حالت میں تم نے ڈرائیونگ بھی کی ہوگی۔"

اُس نے اُسے صوفے پر دھکیل دیا اور سونیا چیخ چیخ کر رونے لگی۔

"اوہ.... شور مت مچاؤ.... لوگ کیا سمجھیں گے۔" ٹیوی دانت پیس کر بولا۔ مگر وہ ہسٹریائی انداز میں روتی ہی رہی۔

"کیا مصیبت ہے۔"

دفعتاً سونیا نے سر اٹھا کر کہا۔ "تم نے مجھے دھوکا دیا تم.... میں تمہیں ایسا نہیں سمجھتی تھی۔"

"بالکل.... میں خود کہتا ہوں کہ میں بہت بُرا آدمی ہوں۔" ٹیوی نے جھک کر اُس کا شانہ سہلاتے ہوئے کہا۔ "میں کب کہتا ہوں کہ میں نے تمہیں دھوکے نہیں دیئے مگر اب تم سو جاؤ تو بہتر ہے۔"

وہ اچھل کر بیٹھ گئی اور حلق پھاڑ کر چیخی۔ "کیا میں پاگل ہوں؟"

"نن.... نہیں.... پاگل تو میں ہوں۔" ٹیوی نے آہستہ سے کہا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ "چلو اپنی خواب گاہ میں چلو۔ میں نے تم سے کتنی بار کہا ہے کہ صرف میرے ہی ساتھ پیا کرو۔ خود تمہیں اندازہ نہیں ہوتا کہ تم کتنی پی رہی ہو۔"

"چھوڑو.... مجھے۔" سونیا نے جھٹکے کے ساتھ اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

پھر ٹیوی کو غصہ آ گیا اور اُس نے سخت لہجے میں کہا۔ "کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں تم پر ٹھنڈے پانی کی بالٹی الٹ دوں؟"

"نہیں.... مجھے بھی گولی مار دو۔ میرے خدا.... کتنا ڈراؤنا منظر تھا۔ ٹیوی مجھے تم سے

نفرت ہو گئی ہے۔ میں تمہیں قاتل نہیں سمجھی تھی۔"

"کیا مطلب....؟" ٹیوی بوکھلا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"تم خونی ہو.... اس سے انکار نہیں کر سکتے۔" سونیا نے اُس کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

"کیا بک رہی ہو.... میں نے کسے قتل کیا ہے؟"

"تمہارے آدمیوں نے آخر کار خاور کو موت کے گھاٹ اتار ہی دیا اور نادانستگی میں میں نے بھی اس میں حصہ لیا۔"

"خدا کے لئے پوری بات بتاؤ۔ کیا کہہ رہی ہو تم....؟" ٹیوی مضطربانہ انداز میں بولا۔

"مجھے بے وقوف مت بناؤ۔ میں تمہارے سیاہ کارناموں میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔"

"سونیا....!" ٹیوی کے چہرے پر سختی کے آثار نظر آئے۔ اُس کے پتلے پتلے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آنکھیں ساکت ہو گئی تھیں۔ سونیا جانتی تھی کہ اب وہ زبان سے کچھ بھی نہ کہے گا لیکن خود اُسے وہی کرنا پڑے گا جو وہ چاہے گا۔ ٹیوی کا یہ موڈ ایسا ہی ہوتا تھا اور وہ اُس سے خائف رہتی تھی۔

وہ خاموش ہو گئی۔ اُس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا تھا۔ وہ سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔ "تم مجھے گولی مار دو۔ مگر میں ایسے کاموں میں تمہارا ہاتھ نہیں بٹا سکتی۔ تم نے خاور کو دھوکے سے قتل کرا دیا۔'

"یہ غلط ہے۔ میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔" ٹیوی کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

"تب پھر یہ کس کی حرکت تھی؟"

"پورا واقعہ بتاؤ....؟"

"وہ میری گاڑی میں تھا۔ ہم دونوں نے رین بو میں ساتھ کھانا کھایا تھا۔ میں آج دراصل اُس کی قیام گاہ دیکھنا چاہتی تھی۔ اس لئے جب وہ باہر نکل کر ٹیکسی تلاش کرنے لگا.... تو میں نے کہا کہ میں اُسے اپنی گاڑی میں پہنچا دوں گی۔ اُس نے ندی پار کی ایک عمارت کا نام لیا تھا لیکن وہ میری گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ میں نے اُس سے کہا کہ میں ٹیوی ہی کی کارپرداز سہی لیکن ٹیوی بلنگر کی طرح کمینہ نہیں ہے۔ وہ کوئی نامناسب قدم نہیں اٹھائے گا۔ تب وہ یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ ڈرپوک نہیں ہے میری گاڑی میں بیٹھ گیا۔ بہرحال میں اُس کے بتائے ہوئے پتے پر چل پڑی تھی۔ ندی کا پل سنسان پڑا تھا۔ جیسے ہی میری گاڑی پل کے وسط میں پہنچی پیچھے سے ایک کار آگے بڑھ کر ہماری راہ میں حائل ہو گئی۔ اگر میں نے ذرا بھی اوسان کھوئے ہوتے تو ٹکر یقینی تھی۔ پھر یکایک اس گاڑی سے تین آدمی کودے جن کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ انہوں نے

مجھے باہر نکلنے کو کہا۔ خاور اترنے لگا تو میں نے اُس کا بازو پکڑ لیا۔ مگر اُس شریف آدمی نے کہا۔ "میں تمہاری گاڑی میں نہیں مرنا چاہتا۔" اتنے میں ایک ریوالور کی نال میری کنپٹی سے آ لگی اور میں نے خاور کا بازو چھوڑ دیا۔ وہ نیچے اترا اور وہ تینوں اُسے کور کیے ہوئے ریلنگ تک لے گئے۔ پھر بیک وقت تین فائر ہوئے اور خاور ندی میں گر گیا اور وہ تینوں گاڑی میں بیٹھ کر فرار ہو گئے....
ادھر دیکھو ٹیوی۔ مجھے جواب دو.... آخر وہ مجھے کیوں نظر انداز کر گئے تھے؟"

"ہوں....!" ٹیوی معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "محض اس لئے کہ تم اس حادثے کی اطلاع پولیس کو ہرگز نہ دو گی۔ ظاہر ہے کہ خاور کو راستے سے ہٹانے والا ٹیوی ہی ہو سکتا ہے۔"

"اوہ.... تو تم ہی تھے؟" سونیا نے سسکی لی۔

"ہرگز نہیں.... میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہے۔ میں اس حد تک نہیں جا سکتا۔ میں صرف خرید و فروخت کا قائل ہوں۔ بس اس سلسلے میں یہ میرے آخری الفاظ ہیں۔ تم اب مجھ سے کچھ نہ پوچھو گی.... جاؤ.... سو جاؤ۔"

سونیا بے بس نظر آنے لگی۔ ٹیوی اپنی خواب گاہ کی طرف مڑ گیا۔

الزام

سونیا ساری رات سو نہ سکی۔ ذہنی اذیت سے بچنے کے لئے اُسے شراب کا سہارا لینا پڑا تھا اور پھر اُس نے اتنی پی لی تھی کہ ہوش نہیں رہا تھا۔ صبح جب دیر تک اُس کی خواب گاہ کا دروازہ نہ کھلا تو ٹیوی کو تشویش ہوئی۔

پھر دروازہ توڑنا ہی پڑا تھا اور ٹیوی نے اطمینان کی سانس لی تھی۔ وہ تو سمجھا تھا کہ شاید سونیا نے خودکشی کر لی۔

سونیا بارہ بجے تک بے سدھ پڑی رہی تھی۔ پھر جب شراب کے اثرات زائل ہوئے تو ہوش آنے پر اُس نے طبیعت پر بہت زیادہ گرانی محسوس کی۔ اس کے لئے پھر اُسے شراب ہی کا سہارا لینا پڑا۔ لیکن اتنا زیادہ نہیں کہ ذہن پھر ماؤف ہو کر رہ جاتا۔

خاور والا حادثہ پھر اس کے ذہن میں چیخنے لگا۔ ٹیوی نے اعتراف نہیں کیا تھا مگر پھر یہ کس کی حرکت ہو سکتی تھی۔ بلنگر کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کیونکہ خاور کا وجود تو اُس کے لئے فائدہ مند ہی ثابت ہونے والا تھا اور پھر اگر وہ بلنگر ہی کے آدمی تھے تو انہوں نے خود سونیا کو بھی کیوں نہ

ٹھکانے لگا دیا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح تو خاور کی کہانی وہیں اُسی جگہ ختم ہو جاتی۔ بہر حال اس طرح بلنگر تو الگ کیا جا سکتا تھا اس معاملے سے۔ ٹیوی اس کا اعتراف نہیں کر رہا تھا کہ اس حادثے میں اُس کا ہاتھ ہے.... پھر؟

یک بیک اُسے ٹیوی کا وہ پُر اسرار ہمدرد یاد آ گیا جو اکثر معاملات میں اُس کا مددگار ہونے کا دعویدار تھا۔ سونیا کی کنپٹیاں چیخنے لگیں۔ کیا وہ نامعلوم مددگار بھی اس حد تک جا سکتا ہے؟ ٹیوی کے بیان کے مطابق اُس کا دعویٰ تھا کہ وہ بے غرض ہو کر اُس کی مدد کرتا ہے۔ مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ وہ ٹیوی کے پہلوان کی کامیابی کا متمنی رہتا ہے۔ لیکن کیا وہ اتنی ذرا سی بات کے لئے کسی کو قتل بھی کر سکتا ہے۔ اگر قتل کر سکتا ہے تو یہ ہمدردی محض رسمی نہیں ہو سکتی۔ کوئی بہت بڑا ذاتی مفاد ہی ایسے افعال پر آمادہ کر سکتا ہے؟ مگر وہ ذاتی مفاد....؟ جس کا علم ٹیوی کو بھی نہ ہو.... کیا ہو سکتا ہے؟ اس کی نوعیت کیا ہوگی؟

سونیا سوچتی رہی اور اُس کا سر چکراتا رہا۔ "آہا".... وہ یک بیک اچھل پڑی۔ ایک آدمی اور بھی تو ہے؟ وہ جس کی تلاش خاور کو تھی اور جسے پا جانے پر وہ کچا ہی چبا جاتا۔ وہی جو اُس کے بھائی کو ورغلا کر نکال لایا تھا۔ سرمہ فروش.... وہ اُس کا نام یاد کرنے کی کوشش کرنے لگی لیکن یاد نہ آیا۔

اب کسی حد تک اُس کی ذہنی خلش رفع ہو گئی تھی۔ ٹیوی کو وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ اُسے اُس کی اس بات پر اتفاق تھا کہ وہ "خرید و فروخت" سے آگے بڑھنے کا عادی نہیں ہے۔ اُس نے داور کو حاصل کرنے کے لئے آٹھ ہزار صرف کیے تھے۔ اسی طرح وہ خاور کو بھی خریدنے کی کوشش کرتا۔ اس معاملے میں وہ بلنگر پر ہمیشہ بھاری رہتا تھا۔ ٹیوی اس وقت رہائشی کمروں میں موجود نہیں تھا۔ اس لئے سونیا لباس تبدیل کر کے آفس والے حصے کی طرف روانہ ہو گئی۔ ٹیوی اپنے کمرے میں تنہا نہیں تھا۔ وہاں دیو پیکر پہلوان داور بھی موجود تھا۔

ٹیوی نے سونیا کی طرف دھیان نہیں دیا۔ وہ داور سے گفتگو کر رہا تھا۔

"تم ساگر کے ساتھ کیوں چلے آئے تھے۔ اگر ایسے ہی بڑے رئیس ہو۔" اُس نے داور سے پوچھا۔

"اوہ.... ساگر....!" سونیا کو اُس کا نام یاد آ گیا۔

"قیا بتاؤں....!" داور نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "سالے نے کہا تھا.... کہا تھا.... ہی ہی ہی۔"

وہ سونیا کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا تھا۔

"میری بات کا جواب دو۔" ٹیوی نے کہا۔

"اُس نے کہا تھا.... ہی ہی.... میں تمہاری شادی کرا دوں گا.... ہی ہی۔" داور کہہ

شرما گیا اور سونیا کو بے ساختہ ہنسی آ گئی اور ٹیوی مسکرا پڑا۔

"تم کیسے پہلوان ہو؟" ٹیوی نے کہا۔

"قیوں....؟" داور نے آنکھیں نکالیں۔

"پہلوانوں کو شادی وادی کی فکر نہیں ہوتی۔"

"امے جاؤ.... ٹھینگے پر گئی.... ایسی پہلوانی.... واہ اب کوئی شادی بھی نہ کرے۔ جاؤ میں نہیں کرتا تمہاری نوکری۔"

"کیا تمہاری شادی آسانی سے نہیں ہو سکتی تھی کہ ایک بدمعاش آدمی تمہیں اُلو بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔"

"اے زبان سنبھال لے.... تم مجھے اُلو کہہ رہے ہو۔"

"تمہیں نہیں کہہ رہا ہوں۔" ٹیوی مسکرایا۔ "خیر اگر شادی ہی کی بات ہے تو یہاں روستمبا میں دس شادیاں ہو جائیں گی یہاں کی لڑکیاں پہلوانوں پر جان دیتی ہیں۔"

"کیا بے تکی باتیں کر رہے ہو۔" سونیا نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اوہ....!" ٹیوی چونک کر سونیا کو گھورنے لگا۔ "تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"کچھ نہیں۔" وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور ٹیوی مضطرب سا نظر آنے لگا۔

"تم کسی بات میں دخل نہیں دو گی۔" ٹیوی نے سخت لہجے میں کہا۔

"نہیں مجھے عقل آ گئی ہے۔ میں ساگر کے امکانات پر غور کر رہی ہوں۔"

ٹیوی نے ایک طویل سانس لی اور داور کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"خاور سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟"

"قیوں! تم انہیں کیا جانو۔"

"میری بات کا جواب دو۔ وہ میرے دوست ہیں۔"

"ارے باپ رے۔" داور پلکیں جھپکانے لگا۔

"کیوں....؟"

"انہیں میرے بارے میں کچھ نہ لکھنا۔"

"کیوں! تم گھبرا کیوں گئے؟"

"اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ میں یہاں ہوں تو آ کر میری ہڈیاں توڑ دیں گے۔ وہ میرے بڑے بھائی ہیں۔"

"تم اتنے کیم شیم ہو۔ خاور تمہارا آدھا بھی نہیں ہے۔"

"مم..... مگر..... وہ مجھ سے زیادہ طاقت ور ہیں۔ انہوں نے مجھے پہلوان بنایا ہے۔ اگر ایک گھونسہ ماردیں تو میں تین دن بے ہوش پڑا رہوں گا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر ٹیوی نے کہا۔ "مقابلے کے دن قریب آرہے ہیں۔ تمہاری تیاری کیسی ہے؟"

"بس بوشن کو مار مار کر بھس بھردوں گا۔"

"اچھا..... جاؤ..... اس مقابلے کے بعد ہی تمہارے گرد اتنی لڑکیاں ہوں گی کہ انتخاب مشکل ہو جائے گا۔"

داور کی "ہی ہی ہی" چل پڑی اور وہ اسی طرح ہنستا ہوا رخصت ہو گیا۔

اب ٹیوی پھر ایک طویل سانس لے کر سونیا کی طرف پلٹ پڑا۔

"تو تمہیں عقل آگئی ہے؟" وہ مسکرایا۔

"ہاں.....! وہ ساگر بھی تو ہو سکتا ہے۔ یقیناً خاور اُس سے اتنا ہی خفا تھا کہ اگر پاجاتا تو اُس کی بوٹیاں نوچ ڈالتا۔"

"اوہ..... یہ ساگر.....؟ میرے لئے مستقل دردِ سر بن کر رہ گیا ہے۔ پتہ نہیں وہ کیا چاہتا ہے۔ کس چکر میں ہے۔ آخر شارٹی جیسا گدھا اُسے بے وقوف بنانے میں کیسے کامیاب ہو گیا۔ اُس نے وہ آٹھ ہزار روپے گریٹا کے نام سے جمع کرادیئے ہیں۔"

"میری دانست میں۔" سونیا آنکھیں بند کر کے مسکرائی۔ "گریٹا ہی کے گرد یہ کہانی گھوم رہی ہے۔ وہ کتنی دلکش ہے۔"

اُس نے آنکھیں کھول دیں اور ٹیوی کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ ٹیوی نے خشک سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "بوشن اُسے حاصل کئے بغیر نہیں رہے گا۔"

"ہوں!" کچھ سوچتی ہوئی سونیا بولی۔ "تمہارے پُر اسرار ہمدرد سے بھی یہ حرکت سرزد ہو سکتی ہے۔"

"میں نے بھی سوچا تھا لیکن یہ خیال مضحکہ خیز ہے۔ وہ مجھے فائدہ پہنچانے کے لئے قتل کیوں کرنے لگا..... مم..... مگر.....!"

وہ اُس کی آنکھوں میں ذہنی کش مکش کی کیفیت صاف پڑھ سکتی تھی۔ ٹیوی نے تاش کے پتے پھینٹنے شروع کر دیئے۔ وہ کسی گہرے خیال میں ڈوب گیا تھا۔

"کیوں! تم نے جواب نہیں دیا؟" سونیا نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"کیا جواب دوں" ٹیوی نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "یہ نامعلوم آدمی میرے لئے عرصہ سے سوہانِ روح بنا ہوا ہے۔ اکثر مجھے غیر متوقع طور پر نقصانات بھی پہنچے ہیں اور میں نے اس کے متعلق بہت سوچا ہے..... لیکن..... لیکن..... ختم کرو۔ مجھے الجھن ہو رہی ہے۔"

❁

سونیا اور گریٹا ساگر کی تلاش میں نکلی تھیں۔ گو یقین نہیں تھا کہ وہ مل ہی جائے گا۔ مگر پھر بھی سونیا نے گریٹا کو آمادہ کر لیا تھا۔ اُس نے محسوس کیا تھا کہ گریٹا کو ساگر سے ہمدردی ہے۔ سونیا کا خیال تھا کہ اگر ساگر ہی نے خاور کو ٹھکانے لگایا ہے تو اب وہ سامنے آجائے گا۔ وہ ایسا آدمی نہیں معلوم ہوتا کہ بلنگریا اُس کے آدمیوں سے خائف ہو جائے جب کہ وہ اُن کی مرمت بھی کر چکا تھا اور پھر اگر وہی خاور کا قاتل بھی تھا تو تنہا نہیں ہو سکتا کیونکہ تین آدمیوں نے خاور کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ سونیا نے گریٹا کو اس بات پر مطمئن کر دیا تھا کہ ٹیوی تو کسی بُرے ارادے کے تحت ساگر کی تلاش میں نہیں ہے بلکہ وہ کسی معاملے میں اُس کی مدد چاہتا ہے۔

اچانک ایک جگہ گریٹا نے اُسے کار روکنے کو کہا۔ وہ نشاط سینما کے ایک بڑے پوسٹر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جس پر تحریر تھا۔

"جادو کے عظیم الشان کارنامے..... ملایا کے پروفیسر پنکو جلیل پیش کرتے ہیں۔ ایسے کھیل جنہیں آپ کی چشمِ تصور بھی نہ دیکھ سکی ہو گی۔
آج ملاحظہ فرمایئے تین گھنٹے کا پروگرام.....!"

تحریر کے نیچے ایک بہت بڑی تصویر تھی۔ وہ کوئی بڑی مونچھوں والا آدمی تھا۔

"اگر یہی پروفیسر پنکو جلیل ہے.....!" وہ بڑبڑائی۔

"کیا.....؟" سونیا بورڈ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں؟"

"اگر ساگر اپنے چہرے میں صرف گھنی مونچھوں کا اضافہ کر لے تو بالکل ایسا ہی لگے گا..... اوہ..... اُس کی آنکھیں بھلائی نہیں جاسکتیں۔"

"اگر یہ بات ہے تو اسے بھی دیکھ ہی لیں۔ تم نے اُسے بہت قریب سے دیکھا ہو گا۔"

گریٹا نے کوئی جواب نہ دیا۔

کھیل شروع ہونے میں ابھی کئی گھنٹوں کی دیر تھی۔ اس لئے وہ اِدھر اُدھر گھومتی پھریں۔ سونیا نے پھر ساگر کا تذکرہ نہیں چھیڑا تھا۔ وہ مختلف موضوعات پر گفتگو کرتی رہی تھیں۔

چھ بجے وہ آرکسٹرا کا ٹکٹ لے کر ہال میں داخل ہوئیں۔ اُن کی کرسیاں اسٹیج سے قریب ترین قطار میں تھیں۔

ملایا کا جادوگر بڑے مضحکہ خیز لباس میں اسٹیج پر آیا۔ اس لباس نے اُسے اچھا خاصا بڑے کیس والا مرغ بنا کر رکھ دیا تھا۔

گریٹا نے سونیا کا ہاتھ دبا کر آہستہ سے کہا۔ "وہی ہے.... وہ صرف مونچھوں کا اضافہ۔ مگر یہ اضافہ بڑی صفائی سے کیا گیا ہے۔ مونچھیں نقلی نہیں معلوم ہوتیں۔"

"اوہ.... تو پھر.... خیر دیکھو۔ کیا گل کھلتے ہیں۔ بڑا چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

تین گھنٹوں کے پروگرام میں رقص و سرور بھی شامل تھے۔ دراصل.... خاص پروگرام رقص و سرور ہی کا تھا۔ تیاری کے وقفے میں ملایا کا جادوگر اپنے کرتب دکھانے لگتا تھا تاکہ تماشائی بور نہ ہوں۔ جادو کیا سوفی صدی مسخرہ پن تھا۔ جگلری کی پیروڈی۔ مثال کے طور پر اُس نے تماشائیوں کو ایک ابلا ہوا انڈا دکھاتے ہوئے کہا۔ "خواتین و حضرات! اب میں اس صدی کا سب سے حیرت انگیز کمال آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ یہ ایک ابلا ہوا انڈا ہے۔ اسے میں کھا لیتا ہوں۔"

وہ انڈا کھا کر ایک گلاس پانی پیتا ہے اور پھر کسی آسودہ حال بنیئے کی طرح پیٹ پر ہاتھ پھیر کر ڈکاریں لیتا ہوا کہتا ہے۔ "اب یہ انڈا ہال میں بیٹھے ہوئے کسی صاحب کی جیب سے برآمد ہوگا۔ براہِ کرم اپنی جیبیں ٹٹولئے.... جن صاحب کی جیب میں موجود ہو براہِ کرم ہاتھ اٹھا دیں۔ ہاں مگر انڈا صرف سب سے بڑے بے ایمان آدمی کی جیب میں جاتا ہے۔"

آس پاس بعض لوگ اپنی جیبیں ٹٹولتے ہوئے نظر آتے ہیں.... لیکن ہال میں کسی کا بھی ہاتھ اٹھا ہوا نہیں دکھائی دیتا۔ جیبیں ٹٹولنے والے جھینپے ہوئے انداز میں ہنستے ہیں۔

"ہاتھ اٹھاؤ.... ہاتھ اٹھاؤ.... کس کے پاس ہے؟" کئی آوازیں ابھرتی ہیں اور پھر قہقہے بلند ہوتے ہیں۔

"خدا کے لئے ہاتھ اٹھائیے صاحب۔ میرے علم پر حرف آتا ہے۔" ملایا کے جادوگر نے گھگھیا کر کہا۔ لیکن صرف قہقہوں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔

"دیکھا تم نے؟" گریٹا نے ہنس کر کہا۔ "یہاں بھی وہ الو بنا رہا ہے۔ بھلا کون ہاتھ اٹھا کر خود کو سب سے بڑا بے ایمان ثابت کرے گا۔"

"سوال یہ ہے کہ ہم اُس سے ملیں گے کس طرح؟" سونیا نے کہا۔

"نہایت آسانی سے۔" گریٹا بولی۔ "اُس تک پہنچنا مشکل کام نہ ہوگا۔ بھلا اُس سے ملنے کون جائے گا۔ زیادہ بھیڑ تو رقاصوں اور گانے والیوں کے گرد ہوگی۔ ہم اُس سے ملیں گے۔ یقین کرو اُس کے قریب بس ہم دونوں ہی ہوں گے۔"

"تمہیں یقین ہے نا کہ یہ ساگر ہی ہے؟"

"آواز سن لینے کے بعد تو لاکھوں کی شرط لگا سکتی ہوں۔" گریٹا نے جواب دیا۔

❁

ٹیوی دیر سے سونے کا عادی تھا۔ لیکن آج ٹھیک سات بجے خواب گاہ میں داخل ہو گیا تھا۔ طبیعت بھاری تھی اور وہ سوچتے سوچتے تھک گیا تھا۔ لیکن پندرہ منٹ بھی سکون کے ساتھ نہ لیٹ سکا کیونکہ فوراً ہی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

اُس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا لیکن اُس کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سن کر وہ شکنیں یکلخت غائب ہو گئی ہوں۔ یہ اُسی پراسرار آدمی کی آواز تھی جس کے نام تک سے وہ واقف نہیں تھا۔

"کیا خبر ہے ٹیوی؟"

"تمہیں مجھ سے زیادہ خبریں معلوم ہوتی رہتی ہیں۔" ٹیوی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"خاور کا کیا رہا؟ میں نے سونیا کو اُس کے ساتھ دیکھا تھا۔"

"اور سونیا نے اُسے مر کر ندی میں گرتے دیکھا تھا۔"

"کیا مطلب....؟"

"مطلب تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ مگر دوست میں نے یہ کبھی نہیں چاہا تھا کہ تم اس حد تک بڑھ جاؤ۔"

"میں بالکل نہیں سمجھا۔"

"کیوں بن رہے ہو۔ میں پوچھتا ہوں آخر تم کیوں میرے معاملات میں اس حد تک دلچسپی لیتے ہو؟"

"میں جانتا تھا کہ ایک دن یہ سوال تمہارے ذہن میں ضرور ابھرے گا۔"

"اور میں اس کا ایسا جواب چاہتا ہوں جو مجھے مطمئن کر سکے۔"

"ہوں ٹھہرو.... پہلے مجھے وہ واقعہ بتاؤ جس کے سلسلے میں تم نے سونیا خاور اور ندی کا حوالہ دیا تھا۔"

ٹیوی نے کچھ سوچتے ہوئے خاور کے متعلق سونیا کا بیان دہرا دیا۔

"میرے لئے ایک دلچسپ اطلاع ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "واقعی تم بہت سمجھ دار آدمی ہو ٹیوی۔"

"کیا مطلب....؟" ٹیوی چونک پڑا۔

"بہر حال مجھے خوشی ہے کہ تم مجھ پر اعتماد کرتے ہو۔ ورنہ مجھے اس کے متعلق کیوں بتاتے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"آہا....!" ٹیوی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تو تم.... اپنا یہ جرم میرے سر تھوپنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"واہ.... دوست....!" دوسری طرف سے قہقہے کی آواز آئی۔ "تم نے تو کمال ہی کر دیا۔ مگر تم مجھے پاؤ گے کہاں پھانسی دلوانے کے لئے؟"

"ہوں....!" ٹیوی کی بھنویں تن گئیں۔ "میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم میرے پیچھے کیوں لگے ہو۔ تمہیں مجھ سے اتنی ہمدردی کیوں ہے کہ میرے لئے قتل کرتے پھرو۔"

"میں کسی کے لئے بھی قتل نہیں کر سکتا۔ ٹیوی تم پتہ نہیں کیا بکواس کر رہے ہو۔"

"کاش میں تم سے واقف ہوتا۔" ٹیوی نے کہا۔

"کیا تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو؟"

"یقیناً!"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ہماری بعض غلط فہمیاں رفع ہو جائیں۔ میں تمہارے ذہن سے یہ بات نکالنا چاہتا ہوں کہ میں اپنے کسی مفاد کے تحت تمہارے کام آتا ہوں۔ اچھا ساڑھے آٹھ بجے مجھے پیلس ہوٹل والی گلی میں ملو۔ میں منتظر رہوں گا۔ آؤ گے نا؟"

"آؤں گا۔" ٹیوی نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

کنور سعید

ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے ٹیوی پیلس ہوٹل والی گلی میں داخل ہوا۔ یہ گلی ایک شاندار ہوٹل سے منسوب کی جاتی تھی لیکن سورج غروب ہونے کے بعد یہاں قدم رکھنا صرف وہی لوگ پسند کرتے تھے جن کی رہائش یہاں تھی کیونکہ یہ ایک تاریک اور متعفن گلی تھی۔ زمین ناہموار تھی

اس لئے اجنبی قسم کے راہگیر اکثر ہاتھ منہ توڑ بیٹھتے تھے۔ ایک فرلانگ لمبی گلی میں صرف ایک جگہ ایک کیروسین لیمپ پول تھا جس کی روشنی تھوڑے سے حصے میں پھیل کر رہ گئی تھی۔

ٹیوی اسی پول کے قریب رک گیا چونکہ اُس کے دل میں کئی طرح کے خدشات بھی موجود تھے۔ اس لئے وہ اپنے گردوپیش سے باخبر رہنا چاہتا تھا۔

دفعتاً اُس نے اپنی پشت پر کسی قسم کی آواز سنی اور چونک کر مڑا۔ ایک طویل قامت آدمی تھوڑی ہی فاصلے پر کھڑا تھا۔ لیکن ٹیوی اُس کی شکل نہ دیکھ سکا کیونکہ اوور کوٹ کا کالر کانوں تک اٹھا ہوا تھا اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھک آیا تھا۔

"مسٹر ٹیوی پلیز.... میرے پیچھے آئیے۔" اُس نے آہستہ سے کہا اور بڑی لاپرواہی سے دوسری طرف مڑ گیا۔ اُس کی چال سے بے اطمینانی نہیں ظاہر ہو رہی تھی۔ ٹیوی اُس کے پیچھے چلنے لگا۔ پھر وہ کیروسین لیمپ کی روشنی کی حدود سے باہر ہو گئے اور ٹیوی کو اُس کا دھندلا سا سایہ نظر آتا رہا۔

"ٹھہرو دوست....!" دفعتاً اُس نے اُسے آہستہ سے پکارا۔ "کہاں چلنا ہے؟"

لیکن یک بیک کسی کا ہاتھ اُس کی داہنی جیب پر پڑا اور کوئی سخت چیز کمر سے آ لگی۔ ساتھ ہی کسی نے آہستہ سے کہا۔ "ٹھہر جاؤ۔ ہلے اور ڈھیر کر دیئے گئے۔"

ٹیوی کی داہنی جیب سے اعشاریہ دو پانچ کا پستول پہلے ہی نکالا جا چکا تھا اور کمر سے چبھنے والی سخت چیز غالباً کسی ریوالور کی نال ہی تھی۔

ٹیوی کے قدم رک گئے تو اس کا مطلب تھا کشمکش؟ اگلا لمبا آدمی اندھیرے میں غائب ہو چکا تھا۔

"آہستہ آہستہ چلو۔" ریوالور والے نے کہا اور ٹیوی چلنے لگا۔ اُس کے اوسان بحال تھے اور وہ محسوس کر رہا تھا اُسے ریوالور کی نال سے دھکیلنے والا بے آواز چل رہا ہے۔ پتہ نہیں کتنی دور سے وہ اس کا تعاقب کرتا رہا ہو گا۔

"بائیں طرف مڑ جاؤ۔" کہا گیا۔

ٹیوی کھلے ہوئے دروازے کے سامنے رک گیا۔ اندر ایک دھندلا سا کیروسین لیمپ روشن اور سامنے والی گندی دیوار کہنگی اور بدحالی کی کہانیاں سنا رہی تھی۔

"اندر چلو....!" کہا گیا۔

"میری نیت میں فتور نہیں ہے۔" ٹیوی مسکرایا۔ "ضرور چلوں گا۔"

وہ دروازے سے گذر کر ایک تنگ سے کمرے میں داخل ہوا جس کے آگے ایک طویل

راہداری نظر آئی۔ اُس سے پھر چلتے رہنے کو کہا گیا۔

راہداری کا اختتام بھی ایک دروازے ہی پر ہوا تھا۔ ٹیوی رک گیا۔ کیونکہ دروازہ بند تھا۔

"دروازے کو دھکا دو۔" حکم ملا۔

دروازہ کھلتے ہی ٹیوی روشنی میں نہا گیا۔ کیونکہ اس بڑے کمرے میں دو پٹرومیکس لیمپ روشن تھے۔ سامنے آرام کرسی میں ایک مجہول سا آدمی نیم دراز تھا جس کا سارا جسم سیاہ رنگ کے کمبل سے ڈھکا ہوا تھا۔ سر کے بڑے بڑے بال پریشان تھے اور گھنی داڑھی شاید سالہا سال سے بے مرمت ہی رہی تھی.... آنکھیں سرخ اور وحشت انگیز تھیں۔ اُس کے علاوہ کمرے میں تین آدمی اور بھی تھے لیکن اُن کے چہروں پر سیاہ نقابیں تھیں اور وہ مؤدبانہ انداز میں کھڑے تھے۔

ٹیوی کو یہاں تک لانے والا بھی نقاب پوش ہی ثابت ہوا۔ ٹیوی اپنی یاد داشت پر زور دینے لگا کہ اُس نے اُس مجہول آدمی کو پہلے بھی کبھی دیکھا تھا یا نہیں۔

"مجھے دیکھ لو ٹیوی۔" دفعتاً اُس آدمی نے کہا اور ٹیوی اچھل پڑا کیونکہ آواز تو ویسی ہی تھی جیسی وہ اب تک فون پر سنتا رہا تھا لیکن اس کا وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اس قسم کا کوئی مجہول آدمی ہوگا۔

"دیکھ لیا....!" ٹیوی نے خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"تمہیں اس وقت کئی سوالات کے جواب دینے پڑیں گے۔"

"لیکن میرا صرف ایک ہی سوال ہے۔" ٹیوی بولا۔ "تم میرے ہمدرد کیوں ہو؟"

"ہمیشہ رہوں گا۔" جواب ملا۔ "لیکن اگر کبھی تم نے میرے متعلق چھان بین کرنے کی کوشش کی تو تمہاری کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا.... یہ مکان تمہیں تھوڑی دیر بعد خالی ملے گا اور تم اتنا بھی نہ معلوم کر سکو گے کہ اس کا مالک کون ہے۔"

"مجھے معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" ٹیوی نے لاپروائی سے کہا۔

"خیر اب مجھے بتاؤ کہ تم نے ساگر، خاور اور داور کو کس لئے اکٹھا کیا ہے؟"

"میں نے اکٹھا کیا ہے؟" ٹیوی کا لہجہ متحیرانہ تھا۔

"ہاں.... اور اب تم مجھے دوسری کہانی سنا رہے ہو۔ مجھ پر تہمت رکھ رہے ہو کہ میں نے خاور کو قتل کر دیا۔"

"میرا خیال تھا میں نے حتمی طور پر تو نہیں کہا۔ تم بُرا کیوں مان گئے۔"

"کیوں کیا بلنگر اُس کا خاتمہ نہیں کر سکتا؟"

"قطعی نہیں۔" ٹیوی نے سر ہلا کر کہا۔ "اُس کے لئے تو خاور ایک بہترین مہرہ ثابت ہوتا

وہ کوشش ہی کر رہا تھا کہ کسی طرح خاور اُس کا ہم خیال ہو جائے اور داور میرا ساتھ چھوڑ دے۔"

"ٹیوی....!" مجہول آدمی کا لہجہ سخت تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک اُسے اپنی خوفناک آنکھوں سے گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ مجھے خاور اور ساگر کا پتہ بتاؤ ورنہ نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔"

"کیوں بکواس کر کے میرا وقت برباد کر رہے ہو۔" ٹیوی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں جا رہا ہوں۔" لیکن وہ دروازے کی طرف مڑا ہی تھا کہ اُس کی ٹھوڑی پر ایک زوردار گھونسہ پڑا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر اُسے سنبھالا لینا ہی پڑا کیونکہ وہ نہ تو کمزور تھا اور نہ بزدل۔ یہ اور بات ہے کہ چھیڑ چھیڑ کر لڑنا اُس کی عادت نہ رہی ہو۔

وہ کافی دیر تک پٹتا اور پیٹتا رہا لیکن تا کے۔ وہ چار تھے اور ٹیوی تنہا۔ پھر وہ لڑائی بھڑائی کے گر سے بھی ناواقف تھا۔ انہوں نے اُسے گرا ہی لیا اور جب تک اُسے ہوش آیا برابر اُسے مجبور کیا جاتا رہا کہ وہ ساگر اور خاور کے متعلق زبان کھولے۔ مگر اُس کی زبان سے تو صرف گالیاں نکل رہی تھیں اور پھر کسی گالی کو ادھوری ہی چھوڑ کر وہ تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔

❋

سونیا بے خبر سو رہی تھی کہ کسی نے دروازے پر زور زور سے دستک دی۔ آنکھ کھلتے ہی اُسے سخت غصہ آیا۔ ایسی بدتمیزی کی توقع اُسے ٹیوی سے نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن ٹیوی کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ ملازموں میں اتنی جرأت کہاں کہ اس انداز میں دستک دیں گے۔

"کون ہے؟" وہ جھلا کر چیخی۔

"ہجور.... میم صاحب۔" اُس نے چوکیدار کی آواز پہچانی اور اٹھ کر شب خوابی کا لبادہ لپیٹتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔

اور پھر چوکیدار نے اُسے ایک بوکھلا دینے والی خبر سنائی۔ اُس نے بتایا کہ ٹیوی اس وقت کولون ہاسپٹل میں ہے۔ پچھلی رات وہ گھر نہیں واپس آیا تھا۔ خود سونیا جب دس بجے گھر آئی تھی تو اُس نے اُسے موجود نہیں پایا تھا۔ پھر ساڑھے بارہ بجے تک وہ اُس کا انتظار کرنے کے بعد سو گئی تھی۔

اور اب اس وقت چوکیدار کہہ رہا تھا۔ "وہ بہت جکھمیں میم صاحب بے ہوش پڑے تھے سڑک پر۔ اب کالن ہسپتال سے کھبر آئی ہے۔"

"کیسے خبر آئی ہے؟"

"ٹیلی پھون پر ہجور۔"

"صاحب کی آواز تھی؟"

"ڈاگڈر صاحب کی۔"

"اوہ.... اچھا....!"

• پھر وہ بڑی بدحواسی کے عالم میں گھر سے رخصت ہوئی۔ ٹیوی پرائیویٹ وارڈ کے بستر پر پڑا کراہ رہا تھا اور دو پولیس انسپکٹرس شاید اُس کا بیان لے چکے تھے اور اب اٹھنے ہی والے تھے۔ ٹیوی کا چہرہ قریب قریب ناقابل شناخت ہو کر رہ گیا تھا۔ جگہ جگہ سیاہ اور نیلے نشانات تھے۔ ہونٹوں پر بدنما سا ورم تھا۔ پیشانی بھی متورم تھی۔ بس وہ ٹیوی کا کارٹون معلوم ہو رہا تھا۔

سب انسپکٹروں کے باہر جاتے ہی سونیا بے اختیارانہ انداز میں اُس کے بستر کے قریب دوزانو ہو گئی۔

"یہ کیسے ہوا ٹیوی؟ یہ کیا ہے.... میرے خدا۔" وہ مضطربانہ اُس کے گالوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"اُس نے دوستی کا حق ادا کر دیا۔" ٹیوی نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "مگر نہیں.... ہو سکتا ہے وہ.... وہی خطرناک آدمی ساگر رہا ہو۔"

پھر اُس نے کراہ کراہ کر ساری داستان دہرائی.... اور سونیا نے جلدی سے کہا۔ "مم.... مگر.... وہ.... ساگر تو نہیں ہو سکتا اور پھر تم جو وقت بتا رہے ہو اس دوران میں تو میں اُسے برابر دیکھتی رہی تھی اور ساڑھے نو بجے میں نے اُس سے گفتگو بھی کی تھی۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟" ٹیوی کے لہجے میں تحیر تھا۔

سونیا نے اُسے جادوگر کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ "اور وہ سچ مچ ساگر ہی نکلا۔ گریٹا اُسے الگ لے آئی تھی۔ ہم نے کچھ دیر تک تو اِدھر اُدھر کی باتیں کی تھیں پھر میں اصل موضوع کی طرف آگئی تھی۔ میں نے اُس سے کہا تھا کہ ٹیوی کی فرم اُسے ہر حال میں خوش آمدید کہے گی اور ملازمت میں آجانے کے بعد ہی وہ کم از کم ایک سال تک تو بلنگر کے آدمیوں کے حملے سے محفوظ ہی رہ سکے گا۔ اس پر اُس نے ہنس کر کہا تھا میں تو اس وقت بھی محفوظ ہوں۔ میں نے خاور کا حوالہ دیا تو بولا خاور جیسے بھی میری جیب میں پڑے رہتے ہیں۔"

"تو اُس نے کیا کہا؟"

"ملازم کی حیثیت سے وہ نہیں رہ سکتا۔ اُس کے حوصلے بہت بلند ہیں۔ اُس نے تمہارے بزنس کا حصہ دار بننے کی خواہش ظاہر کی تھی اس لئے میں نے اُس پر لعنت بھیج دی۔"

"اوہ.... تم نے بُرا کیا سونی ڈارلنگ.... وہ جس قیمت پر بھی آئے اسے لاؤ۔ مجھے ایک

نہائی چالاک اور سازشی آدمی کی ضرورت ہے۔ وہ کتنے کا حصہ چاہتا ہے۔"

"صرف دس فیصد....!"

"میں اُسے بیس دوں گا۔ تم معاملات طے کر لو۔"

"مگر.... کرو گے کیا۔ وہ تمہارے کس کام آسکے گا....؟"

"اوہ.... وہ بڑا شاطر آدمی معلوم ہوتا ہے۔" ٹیوی نے کراہ کر کہا۔ "میں اُسے اس مردود کے پیچھے لگاؤں گا۔"

"مگر وہ اُسے ملے گا کہاں؟ ہاں پولیس نے اُس مکان کی تلاشی تو لی ہی ہو گی جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں ملا وہاں اور ابھی تک یہی نہیں معلوم ہو سکا کہ اُس کا مالک کون ہے۔"

"اسے اچھی طرح سوچ لو۔ ساگر بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے کہیں وہ تمہیں کسی نئی مصیبت میں نہ پھنسا دے۔"

"میں اُس مردود کو فنا کر دینے کے سلسلے میں ڈوب جانا بھی پسند کروں گا۔ آخر وہ ہے کون؟ مجھ سے کیا چاہتا ہے.... یا.... یا.... دیکھو سونی میں سوچتا ہوں کہ کہیں وہ اب تک میری آڑ میں کوئی حرکت نہ کرتا رہا ہو۔"

❁

ایک ہفتے میں ٹیوی چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ اس دوران میں سونیا نے ساگر سے نہ صرف سارے معاملات طے کر لئے تھے بلکہ خود بھی طے ہو کر رہ گئی تھی۔ یعنی کہ وہ نہ جانے کیوں یہ محسوس کرنے لگی تھی کہ جیسے ابھی تک اُس کی زندگی میں صرف ساگر ہی کی کمی رہی ہو۔ وہ ایک کھلنڈرا اور ہنس مکھ آدمی ثابت ہوا تھا.... یہی نہیں بلکہ اُس کے کئی جوہر بھی کھلے تھے۔ وہ بہترین میک اپ کر سکتا تھا آواز بدل سکتا تھا.... اور نہ جانے کس کس الا بلا کا ماہر تھا۔ اُس نے ٹیوی کو اُس کی ساری خصوصیات بتائیں اور ٹیوی کی باچھیں کھل گئیں لیکن ابھی دونوں کا سامنا نہیں ہوا تھا۔

یک بیک ایک دن روستمبا کے اخبارات میں ایک اعلان دیکھا گیا۔ ٹیوی کے کاروبار کا ایک حصہ دار بھی پیدا ہو گیا تھا۔ کنور سعید.... جس کے ہاتھوں کسی رقم کے عوض ٹیوی نے اپنا آدھا کاروبار فروخت کر دیا تھا۔

اسی شام کو سونیا کنور سعید کے ساتھ روستمبا کی سب سے بڑی تفریح گاہ بلیو مون کلب میں

دیکھی گئی۔ وہ اُس سے کہہ رہی تھی۔ "ساگر! اس وقت تم سچ مچ شہزادے ہی لگ رہے ہو۔"

"شہزادے گدھے تو نہیں لگتے۔" ساگر نے جواب دیا۔

"ٹیوی سے تمہاری کیا گفتگو ہوئی تھی؟"

"کچھ بھی نہیں۔ تم نے بیس فیصد کی تھی اُس نے پچاس فیصد کا حصہ دار بنا دیا۔"

"میں جان نہیں سکتی کہ یہ معاملہ رواروی میں طے ہو گیا ہو۔"

"کیا ٹیوی نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟"

"نہیں...!"

"اوہ.... شاید وہ تم پر اعتماد نہیں کرتا۔" ساگر نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

"خیر یہ میرا نجی معاملہ ہے کہ وہ مجھ پر اعتماد کرتا ہے یا نہیں۔ تم مجھے وہ بات بتاؤ جو اُس نے مجھ سے چھپائی ہو۔"

"تاکہ وہ مجھ پر بھی اعتماد کرنا چھوڑ دے۔" ساگر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اوہ.... شاید تم نے اُس کے ساتھ کوئی فراڈ کیا ہے۔"

"بھئی اگر غلطی سے کوئی فراڈ ہو گیا ہو تو نہیں کہہ سکتا۔ ویسے دیدہ دانستہ میں نے کوئی فراڈ نہیں کیا۔ بات دراصل یہ ہے کہ اکثر....!"

"ہاں.... خاموش کیوں ہو گئے؟"

"کچھ نہیں.... کوئی بات نہیں.... وہ دیکھو.... گریٹا.... شاید وہ مجھے تلاش کر رہی ہے۔ مگر افسوس اب وہ مجھے نہ پہچان سکے گی۔"

گریٹا سیدھی اُن کی میز کی طرف آئی۔ سونیا کو اُس کی آمد گراں گزری تھی۔ لیکن پھر بھی اس نے مسکرا کر اُسے ساتھ بیٹھنے کی دعوت دی۔

"وہ اب وہاں بھی نہیں ہے۔" گریٹا نے کہا۔

"میں نے تو اب اُس کا خیال ہی ترک کر دیا ہے۔" سونیا بولی۔

گریٹا نے ایک اچٹتی سی نظر ساگر پر ڈالی جو اس وقت کنور سعید کے روپ میں تھا اور اُس کا دعویٰ تھا کہ اس میک اپ میں اُسے بحیثیت ساگر کوئی بھی نہیں پہچان سکتا۔

"مگر تم اس طرف کیسے آ نکلی تھیں؟" سونیا نے گریٹا سے پوچھا۔

"مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم ادھر ہی آئی ہو.... میں نے سوچا ممکن ہے تمہیں اُس کے موجودہ پتہ کا علم ہو۔"

"میں کہتی ہوں کہ تم بھی اُس کے چکر میں نہ پڑو۔ خطرناک آدمی ہے۔ اُس نے ٹیوی کی ملازمت کا مضحکہ اڑایا تھا۔ پتہ نہیں وہ روستمبا میں کیا کرنا چاہتا ہے۔"

"خیال ہے اپنا اپنا۔" گریٹا نے کہا۔ "میں اُسے بُرا آدمی نہیں سمجھتی۔ پھر ہم میں سے کون اچھا ہے۔"

"معاف کرنا.... میں اب چلوں گی۔"

شاید گریٹا کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ وہ اٹھی اور صدر دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

"یہ لڑکی تم پر بُری طرح ریجھی ہے۔" سونیا ساگر کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

"فہرست بہت طویل ہے۔" ساگر نے ٹھنڈی سانس لی۔ "لیکن جس دن بھی مجھے کسی کے عشق پر یقین آیا وہی میری زندگی کا آخری دن ہو گا۔"

"اونہہ....!" سونیا نے بُرا سامنہ بنایا۔ "تمہیں اپنے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے۔ خیر ہٹاؤ! ہاں تم نے یہ آٹھ ہزار روپے اُس کے نام سے کیوں جمع کرائے ہیں....؟"

"وہ ایک شریف لڑکی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اُس کے پاس کم از کم آٹھ ہزار روپے تو ہونے ہی چاہئیں۔"

"ہوں.... یہ کیوں نہیں کہتے کہ وہ تمہیں پسند آئی ہے۔"

"میں بہت بُرا آدمی ہوں لیکن اچھے لوگ مجھے پسند آتے ہیں۔"

"تم عجیب ہو۔"

"عجیب ترین کہو۔ کیونکہ میں تفریحاً فراڈ کرتا ہوں۔"

"ٹیوی بھی کوئی بھولا بچہ نہیں ہے۔ اسے ہمیشہ یاد رکھنا۔ اُس نے صرف اُس نامعلوم آدمی سے نپٹنے کے لئے تم سے تعاون کیا ہے۔"

"اور اُسے تعاون پر افسوس نہیں ہو گا۔ چھوڑو کہاں کی باتیں لے بیٹھی ہو۔ اب میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری آنکھیں کتنی حسین ہیں۔"

"ہشت۔" سونیا نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔ "مجھے اپنے حسن سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"آہا.... تو کیا میں اسے خوش فہمی سمجھوں گا۔" ساگر نے قہقہہ لگایا اور پھر یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

"کیوں کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔" ساگر صدر دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

سونیا کو وہاں بوشن نظر آیا۔ اس نے گریٹا کی کلائی پکڑ رکھی تھی لیکن انداز سے ایسا معلوم

ہو رہا تھا جیسے اُس کی وہ حرکت غیر معمولی نہ ہو۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ گریٹا کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں۔ آنکھوں میں احتجاج رہا ہو۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُسے زبردستی کھینچ لایا ہو۔

"اس کا مطلب ہے ہنگامہ۔" ساگر نے دانت پیس کر آہستہ سے کہا۔

بے ہوش آدمی

سونیا کا دل دھڑکنے لگا اور اُس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "نہیں دیکھو تم کنور سعید ہو۔ اس وقت تمہاری حیثیت دوسری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کھیل بگڑ جائے۔"

"مجھے یاد ہے کہ میں کنور سعید ہوں۔ مگر ہنگامہ ضرور ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں یہ بھی بلنگر کے آدمیوں کی ایک چال ہے۔ انہوں نے اب میرے لئے گریٹا کا تعاقب شروع کر دیا ہے۔ شاید اس وقت انہیں شبہ ہو گیا ہے کہ میں یہیں موجود ہوں۔ اسی لئے بوشن اُسے اس طرح یہاں کھینچ لایا ہے.... ہاہا.... بلنگر کنور سعید کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہے۔ واہ....!"

"دیکھو.... تم اپنی جگہ سے ہلنا بھی مت۔"

"اوہ.... لڑکی بے حد پریشان نظر آ رہی ہے۔ کتنی بے بسی ہے اُس کی آنکھوں میں۔"

"میں کہتی ہوں تم اس وقت کچھ نہیں کر سکتے۔ کھیل بگڑ جائے گا۔"

"میں یہیں بیٹھا رہوں گا اسی طرح.... لیکن بوشن اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ کیا یہ خیال ہے کہ میں تنہا ہوں۔ ارے میرے آدمیوں کو اشارہ مل چکا ہے۔ ابھی تم دیکھ ہی لو گی۔"

بوشن ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ یک بیک اُس نے گریٹا کا ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ تیزی سے صدر دروازے کی طرف مڑ گئی۔ سونیا نے اُسے باہر جاتے دیکھا لیکن بوشن اُس سے لاپرواہ نظر آ رہا تھا کہ وہ موجود بھی ہے یا چلی گئی۔ اس کی نظریں سونیا کی میز پر رک گئی تھیں اور اب وہ کنور سعید کو گھور رہا تھا۔ سونیا نے کنکھیوں سے ساگر کی طرف دیکھا جو بے تعلقانہ انداز میں پائپ کے کش لے رہا تھا۔

بوشن اُن کی میز کی طرف بڑھا لیکن اُس کے ہونٹوں پر ایسی ہی مسکراہٹ تھی جیسے وہ سونیا کا بے حد احترام کرتا ہو۔

"کیا میں یہاں بیٹھنے کی جرأت کر سکتا ہوں مس صاحبہ؟"

"کیوں نہیں....!" سونیا کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

"میں شکریہ ادا کرتا ہوں محترمہ....!" بوشن بیٹھتا ہوا بولا۔

اب ساگر نے اُس پر اس طرح نظر ڈالی جیسے اُسے بے حد حقیر سمجھتا ہو اور اُس کا قریب بیٹھنا بے گراں گزرا ہو۔

"میں ٹیوی صاحب کی خیریت دریافت کرنا چاہتا ہوں۔" بوشن نے سونیا سے کہا۔

"وہ اب ٹھیک ہے۔"

"مگر آج تک اس حادثے کے متعلق کسی کو کچھ بھی نہ معلوم ہو سکا۔"

"اگر تم اس مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتے ہو تو میں معذوری ہی ظاہر کروں گی کیونکہ اُس نے مجھے بھی کچھ نہیں بتایا۔ ویسے کیا تم لوگوں کو اُس رپورٹ پر یقین نہیں ہے جو اُس نے پولیس کو دی تھی۔"

"ٹیوی صاحب کے بیان کے مطابق حملہ آور نامعلوم تھے۔ وہ کسی کو بھی نہیں پہچان سکے تھے.... مگر کیا یہی حقیقت بھی تھی؟"

"تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو اور میں کیوں جواب دوں اس بات کا؟"

"یہ بہت ضروری ہے محترمہ کیونکہ پولیس ہمیں پریشان کر رہی ہے.... آپ جانتی ہیں کہ ہمارے درمیان کاروباری مناقشوں کے علاوہ اور کوئی چیز کبھی نہیں رہی۔ معاہدوں کا پاس ہم اس حد تک کرتے ہیں کہ داور سرِ راہ میری توہین کرنے کے باوجود بھی آج تک زندہ ہے۔"

"آہا.... تو کیا تم اُسے مار ڈالتے؟" سونیا مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسی۔

"یقیناً محترمہ....!"

"اچھی بات ہے تو اب مقابلے کے دوران میں اُسے مار ہی ڈالنے کی کوشش کرنا۔"

"میری گذارش صرف اتنی ہے کہ ٹیوی صاحب کو بلنگر صاحب کی پوزیشن صاف کر دینی چاہئے۔"

"تو ٹیوی سے براہِ راست گفتگو کرو۔ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"آپ بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ غالباً ٹیوی صاحب کے لئے کوئی حصہ دار پیدا کرنے کی مہم بھی آپ ہی نے سرانجام دی تھی۔"

"تم جا سکتے ہو۔" یک بیک سونیا کو غصہ آ گیا۔

"میں یہاں بیٹھنے کے لئے نہیں آیا۔" بوشن ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

"لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اب اٹھ ہی جاؤ۔" دفعتاً ساگر غرایا۔

"اوہ.... آپ کی تعریف....؟"

"میں کہتا ہوں اٹھ جاؤ۔"

"کنور.... پلیز....!" سونیا نے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

بوشن بے حیائی کی ہنسی ہنستا ہوا اٹھ گیا۔ لیکن سونیا اس ہنسی میں ایک قسم کا چیلنج محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔

ساگر اُس کے جانے کے بعد پُر سکون نظر آ رہا تھا۔ جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ پھر کچھ دیر بعد اُس نے سونیا سے کہا۔ "کیا یہ ممکن نہیں ہے.... کہ بلنگر ہی نے ٹیوی کو پٹوایا ہو؟"

"بظاہر کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔ بوشن نے غلط نہیں کہا تھا کہ ہمارے درمیان کاروباری چپقلش کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے جس کے سلسلے میں صرف پہلوان ہی پٹ سکتے ہیں۔ ٹیوی کا پٹ جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔"

"کیوں! کیا ٹیوی اس طرح خوفزدہ ہو کر خود ہی داور کو بوشن کے مقابلے سے نہیں ہٹا سکتا۔ بلنگر دراصل یہی چاہتا ہے کہ یہ مقابلہ نہ ہو۔ لیکن اگر بوشن پیچھے ہٹتا ہے تو فرم کی ساکھ بگڑتی ہے۔ البتہ داور خود ہی بیٹھ جائے تو کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔"

سونیا کسی سوچ میں پڑ گئی پھر بولی۔ "ہاں.... یہ ممکن ہے۔ لیکن بلنگر یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ مقابلہ داور یا ٹیوی کی موت ہی کی صورت میں رک سکتا ہے لیکن وہ دونوں زندہ ہیں۔ یہ بھی سوچا جا سکتا ہے کہ ٹیوی کو حراساں کرنے کے لئے یہ حرکت کی گئی ہو۔ مگر وہ نامعلوم آدمی بلنگر تو ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اکثر ٹیوی کے حق میں بلنگر کو چوٹیں بھی دیتا رہا ہے۔"

"مثال کے طور پر....؟"

سونیا کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "ابھی پچھلے ہی سال کی بات ہے ایک بڑی اچھی جوڑی کا مقابلہ ٹھہرا تھا۔ دونوں طرف کے پہلوان اپنی مثال آپ تھے۔ دونوں طرف بے تحاشہ ٹکٹ بکے.... ٹیوی کا خیال تھا کہ اُس کا پہلوان ہر حال میں کامیاب رہے گا۔ لیکن جب مقابلہ شروع ہوا تو اُس کا پہلوان کچھ دبتا ہوا سا نظر آنے لگا۔ تیسرے راؤنڈ میں تو یقین کر لیا گیا کہ وہ اسی راؤنڈ یا چوتھے راؤنڈ میں لازمی طور پر ختم ہو جائے گا۔ مگر تیسرا راؤنڈ بخیر وخوبی ختم ہوگیا۔ البتہ ٹیوی کے پہلوان کی حالت ابتر تھی۔ اُس کے مخالفین چوتھے راؤنڈ میں اُس کے ناک آؤٹ ہو جانے کے خیال میں مگن تھے۔ دفعتاً راؤنڈ کے درمیانی وقفے میں اُسی پُر اسرار آدمی نے ٹیوی کو فون پر مخاطب کیا اور کہا کہ وہ فوری طور پر بلنگر کے پہلوان کی شکست کا سامان مہیا کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ٹیوی نے اُس سے اس کی استدعا ہی کی ہوگی کیونکہ اپنے پہلوان کی شکست کی صورت میں اُسے بہت بڑے

خسارے کا سامنا کرنا پڑتا۔ بس تو پھر یقین جانو کہ چوتھے ہی راؤنڈ میں بلنگر کے پہلوان کا قلع قمع ہو گیا اور بے چارا بلنگر اتنا بدحواس نظر آنے لگا جیسے بس اب اُس کا ہارٹ فیل ہی ہو جائے گا.... تو نہ ہوا البتہ اُسی رات جو اُسے بخار ہوا تھا تو ایک ہفتے تک پلنگ ہی پر پڑا رہ گیا تھا۔"

"لیکن یہ کایا پلٹ ہوئی کیسے ہوگی؟" ساگر نے پوچھا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" سونیا بولی۔ "خود ٹیوی کی سمجھ میں نہیں آ سکا کہ کایا پلٹ کیسے ہوئی تھی۔ میرے خدا اس مقابلے سے کتنی بھیانک یادیں وابستہ ہیں۔"

"یعنی....؟ میں نہیں سمجھا.... بھیانک یادیں۔"

"اوہ.... بلنگر کے پہلوان کی شکست کا اعلان ہوتے ہی تماشائیوں میں سے ایک نے وہیں اُسی جگہ خودکشی کر لی تھی۔ اُس کے پاس ریوالور تھا۔"

"بہت بڑی ہار میں رہا ہوگا۔" ساگر نے پلکیں جھپکائیں۔

"خدا جانے۔ مگر اُس کے جیب میں صرف تین ٹکٹ برآمد ہوئے تھے اور ایک صرف دو روپے کا ہوتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے اُس نے اور ٹکٹ بھی لیے ہوں۔"

"کتنے لیے ہوں گے۔ یہ ایک تفریحی جوا ہے۔ اس پر کوئی اتنا زیادہ روپیہ نہیں لگاتا کہ ہار جانے پر خودکشی کی نوبت آجائے۔ یہ آج تک کا ریکارڈ ہے کہ ایک آدمی نے پچاس سے زیادہ ٹکٹ کبھی نہیں خریدے اور پھر خودکشی کرنے والا کوئی گرا پڑا آدمی بھی نہیں تھا۔ روستمبا کی ایک بڑی تحصیل کا تحصیلدار تھا۔"

"اوہ....!" ساگر نے پھر پلکیں جھپکائیں اور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

❀

کرنل فریدی اور کیپٹن حمید روستمبا کے باہر ایک کھلے میدان میں ملے تھے۔ یہ احتیاط اس لئے برتی گئی تھی کہ وہ نادانستگی میں ممکنہ تعاقب سے بچ سکیں۔ یہ ملاقات روزِ روشن میں ہوئی تھی اور انہیں اطمینان تھا کہ اُن کا تعاقب نہیں کیا گیا۔

حمید نے چھوٹتے ہی کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اتنے گھماؤ پھراؤ کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہوں.... تو کچھ کرتے رہو۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"ایک تحصیلدار کی خودکشی کا کیس اتنا چکرا دینے والا نہیں ہو سکتا کہ اُس کے لئے سال بھر پہلے سے تیاریاں کی جائیں۔"

"مقامی پولیس آج تک سراغ نہیں پا سکی حمید صاحب۔"

"کیا اس طریقے کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں تھی جو آپ نے اختیار کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ نہیں۔"

"اور آپ اسے بھی غالباً تسلیم ہی کرتے ہوں گے کہ خودکشی کی وجہ کسی پہلوان کی شکست نہیں بنی تھی۔"

"میں یہ کیوں تسلیم کروں؟"

"تحصیل دار کی جیب سے صرف تین ٹکٹ برآمد ہوئے۔ سونیا کے بیان کے مطابق ابھی تک کا ریکارڈ فی کس صرف پچاس ٹکٹ ہیں۔ ریس کی طرح لمبے جوئے کا معاملہ نہیں ہے۔ پچاس ٹکٹ صرف سو روپے کے ہوئے۔"

"خودکشی کے لئے تماشہ گاہ مناسب نہیں تھی حمید صاحب اور پھر ہار جیت کا فیصلہ ہونے سے پہلے ہی اُس نے خودکشی کیوں نہیں کی تھی.... وہ اپنی قیام گاہ پر بھی اطمینان سے کر سکتا تھا۔"

"اللہ کی یہی مرضی تھی.... آپ خدائی فوجدار ہیں۔" حمید جھنجھلا گیا اور فریدی مسکرا پڑا۔

"یہ بھی اللہ ہی کی مرضی ہے کہ ہم اس طرح جھک مارتے پھر رہے ہیں۔ تمہیں متفکر نہ ہونا چاہئے۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لئے ایک سنسنی خیز خبر اور بھی ہے۔"

"سنایئے....!" حمید نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"کیوں؟" فریدی کے لہجے میں تحیر تھا۔ "تم بہت ڈھیلے ڈھالے نظر آ رہے ہو۔ کیا سونیا بہت بور ثابت ہوئی ہے۔"

"مجھے اب کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ جب سے عورتوں کی پیدائش بند ہوئی ہے میرا جی نہیں لگتا۔ دنیا سے اب تو خدا اٹھا ہی لیتا تو اچھا تھا۔"

"کیا مطلب.... پیدائش بند ہوئی ہے؟"

"ارے یہ عورتیں ہیں؟ جن میں نسائیت نام کو بھی نہیں ہے۔ اُن کی ہم جلیسی میں ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہوتا کہ واسطہ جنس مقابل سے ہے۔"

"خیر.... ہاں.... تو میں تمہیں یہ بتانے والا تھا اُس تحصیل دار کی تحویل میں ڈیڑھ لاکھ روپے تھے جن کا پتہ آج تک نہیں چل سکا۔"

"مجھے یقین ہے کہ اگر اُس نے وہ ڈیڑھ لاکھ روپے بلنگر کے پہلوان پر لگائے ہوتے تو.... مگر نہیں....!"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"کچھ نہیں! سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جب کہ ریکارڈ پچاس ٹکٹوں سے زیادہ کا نہیں رہا اور پھر وہ ایسا گدھا ہے جو دو روپے ٹکٹ والے جوئے پر ڈیڑھ لاکھ لگا بیٹھے۔"

"یہی تو دیکھنا ہے۔"

"دیکھتے جایئے۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔ "قاسم الگ بور ہو رہا ہے۔ وہ کہتا ہے ٹھینگے پر گئی پہلوانی کہ کوئی کسی عورت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ اُسے آج کل سونیا سے عشق ہو گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا.... یوں مسکراتی ہے.... یوں.... یوں"

"اُسے قابو میں رکھو۔ اتفاقات نے تمہیں اُس تک پہنچا دیا ہے۔ تمہارا ٹیوی تک پہنچنا میری اسکیم میں نہیں تھا۔ معمولی میک اپ میں تمہیں جگر اس لئے بنایا گیا تھا کہ بوشن یا اُس کے آدمی تمہیں پہچان لیں اور پھر میں اس کا ردعمل نوٹ کر سکوں۔ مگر اس کی بجائے تمہیں ٹیوی نے ڈھونڈ نکالا۔"

"آخر آپ چاہتے کیا تھے۔ خاور اور خاور کا قتل کیا معنی رکھتا تھا؟"

فریدی مسکرایا۔ سگار کے دو تین ہلکے ہلکے کش لیے اور بولا۔ "اس کا مقصد صرف اتنا تھا کہ ٹیوی تک خاور کے قتل کی اطلاع پہنچ جائے۔"

"اس سے آپ کس نتیجے پر پہنچنے کے متوقع تھے؟"

"بس صرف ردعمل دیکھنا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "مگر وہ اس شکل میں ظاہر ہوا کہ تم مجھے اس وقت ایک ایسے آدمی کی کہانی سنا رہے ہو جس کی شخصیت کا علم خود ٹیوی کو بھی نہیں ہے اور جس کی کسی حرکت کی بناء پر بلنگر کا جیتا ہوا پہلوان ہار گیا تھا۔"

"میں نے ابھی تک تو نہیں بتایا آپ کو۔" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ٹیوی نے تمہیں محض اسی لئے پارٹنر بنایا ہے کہ تم اُسے اُس نامعلوم آدمی کے حملوں سے محفوظ رکھ سکو۔"

"مگر آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"یہاں روستمبا میں اکیلے تم ہی تو نہیں ہو میرے ساتھ۔ اُس رات ایک طرف سونیا تم پر ڈورے ڈال رہی تھی اور دوسری طرف ٹیوی پٹ رہا تھا۔"

"اوہ.... تب تو آپ کو اُس آدمی کی شخصیت کا علم ہو گیا ہو گا۔"

"وہ میری نظروں میں آ چکا ہے۔"

"ہوں.... تو پھر اب کیا باقی بچا ہے؟"

"اُس آدمی کا طریق کار..... اور ان حرکات کا مقصد معلوم کرنا ہے اور اسی پر اس کیس پر کامیابی یا ناکامی کا دارومدار ہوگا۔ میری دانست میں اس کے لئے قاسم اور بوشن کا مقابلہ ناگزیر ہے۔ مجھے دیکھنا ہے کہ اس سلسلے میں وہ نامعلوم آدمی کون سا قدم اٹھاتا ہے۔"

"وہ قدم ٹیوی کے خلاف تو نہیں ہو سکتا۔ میری دانست میں اُس نے ابھی تک جو کچھ بھی کیا ہے ٹیوی کے حق ہی میں کیا ہے۔"

"تو پھر ٹیوی کی مرمت کیا معنی رکھتی ہے؟" فریدی نے کہا۔

"وہ خاور کی وجہ سے ہوئی تھی۔"

"یعنی.....؟"

اب حمید نے پوری داستان دہراتے ہوئے کہا۔ "وہ ٹیوی سے خاور کے متعلق کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ ٹیوی نے خاور کے قتل کا الزام اُس پر رکھ دیا اور وہ ٹیوی کو قاتل سمجھتا رہا۔ پھر جب یہ بات صاف نہ ہو سکی تو اُس نے ٹیوی کی مرمت کرادی۔ ظاہر ہے ٹیوی کو اُس کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں تھا..... بتاتا کیا۔"

"خاور اُس کے لئے الجھن کا باعث بن گیا ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"نہ صرف خاور بلکہ..... ساگر اور داور بھی۔" حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہم سے بے شمار غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔"

"کیا مطلب.....؟"

"ٹیوی کے بیان سے میں نے اندازہ کیا ہے جیسے وہ نامعلوم آدمی ہم تینوں کو کسی سازش کا بانی سمجھتا ہو یعنی ہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کا دشمن نہیں ہے بلکہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے ہماری ملی بھگت سے ہو رہا ہے۔ اگر وہی ہمارا شکار ہے تو یہ سمجھ لیجئے کہ اب وہ بہت زیادہ محتاط ہو جائے گا۔"

"تم اس فکر میں نہ پڑو۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ وہ کتنا محتاط ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اچھا خاصا ڈفر ہے۔ تم بس قاسم کو سنبھالے رکھو۔ یہ مقابلہ ہر حال میں ہوگا۔"

"اگر بلنگر کی طرف سے کوئی حرکت نہ ہوئی تو.....؟"

"بلنگر کے لئے دو آدمی ہیں۔" فریدی بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔ "ایک میں اور دوسرا نامعلوم آدمی..... تم صرف قاسم کو سنبھالو۔"

❀

داور کو سنبھالنا آسان کام نہیں تھا۔ مقابلے شروع ہو گئے تھے۔ لیکن ابھی بوشن اور داور کی

ی نہیں آئی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ایک جوڑی کے مقابلے کا تصفیہ ایک ہی رات میں ہو جاتا اور ثر ایسا بھی ہوتا کہ ایک ہی جوڑی تین تین دن تک لڑتی رہتی لیکن آخر کار ان میں سے ایک کو رنا ہی پڑتا۔

ایک رات جب داور، کنور سعید اور سونیا ایک جوڑی کا مقابلہ دیکھ رہے تھے داور، کنور سعید پر بڑ گیا اور کنور سعید کو وہاں سے اٹھ جانا پڑا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ داور کی ذہنی رو بہک گئی ہے۔ وہ شکل ہی سے قابو میں آسکے گا۔ لہٰذا ایک تماشہ گاہ میں اُس کا قرب کنور سعید کی پوزیشن گرادیتا۔

پھر سونیا ہی داور کے ساتھ رہ گئی۔ اُس نے کہا۔ "دیکھو خاموش رہو۔ تم ایک پبلک مقام پر ہو۔"

"پبلک کی ایسی کی تیسی۔ پھر وہ سالا مجھے غصہ کیوں دلاتا ہے۔"

"چلو اٹھو یہاں سے۔"

"میں قیوں اٹھوں" داور نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آس پاس کئی لڑکیاں بیٹھی ے گھور رہی تھیں۔ اس سے پہلے وہ بھی انہیں گھورتا رہا تھا اور یہی چیز جھگڑے کا باعث بنی فی۔ کنور سعید نے اُسے ٹوکا تھا اور وہ ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔

"میرا کہنا نہیں مانو گے؟" سونیا بولی۔

"تو پھر تم ہی مجھ سے محبت کرو۔" داور کی زبان سے شاید بے اختیارانہ طور پر نکلا تھا۔

"کیا بکواس ہے۔" سونیا جھلا گئی اور پھر داور کو ہوش آیا کہ اُس سے گدھا پن سرزد ہوا ہے۔

"مم..... میں..... یعنی کہ..... ہی ہی..... خفا نہ ہو جانا..... میں تو یہ کہہ رہا تھا..... یہ کہہ رہا تھا کہ ای ای ای..... ٹھینگے سے..... میں جا رہا ہوں۔"

وہ اٹھا اور کرسیوں کے درمیان سے گزرتا ہوا تماشائیوں کے احتجاج کی پرواہ کئے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔

❀

آج داور اور بوشن کے مقابلہ کا دن تھا۔ اس دوران میں اس مقابلے کی اتنی پبلسٹی ہوئی تھی کہ لوگ اچھے خاصے ذہنی ہیجان میں مبتلا ہو کر رہ گئے تھے۔ بہت کم آدمیوں کو بوشن سے ہمدردی تھی۔ بلنگر اپنے انداز میں پبلسٹی کرا رہا تھا اور ٹیوی اپنے انداز میں۔ ایک "لاف و گزاف" خود بوشن کی طرف سے شائع ہوئی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ جھگڑے میں اُس کا پٹ جانا محض ایک اتفاق تھا اور وہ نشے میں بھی تھا اب وہ دیکھے گا کہ داور کتنے پانی میں ہے۔

دوسری طرف ایک کہنہ مشق فائٹر کا سرٹیفکیٹ بطور اشتہار اخبارات میں شائع ہو رہا تھا جس

کی رو سے داور ایک ماہر مکا باز تھا اور کسی ہاتھی کی طرح طاقت ور..... یہ سر ٹیفکیٹ ٹیوی نے سینکڑوں روپے صرف کر کے حاصل کیا تھا۔

شام تک ہیجان کافی بڑھ گیا، تماشہ گاہ کے باہر تل رکھنے کی جگہ نہ رہ گئی تھی۔ پہلوانوں کے ٹکٹ تو دن بھر شہر کے مختلف حصوں میں فروخت ہوتے رہے تھے لیکن اس وقت تماشہ گاہ میں داخلے کے ٹکٹ حاصل کرنے میں لوگوں کو دشواری پیش آ رہی تھی۔

لوگوں کا خیال تھا کہ اس جوڑی کا مقابلہ اس سیزن کا سب سے بڑا مقابلہ ہو گا۔ کیونکہ بوشن نے آج تک کسی سے شکست نہیں کھائی تھی۔

گریٹا بھی تھی اس بھیڑ میں اور سوچ رہی تھی کہ شاید داخلے کا ٹکٹ حاصل کرنے میں اُسے کامیابی نہ ہو۔ جوئے سے اُسے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو ساگر کی تلاش میں یہاں آئی تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ ساگر یہ مقابلہ دیکھنے ضرور آئے گا۔ اس لئے جو بھی اُس کے سامنے پڑ جاتا اُس کا جائزہ بغور لیتی تھی۔ اچانک سونیا سے ملاقات ہو گئی اور اُس نے اُسے تماشہ گاہ میں چلنے کی دعوت دی۔ ٹیوی اور بلنگر کی فرموں کے کارکنان کسی کو بھی اپنے ساتھ تماشہ گاہ میں لے جا سکتے تھے۔ پتہ نہیں گریٹا کو سونیا سے الجھن ہونے لگی تھی۔ اُس کا قرب اُسے عجیب قسم کی بے چینی میں مبتلا کر دیتا تھا۔

رنگ میں ابھی سناٹا تھا اور چاروں طرف کرسیاں پُر ہونی شروع ہو گئی تھیں۔

"وہ تمہارے کنور سعید کہاں ہیں؟" گریٹا نے سونیا سے پوچھا۔

"کیوں؟"

"تم آج کل اُس کے ساتھ زیادہ دیکھی جاتی ہو؟"

"ہاں.....!" سونیا نے لاپروائی سے جواب دیا۔ اور پھر اُس کے بعد گریٹا نے ساگر کا تذکرہ چھیڑ دیا تھا۔ سونیا نے اُسے بتایا کہ ساگر اُسے پھر کبھی نہیں دکھائی دیا تھا۔ گریٹا چپ ہو رہی۔

"ارے تمہیں اس کی فکر کیوں ہے۔ اُسے جہنم میں جھونکو۔ آٹھ ہزار تو ہتھیا ہی لئے۔"

"میں اُس کے روپے واپس کرنا چاہتی ہوں۔"

"پاگل ہوئی ہو؟" سونیا کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "واپس ہی کرنا ہے تو ٹیوی کو واپس کرو۔"

"ٹیوی سے مجھے نہیں ملے تھے۔" گریٹا کے لہجے میں بیزاری تھی۔

پھر مقابلے شروع ہونے کی گھنٹی بجنے لگی..... چاروں طرف سناٹا چھا گیا تھا۔ گریٹا اب بھی ساگر کو تلاش کر رہی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اس مقابلے کو چھوڑے گا نہیں۔

دفعتاً بوشن رنگ میں دکھائی دیا۔ اُس کے ساتھ بلنگر کی فرم کا اناؤنسر بھی تھا۔ اُس نے بوشن
ھ پکڑ کر اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"خواتین و حضرات۔ یہ بوشن ہے۔ روستما ہی نہیں بلکہ پورے ملک کا مانا ہوا جیالا۔ اس نے ج تک کسی سے بھی شکست نہیں کھائی۔ اب تک اٹھارہ بہت بڑے مقابلوں میں حصہ لے چکا ے۔ آج اس کا دیو سے مقابلہ دیکھئے۔"

بہت کم تماشائیوں نے تالیاں بجائیں۔ زیادہ تر لوگ داور کو دیکھنے کے لئے بے چین تھے ں نے بیچ بازار میں بوشن کو پیٹ دیا تھا۔

❋

داور سرخ رنگ کی ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس تھا۔ جیسے ہی وہ رنگ میں داخل ہوا شور سے کان ٹنے لگے۔ ٹیوی کی فرم کے ایک آدمی نے جو اونچائی میں اُس کے سینے تک تھا اُس کا ہاتھ اٹھانے ی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ آخر داور ہی نے اُسے گود میں اٹھالیا اور بائیں ہاتھ پر سنبھالے رہا۔ ب اُس آدمی نے اُس کا داہنا ہاتھ اٹھایا اور تماشائی بے تحاشہ ہنس پڑے۔ داور شاید بڑی موج میں ھا اور کیوں نہ ہوتا جب کہ اُسے تماشائیوں میں صرف عورتیں ہی نظر آ رہی تھیں حالانکہ وہ ردوں کی چوتھائی کے برابر تعداد میں بھی نہیں تھیں۔

ٹیوی کے اناؤنسر نے تماشائیوں کو مخاطب کیا۔ "خواتین و حضرات۔ میں صرف اتنا کہوں گا یہ داور دیو زاد ہے۔"

"نہیں بے..... داور زندہ باد۔" داور بڑبڑایا۔ لیکن اس وقت اُس کی کھوپڑی ہوا سے باتیں ر رہی تھی کیونکہ عورتیں ہاتھ ہلا ہلا کر اُسے پکار رہی تھیں۔ کیوں نہ پکارتیں جب کہ انہوں نے ُس کے پچاس پچاس ٹکٹ خریدے تھے اور انہیں توقع تھی کہ ذرا ہی سی دیر میں اُن کی رقومات ُگنی ہو جائیں گی۔

اس نے بوکھلاہٹ میں اناؤنسر کو چھوڑ دیا جو دھپ سے نیچے گرا اور جلدی سے اٹھ کر بھاگ لا۔ ایک بار پھر قہقہے بلند ہوئے۔ ادھر ریفری نے مقابلے کی سیٹی بجائی۔

داور اور بوشن اپنے گاؤن اتارتے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے آ گئے۔ بوشن حملہ کرنے ے لئے پینترے بدلنے لگا تھا۔

"ہا میں..... یہ کیا کر رہے ہو بیٹا۔" داور نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ وہ خود کو لاپرواہ ظاہر رنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتنی عورتیں تو اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ لہٰذا اس وقت اُسے یہی

مناسب معلوم ہوا کہ وہ کسی فلمی ہیرو کی نقل اتارنے کی کوشش کرے۔ وہ ایکٹنگ ہی کے چکر میں رہ گیا اور بوشن نے دو چار ہاتھ جڑ دیئے۔

”مارے جاؤ.... سالے۔“ داور دہاڑا اور مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ ایسا مقابلہ شاید ہی کبھی نظروں سے گذرا ہو۔ پھر یک بیک بوشن نے ایک ہاتھ اُس کی توند پر بھی رسید کر دیا اور داور بلبلاتا ہوا دہرا ہوا ہی تھا کہ بوشن نے کھوپڑی پر دو ہتھڑ مارا۔

”ابے پیٹ کی نہیں ہوتی۔“ داور دھاڑتا ہوا منہ کے بل نیچے چلا آیا۔

صرف بوشن کے ٹکٹ خریدنے والوں نے قہقہے لگائے اور بقیہ لوگوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ پھر کسی گوشے سے آواز ابھری.... ”بے ایمانی.... بے ایمانی... دونوں مل گئے ہیں۔“

”ٹھینگے سے مل گئے ہیں۔“ داور زمین سے اٹھتا ہوا دہاڑا اور دونوں ہاتھوں کو تیزی سے گردش دی۔ جھلاہٹ میں چلتے ہوئے ہاتھ بوشن کے بائیں شانے پر پڑے اور وہ زمین سے اکھڑ کر رنگ کے گرد تنی ہوئی رسی سے جا ٹکرایا۔ پھر توازن برقرار نہ رکھنے کی بناء پر رنگ کے باہر الٹ گیا۔

اس پر اتنا شور بلند ہوا کہ کانوں میں سیٹیاں سی بج اٹھیں۔

”دونوں ملے ہوئے ہیں۔“ داور کسی دل جلی بڑھیا کی طرح لچک کر طنزیہ لہجے میں چیخا۔

بلنگر کے آدمی بوشن کو اٹھنے میں مدد دے رہے تھے۔ اُس کے جسم پر کئی جگہ خراشیں آگئی تھیں۔ وہ پھر رنگ میں آیا۔ بہت زیادہ جھلایا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن اس بار داور کی زد سے بچتا ہی رہا۔ اب وہ بھاگ کر حملے کر رہا تھا۔ داور بے چارے میں دوڑنے کی سکت کہاں؟ اگر پہاڑوں سے متحرک ہو جانے کی توقع کی جا سکتی ہو تو اُسے بھی دوڑنے میں تکلف ہو سکتا تھا۔

بہر حال نتیجہ یہ ہوا کہ بوشن بھاگ بھاگ کر اُسے پیٹنے لگا۔ یہ چلت پھرت والے حملے اتنے بھرپور نہیں ہو سکتے تھے کہ داور گر جاتا۔ بس وہ بھی پلٹتا ہی رہا۔ اُس کے بہی خواہ اُس کے نام کے نعرے لگا لگا کر دل بڑھا رہے تھے۔ مگر اُس کے کانوں سے صرف عورتوں کی آوازیں ٹکرا رہی تھیں۔

”داور.... شاباش.... مارو بڑھ کر....!“

”اے کا سے مارے داور....!“ وہ جھنجھلاہٹ میں ناک پر انگلی رکھ کر لچکا اور بوشن بھی ہنس پڑا۔ اتنے میں ریفری نے راؤنڈ ختم ہونے کی سیٹی بجائی۔

وہ دونوں اپنے اپنے مرمت خانوں کی طرف لے جائے گئے۔

دوسرے راؤنڈ میں اتفاق سے ایک بار پھر وہ داور کی زد پر آ گیا اور اُس نے اُس کی کنپٹی پر اتنا

زور کا گھونسا رسید کیا کہ وہ بلبلاتا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

ریفری اُس پر جھکا ہوا گنتی گن رہا تھا اور مجمع سسپنس میں مبتلا تھا۔ لیکن جیسے وہ ”آٹھ“ پر اٹھنے لگا امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ بوشن کھڑا ہو کر آگے پیچھے جھول رہا تھا۔

”مارو.... داور.... مارو دو اور مارو.... ختم کرو۔“ تماشائیوں نے آوازیں دیں۔

”نہیں.... خواتین و لیڈیز.... اُو.... غ.... خواتین و حضرات.... میں کسی مردے کو نہیں مارتا۔ اسے ہوش میں آنے دیجئے۔“ داور ہاتھ ہلا کر چیخا۔

اس حماقت پر لوگ اُسے بُرا بھلا کہنے لگے۔ وہ تو چاہتے ہی تھے کہ ہار جیت کا فیصلہ جلد از جلد ہو جائے کیونکہ داور جیسے پہاڑ کی جیت اتفاق ہی پر مبنی ہو سکتی تھی۔

بوشن سنبھل گیا تھا۔ اُس نے پھر اچھل کود کر حملے کرنا شروع کر دیا۔ اس بار وہ اور زیادہ محتاط نظر آ رہا تھا۔

یہ راؤنڈ بھی ختم ہو گیا۔ لوگوں کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ داور کو گالیاں دے رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ وہ پرلے سرے کا گدھا معلوم ہوتا ہے اور وہ محض اپنی اکڑفوں کی وجہ سے ہار جائے گا۔ بوشن پھرتیلا ہے اسی طرح بھاگ دوڑ کر اُسے پیٹتا رہے گا اور آخر کار داور تھک کر ایسا گرے گا کہ پھر نہ اٹھ سکے گا۔

سونیا کا دل دھڑک رہا تھا۔ حلق خشک ہو گیا تھا۔ اُس کے خیالات بھی عام تماشائیوں کے خیالات سے مختلف نہیں تھے۔

”یہ تو بالکل بھینس ہو کر رہ گیا ہے۔“ گریٹا نے کہا۔

”کاش اتنا بے وقوف نہ ہوتا.... کاش!“ سونیا مضطربانہ انداز میں بولی۔ ”اگر یہ ہار گیا تو ٹیوی بہت بڑے خسارے میں رہے گا۔“

”بوشن اُس کی یہ کمزوری اچھی طرح سمجھ گیا ہے۔ اب وہ اُس کی زد پر نہیں آئے گا۔ جس وقت وہ اٹھ کر سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا اُسی وقت اگر یہ گدھا ایک ہی ہاتھ اور مار دیتا تو بوشن کی صبح ہو جاتی۔“

تیسرا راؤنڈ شروع ہوا۔ اس بار بوشن پہلے سے بھی زیادہ شیر نظر آ رہا تھا اور داور بھی قدرے سنبھلا ہوا نظر آیا۔ یعنی اس بار وہ مدافعت کے لئے ہاتھ پیر بھی ہلا رہا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بوشن اُسے پیٹ نہ سکا۔ شاید اس پر ٹیوی کے ٹریز نے داور کو کچھ خاص قسم کی ہدایات دی تھیں۔

”مگر دیکھو....!“ سونیا نے کہا۔ ”ایک ہی جگہ جم کر بھگوڑوں کے وار روکنا مشکل کام ہے

لیکن وہ کتنی صفائی سے ہاتھوں پر اُس کے ہاتھ [illegible]ک رہا ہے۔"

"بڑھ کر مارتا کیوں نہیں کم بخت۔" گریٹا نے کہا۔

سونیا نے کوئی جواب نہ دیا اور گریٹا کچھ اور سوچنے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں یہ ٹیوی اور بلنگر مل کر دنیا کی آنکھوں میں دھول تو نہیں جھونک رہے ہیں۔ ان کے جھگڑے محض ظاہری ہوں۔ دنیا کو دکھانے کے لئے اور ان کا بزنس حقیقتاً ایک ہی ہو۔ ٹیوی اور بلنگر پارٹنر ہوں۔ مگر دو مختلف ناموں سے ایک دوسرے کی حریف بن کر سامنے آئی ہو تاکہ زیادہ سے زیادہ روپیہ بٹورا جاسکے۔ اور یہ لوگ ہمیشہ اپنا ہی فائدہ دیکھتے ہیں۔ داور کے ٹکٹ بے تحاشہ بکے ہیں.... اور داور ہار جائے.... بوشن کے ٹکٹوں کی بکری برائے نام ہوئی ہے داور کے ہارنے پر ٹیوی کو صرف چند سو روپے بوشن کے ٹکٹوں پر تقسیم کرنے پڑیں گے اور اس کے بعد بلنگر اور ٹیوی ساری آمدنی نصف نصف تقسیم کرلیں گے.... اوہ یہی ہوا ہے۔ اُف فوہ کتنا طاقت ور ہے۔ اُس کے ایک گھونسے نے بوشن کو رنگ سے باہر اچھال دیا تھا اور اب وہ اتنی بے بسی سے اُسی کے ہاتھوں پٹ رہا ہے۔ نہیں یہ ڈاکو ہیں۔ لٹیرے ہیں۔ آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ داور یقیناً ہار جائے گا۔ ہارے گا.... ضرور ہارے گا۔

پھر وہ چونک پڑی۔ داور کچھ کہہ رہا تھا کہ تماشائی قہقہے لگا رہے تھے۔ بوشن ناچ ناچ کر اُس پر حملے کر رہا تھا۔ اس راؤنڈ کا وقت بھی یونہی گذر گیا۔ دونوں پہلوان رنگ سے چلے گئے اور تماشائی اِدھر اُدھر آنے جانے لگے۔ اس بار وقفہ لمبا تھا۔

دفعتاً گریٹا کو کنور سعید دکھائی دیا جو اُسی طرف آرہا تھا۔ یہ دونوں ایک صوفے پر تھیں جہاں تیسرے آدمی کی بھی گنجائش نکل سکتی تھی.... گریٹا کھسک کر سونیا سے جاملی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔" کنور سعید نے پوچھا۔

"ضرور.... ضرور....!" سونیا مسکرائی۔ "مگر تم تھے کہاں؟"

"ٹیوی کا سر پیٹ رہا تھا۔"

"کیا مطلب....؟"

"مجھ سے مطلب پوچھتی ہو؟" کنور سعید نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم سب مل کر فراڈ کر رہے ہو۔"

"یہ کیا بکواس شروع کردی تم نے؟"

"یہ داور اس طرح پٹ کیوں رہا ہے؟"

"میں کیا جانوں۔" سونیا جھلا گئی۔ "تم مجھ سے بہتر جانتے ہو گے۔"

"کیا یہ ملی ہوئی جوڑی نہیں ہے؟"

"اگر ہے تو میں یہی سمجھوں گی کہ بلنگر تمہیں پہلے ہی خرید چکا تھا اور تم ٹیوی کی فرم میں اُسی کے لئے کام کر رہے ہو۔"

"بڑے آئے حصے دار۔ تم ہمیں تباہ کردو گے۔ مگر یہ مت سمجھنا کہ تم بچ جاؤ گے۔"

"کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں رنگ میں کھڑا ہو کر تم لوگوں کی بے ایمانیوں کا اعلان کردوں۔ مجھ سے زیادہ داور کو اور کون جانتا ہے۔"

"میں سمجھی۔" سونیا کا غصہ تیز ہوتا جارہا تھا۔ "تم شاید ہمیں بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہے ہو مگر اتنا یاد رکھو کہ تم بھی۔"

"بس ختم کرو۔" کنور سعید ہنس پڑا۔ "تمہیں واقعی بہت جلد غصہ آجاتا ہے۔ ابھی میں اور ٹیوی اسی بات پر بحث کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ سونیا کو غصہ نہیں آتا.... اوہ آپ کی تعریف۔"

"ہوں....!" گریٹا غرائی۔ "اب یہ فضول باتیں رہنے دو۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔"

"یہ بھی بُرا نہیں ہوا۔ تم نے بھی اُس دن سڑک پر داور کے ہاتھ دیکھے تھے۔ اب دیکھو اُسے کیا ہوگیا ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ کیا کرتے پھر رہے ہو۔" گریٹا نے نڈھال سی آواز میں کہا۔

"دولت پیدا کر رہا ہوں۔ ٹیوی کی فرم کا آدھے کا حصے دار ہوں۔"

"اس خیال میں نہ رہنا۔ ٹیوی بھی کم نہیں ہے۔" سونیا جل کر بولی۔

"میں بھی کوئی بے ایمان آدمی نہیں ہوں۔ ویسے ہاتھ کی صفائی میری عادت ہے۔"

سونیا نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کرلئے۔ اُس کا غصہ انتہائی منزلیں طے کر رہا تھا۔ گریٹا نے سا گر سے کہا۔ "تم نے کنور سعید کا ڈھونگ کیوں رچایا ہے؟"

"کیونکہ پولیس والے بھی میری خیر و عافیت معلوم کرنے کے متمنی رہا کرتے ہیں۔ مگر میں بھی اُن کے پیار بھرے خطوط کے جواب نہیں لکھتا۔"

"ساری شیخی نکل جائے گی۔" سونیا دانت پیس کر بولی۔ "ذرا یہ مقابلہ ختم ہولے پھر دیکھوں گی۔"

"پھر کیا دیکھوں گی جو کچھ بھی دیکھنا ہے ابھی دیکھ لو.... یہ میں بھی جانتا ہوں جو کچھ نتیجہ ہونے والا ہے اس مقابلے کا۔"

"کیا نتیجہ ہوگا....؟"

"ختم کرو۔ ابھی خود ہی دیکھ لیں گے۔" ساگر نے بیزاری سے کہا۔

سونیا پھر خاموش ہو گئی۔

راؤنڈ شروع ہونے والا تھا۔ ریفری نے لمبی سیٹی بجائی داور اور بوشن رنگ میں داخل ہوئے۔

اس بار داور بڑے غصے میں معلوم ہو رہا تھا۔ اُس نے آتے ہی بوشن پر جھپٹنا شروع کر دیا اور اب بوشن کی بدحواسی دیکھنے کے قابل تھی۔ وہ بُری طرح بھاگتا پھر رہا تھا.... اب اُس کی کوشش یہی تھی کہ کسی طرح خود کو داور کی زد سے بچائے۔ اس کے لئے اُسے کبھی جھکنا پڑتا تھا.... کبھی زمین پر لوٹیں لگانی پڑتی تھیں اور ساری تماشہ گاہ تالیوں کے شور سے گونجی ہوئی تھی۔

"داور.... داور.... شاباش.... ہیر ہیر.... ونڈر فل.... ختم کرو۔" لوگ چیخ رہے تھے۔

ساگر نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ "اب دیکھو وہ احمق خود کو تھکا رہا ہے۔ آخری بار جدوجہد کر رہا ہے تاکہ تماشائی اُس کی ہار کو محض اتفاق سمجھیں۔"

"اور یہ اسکیم تمہاری بنائی ہوئی ہے؟" سونیا نے کہا۔

"نہیں ٹیوی سے اس قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔" ساگر نے مسکرا کر کہا۔ "اب اس وقت میں ٹیوی اور بلنگر کے کاروبار کو کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔"

"جہنم میں جاؤ۔" سونیا نے کہا اور اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ وہ تماشہ گاہ سے باہر جا رہی تھی۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" گریٹا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "یہ ساری باتیں اُس سے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ بہت بُرا ہوا ٹیوی اور بلنگر تمہیں یہاں سے زندہ نہ جانے دیں گے۔"

"کیوں....؟"

"میری دانست میں تمہارا خیال صحیح ہے کہ ٹیوی اور بلنگر کا کاروبار الگ الگ نہیں ہے۔ وہ دنیا کو دھوکا دے رہے ہیں۔ عوام میں دونوں کی کاروباری دشمنی کی شہرت ہے۔ اس لئے تماشائیوں میں بھی مقابلے کی اسپرٹ پیدا ہو جاتی ہے اور وہ حریفانہ جذبے کے تحت ٹکٹ خریدتے ہیں اور اندھا دھند خریدتے ہیں۔ اگر کسی کا کوئی پہلوان غیر متوقع طور پر ہار جاتا ہے تو اُسے محض اتفاق سمجھ لیا جاتا ہے۔ لیکن انہوں نے آپس میں طے کر رکھا ہے کہ جس پہلوان کے ٹکٹ بہت زیادہ بکیں وہ لازمی طور پر ہار جائے.... کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

"ہاں.... آں....!" ساگر نے انگڑائی لے کر کہا اور پیچھے بیٹھے ہوئے کسی آدمی نے کہا۔

"اے صاحب ہاتھ نیچے کیجئے۔"

اس وقت تماشائیوں میں اضطراب پایا جا رہا تھا کیونکہ داور سست پڑنے لگا تھا۔ اس بار اُس نے اُسی

رح جھپٹ جھپٹ کر حملے کئے تھے کہ ذرا ہی سی دیر میں تھکے ہوئے بھینسے کی طرح ہانپنے لگا تھا۔

بوشن کو شاید اسی کی توقع تھی جیسے ہی اُس نے اُسے سست ہوتے دیکھا بڑھ بڑھ کر حملے رنے لگا۔

مگر یہ کیا؟ کیا اب داور میں مدافعت کی بھی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ وہ آگے پیچھے جھول رہا ھا۔ اس طرح رہ رہ کر آنکھیں پھاڑتا جیسے اُسے کچھ سجھائی ہی نہ دے رہا ہو اور بوشن صرف اُس کے بائیں شانے پر گھونسے مار رہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے داور کسی تناور درخت کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اب ایک طرف ریفری نتی گن رہا تھا اور دوسری طرف تماشائی چیخ رہے تھے "اٹھو.... داور.... اٹھو.... خانہ زاب.... مردود.... اٹھو.... اٹھ جاؤ۔"

اور پھر جیسے ہی ریفری کی زبان سے دس نکلا بلنگر کے اناؤنسر نے بوشن کا ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔

داور بے ہوش پڑا تھا۔ چاروں طرف سے گالیوں کا شور ابھرنے لگا تھا۔ لوگ داور کو گالیاں ے رہے تھے۔ ٹیوی کو گالیاں دے رہے تھے۔ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔

✿

تماشائی اس طرح رخصت ہونے لگے جیسے وہ مہمان ہوں جن کی میزبان نے اس طرح توہین کی ہو کہ وہ دوبارہ اُس کے در پر پیشاب بھی نہ کرنے کی دھمکی دے کر واپس جا رہے ہوں۔

گریٹا بھی ساگر کا ہاتھ پکڑے چلتی رہی۔ اُسے خوف تھا کہ کہیں وہ تماشائیوں کے کسی ریلے میں الجھ کر کچل نہ جائے۔

یک بیک ایک جگہ ساگر رک گیا۔ وہاں تماشائیوں نے مجمع لگا لیا تھا۔

"کیا ہوا.... کیا ہے؟" چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں۔

ہجوم کے درمیان ایک آدمی چت پڑا تھا اور تین چار آدمی اُسے اس طرح اٹھا رہے تھے جیسے ہیا تو کوئی لاش ہو یا بے ہوش ہو گیا ہو۔

وہ اُسے کارپوریشن کے اُس بڑے خیمے میں لے جا رہے تھے جہاں مقابلے کے دوران میں ٹیوی اور بلنگر بیٹھا کرتے تھے۔ اس وقت یہ خیمہ خالی پڑا تھا کیونکہ وہ دونوں تو رنگ کی طرف وڑے گئے تھے۔

ساگر نے اپنے آدمیوں کو پہچان لیا تھا۔ بے ہوش آدمی کو اٹھانے والے وہی تھے۔ گریٹا اب بھی اُس کے ساتھ ہی تھی۔

"یہ کیا ہوا....؟" گریٹا نے پوچھا۔

"خدا جانے۔" ساگر نے جواب دیا اور خاموشی سے چلتا رہا۔

خیمے کے اندر کچھ اور لوگوں نے بھی داخل ہونا چاہا لیکن ساگر دروازے پر جم گیا تھا۔ اُس نے کسی کو بھی اندر نہ جانے دیا۔ اس پر ایک آدمی اُس سے جھگڑ بیٹھا۔

"میں سیٹھ کے ساتھ تھا۔ مجھے اندر جانے دو۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"کیا رشتہ ہے سیٹھ سے؟" ساگر نے پوچھا۔

"تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے۔" وہ اکڑ گیا۔ "میں تو جاؤں گا اندر۔"

اتنے میں ٹیوی اور بلنگر بھی تیزی سے اُسی طرف آتے دکھائی دیئے۔ وہ اونچی آواز میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے ہوں۔

دروازے پر وہ رک گئے اور ٹیوی نے جھلا کر ساگر سے کہا۔ "کیا ہے؟"

"تم لوگ اندر نہیں جا سکتے۔" ساگر نے لاپروائی سے کہا۔

"دماغ تو نہیں خراب ہو گیا؟"

"آنے دو....!" اندر سے کسی نے کہا۔

"کون ہے؟" ٹیوی نے پلکیں جھپکائیں اور ساگر نے سوچا کہیں یہ دونوں کھسک ہی نہ جائیں لہٰذا اُس نے جلدی سے کہا۔ "اندر سونیا بے ہوش ہو گئی ہے۔"

"اوہ تو ہٹو....!" ٹیوی اُسے ایک طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ اُس کے ساتھ ہی بلنگر بھی داخل ہوا۔ ساگر اور گریٹا پیچھے تھے۔ بے ہوش آدمی کا ساتھی بھی خیمے میں داخل ہوا۔

"اوہ.... یہ تو سیٹھ عبداللہ ہے۔" ٹیوی جھلا کر ساگر کی طرف مڑا۔

"مجھے علم نہیں تھا کہ تمہاری محبوبہ ایسے کرتب بھی دکھا سکتی ہے۔" ساگر نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔" ٹیوی غرا کر اُس کی طرف جھپٹا۔

"ٹھہرو۔" ساگر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "پہلے میرا حصہ نکالو۔ اُس کے بعد سر بھی توڑ دینا۔ مجھے پرواہ نہ ہوگی۔"

"کیسا حصہ....؟"

"اوہ.... کیا بزنس میں ففٹی ففٹی نہیں کہا تھا پارٹنر....؟"

"تم دغاباز ہو۔ بلنگر سے مل گئے ہو۔ تمہاری ہی وجہ سے داور نے شکست کھائی۔"

"تم غلط سمجھے.... مسٹر ٹیوی۔" ایک گوشے سے آواز آئی اور ایک آدمی یک بیک روشنی میں آ گیا۔ یہ ایک دراز قد، قوی الجثہ اور وجیہہ آدمی تھا۔

گریٹا نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ اتنا شاندار آدمی آج تک اُس کی نظروں سے نہیں گزرا تھا۔

"کیا مطلب....؟" ٹیوی اُسے گھورنے لگا۔ "تم کون ہو؟"

"داور نے میری وجہ سے شکست کھائی ہے۔" اُس نے مسکرا کر کہا اور بلنگر بھی اُسے گھورنے لگا۔

"میں پوچھتا ہوں تم کون ہو اور تمہیں اس خیمے میں داخل ہونے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

"خاموش رہو۔" اجنبی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ پھر بلنگر کی طرف مڑا جو بے ہوش سیٹھ عبداللہ کو ٹٹول رہا تھا۔

"تم کیا کر رہے ہو؟" اُس نے بلنگر کو مخاطب کیا۔

"کیوں....؟" بلنگر جھلا کر بولا۔ "تم کون ہو۔ کیوں مداخلت کر رہے ہو۔ سیٹھ میرا دوست ہے۔"

"اُس کے پاس سے ہٹ جاؤ۔" اجنبی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"ارے تم ہو کون؟ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" ٹیوی نے آنکھیں نکالیں.... "کیا میں پولیس کو طلب کروں۔" اور پھر اُس نے جھپٹ کر ساگر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ لیکن ساگر نے مزاحمت نہیں کی۔ وہ بالکل بے حس و حرکت کھڑا تھا۔

"پولیس کو ضرور طلب کرو۔" اجنبی مسکرایا۔ بلنگر پھر سیٹھ عبداللہ کو ٹٹولنے لگا۔

دفعتاً اجنبی نے اُن آدمیوں کو مخاطب کیا جو سیٹھ عبداللہ کو اٹھا کر یہاں تک لائے تھے۔ "بلنگر کو اُس کے پاس سے ہٹا دو۔"

"کیا مطلب....؟" بلنگر غرایا۔

پھر جیسے ہی دو آدمی اُس کی طرف بڑھے بلنگر نے پستول نکال لیا۔ "تم لوگوں کا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ تم آخر ہو کون؟"

پستول دیکھ کر گریٹا ساگر کے بائیں بازو سے چمٹ گئی۔ وہ کانپ رہی تھی۔

ٹیوی نے ساگر کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ بلنگر کے پستول نکال لینے پر وہ خود بھی بوکھلا گیا تھا۔

دفعتاً باہر سے سونیا کی آواز آئی۔ "اندر کیا ہو رہا ہے؟ یہ لوگ مجھے اندر نہیں آنے دیتے۔"

"گھر جاؤ۔" ٹیوی نے چیخ کر کہا۔

"بلنگر پستول زمین پر ڈال دو۔" اجنبی تحکمانہ لہجے میں بولا۔

"تم بلنگر سے واقف نہیں ہو۔" بلنگر غرایا۔

"ہاں.... میں اتنا جانتا ہوں کہ اس پستول میں صرف چھ گولیاں ہیں۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "اور تمہیں دوبارہ لوڈ کرنے کا موقع نہیں ملے گا ارے نہیں سر پر نہ مارنا۔"

وہ اچانک چیخا تھا۔ انداز ایسا تھا جیسے اُس نے کسی ایسے آدمی سے کہا ہو جس نے بلنگر کے سر پر مارنے کے لئے کوئی چیز اٹھائی ہو۔ بلنگر بوکھلا کر مڑا ہی تھا کہ اُس کے ہاتھ سے پستول نکل گیا۔ وہ اجنبی کی طرف جھپٹا لیکن اجنبی کا گھونسہ اُسے کئی قدم پیچھے کھسکا لایا اور اجنبی نے ہنس کر کہا۔

"واہ.... یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ میں اور بلنگر جیسے گدھوں سے واقف نہ ہوں۔"

"یہ کون ہے.... ساگر.... یہ کون ہے؟" گریٹا نے آہستہ سے پوچھا۔

"یہ میرے باپ کے بھی والد صاحب قبلہ ہیں۔" ساگر نے ٹھنڈی سانس لی۔ "کیوں کیا یہ آدمی مجھ سے بھی زیادہ شاندار ہے؟"

"بیکار باتیں نہ کرو.... مگر یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"بلیک میلنگ....!" ساگر نے بلند آواز میں کہا۔ "ہم لوگ بلنگر کو بلیک میل کریں گے۔"

"بلنگر یہ ساگر ہے۔ مجھے افسوس ہے۔" ٹیوی کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

"بس تو پھر مزہ کرو۔" بلنگر غرایا۔ "یہ لوگ بلیک میلر ہیں۔"

"ہوں گے۔" ٹیوی نے گردن جھٹک کر کہا۔ "میرا کیا بگڑے گا.... مجھے بلیک میلنگ کی ک پرواہ ہو سکتی ہے.... میرا کاروبار صاف ہے۔"

اتنے میں سیٹھ عبداللہ بھی بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

ساگر ٹیوی اور بلنگر سے کہہ رہا تھا۔ "کیا تم دونوں اس سے انکار کر سکتے ہو کہ پبلک ک آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنا اُلو سیدھا کر رہے ہو؟"

"بکواس ہے۔"

"داور کے ٹکٹ بہت زیادہ بکے تھے.... اسی لئے وہ ہار گیا۔ رقم تم دونوں آدھی بان لو گے۔" ساگر نے کہا۔

ٹیوی نے چیخ کر کہا۔ "یہ بکواس ہے۔ ہمارے کاروبار بالکل الگ ہیں۔ جاؤ مجھے بلیک میل کر باقاعدہ تفتیش کرو۔ اس قسم کی کوئی چیز نہیں ثابت ہو سکے گی۔"

بلنگر نے بھی ایک طویل قہقہہ لگایا اور بولا۔ "یہ بے چارے اسی چکر میں ہیں کہ ہمیں بلی

بل کر لیں گے۔"

"کیوں سیٹھ عبداللہ تم بے ہوش کیوں ہو گئے تھے؟" اجنبی نے اُس سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے بابا.... ٹھیک ہے.... اللہ کا شکر ہے۔" سیٹھ عبداللہ اپنا سارا جسم ٹٹولتا ہوا ہکلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میں پوچھ رہا تھا تم بے ہوش کیوں ہوئے تھے؟"

"بس ہو گیا تھا.... اللہ کی مرضی.... سالا چکر آ گیا تھا۔"

"ابھی اور آئے گا۔" اجنبی مسکرایا اور ٹیوی جھلا کر بولا۔ "تم لوگ کیوں ہمارا وقت برباد کر رہے ہو۔"

"میرا پستول واپس کرو۔" بلنگر نے نتھنے پھلائے۔

"مجھے علم ہے کہ تم اس کا لائسنس رکھتے ہو۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ "اور نہیں سیٹھ عبداللہ تم اپنی جگہ سے ہلو گے بھی نہیں.... یہ پستول بھرا ہوا ہے اور میں نے سیفٹی کیچ بھی ہٹا دیا ہے.... ہاں تو بلنگر تمہیں بلیک میل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ تمہارا کاروبار بالکل صاف ہے اور اس پستول کا لائسنس بھی رکھتے ہو۔"

"ہاں.... تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے۔ میں ابھی پولیس کو اطلاع دوں گا۔"

"کیوں سیٹھ عبداللہ....؟" اجنبی اُس کی طرف مڑا۔

"ہم.... کک.... کیا.... ب.... بولے بابا۔" سیٹھ عبداللہ کی آنکھیں نکلی پڑ رہی تھیں کیونکہ اجنبی کے ہاتھ میں پستول تھا۔

"میں بلنگر کو بلیک میل کر سکتا ہوں.... یا نہیں؟"

"ارے.... ہم کیا جانے گا.... بھائی.... حضور.... میں گھر جاؤں گا.... بال بچہ لوگ پریشان ہوئیں گا۔"

"وہ کیا بتائے گا۔" بلنگر غرایا۔ "تم آخر چاہتے کیا ہو؟"

"ٹھہرو.... بلنگر میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔" ٹیوی نے جلدی سے کہا اور دروازے کی طرف مڑنے لگا۔

"میں بے دریغ فائر کر دوں گا۔ اگر تم اپنی جگہ سے ہلے۔" اجنبی نے وارننگ دی۔

"یار ٹیوی چپ چاپ کھڑے رہو۔" ساگر نے کہا۔ "کیوں خواہ مخواہ بور کر رہے ہو۔"

"ہوں.... مجھے بتاؤ نا کہ آخر تم لوگ کیا چاہتے ہو؟" ٹیوی اُس پر الٹ پڑا۔

"بس بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔"

"تم نہیں کر سکتے۔ میرا اور بلنگر کا کاروبار قطعی الگ ہے۔"

"اوہو..... ہمیں تو صرف فارچون ٹریڈرز کی تلاش ہے۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب.....؟" بلنگر کی بھنوئیں تن گئیں۔

"فارچون ٹریڈرز کی تلاش ہے مجھے۔"

"پتہ نہیں کیا بک رہے ہو۔" بلنگر نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔

"سیٹھ عبداللہ فارچون ٹریڈرز کے متعلق زیادہ بہتر بتا سکیں گے کیوں سیٹھ؟" اجنبی اُس کی طرف مڑا۔

"اُو..... بابا..... خدا کے لئے..... میرے کو جانے دو۔" سیٹھ عبداللہ گڑگڑایا۔

"کیا فارچون ٹریڈرز کا ٹکٹ اس وقت بھی تمہاری جیب میں موجود ہے؟"

"کھڈے میں گیا ٹکٹ وکٹ..... سالے نے کباڑا کر دیا۔"

"کر دیا نا.....؟"

"جانے دو بابا..... ہم بالکل اُلو کا پٹھا ہے۔" سیٹھ عبداللہ نے بے زاری سے کہا۔

"کیا پچھلے سال تم جیت میں رہے تھے؟"

"ہاں..... بھائی..... مغز نہ کھاؤ..... کیا کرے۔"

"آج والا ٹکٹ کتنے کا تھا؟"

"کیوں بتائے بابا..... تم کون ہے؟" سیٹھ عبداللہ نے آنکھیں نکال کر کہا۔ اُس کا خوف کسی حد تک دور ہو گیا تھا۔

"کیا تم اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں دیکھنا پسند کرو گے؟" دفعتاً اجنبی کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ کچھ دیر قبل اونگھتی ہوئی سی نظر آنے والی آنکھوں میں شعلے سے رقص کرنے لگے تھے۔

"دو..... دو..... لاکھ.....!" سیٹھ عبداللہ ہکلایا۔

"ہاں..... اب تم بتاؤ بلنگر.....!" اجنبی اُس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "داور کی شکست کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"داور کی شکست کی وجہ تم لوگ ہو۔ ساگر نے کسی قسم کا فراڈ کیا تھا۔" بلنگر نے کہا۔ "خود ٹیوی بھی اسے نہیں سمجھ سکا اس لئے پھنس گیا..... ٹیوی..... داور کو پولیس کے حوالے کر دو۔"

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" ٹیوی سر ہلا کر بولا۔

خیمے کے ایک گوشے میں اسٹول پر فون رکھا ہوا تھا۔ اجنبی نے اُس کی طرف اشارہ کرتے ئے کہا۔ "تمہیں اجازت ہے تم جسے بھی چاہو فون کر سکتے ہو۔"

ٹیوی فون کی طرف بڑھا مگر پھر رک گیا اور بے بسی کی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "تم نے لے ہی تار کاٹ دیئے ہوں گے مجھے بے وقوف نہ بناؤ۔"

"اگر تم یہ ثابت کر سکے تو تمہیں اتنے ہی روپے میری طرف سے ملیں گے جتنے تم نے آج ئے ہیں۔"

ٹیوی بُرا سا منہ بنائے ہوئے فون کی طرف بڑھا۔ گریٹا مضطربانہ انداز میں بولی۔ "یہ کیا نے جا رہا ہے ساگر.....؟"

"کیا تم جانا چاہتی ہو.....؟" ساگر نے پوچھا۔

"نن..... نہیں..... مگر یہ کیا.....؟"

"فکر مت کرو۔ مطمئن رہو۔ تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ میرا مطلب ہے ہمدرد اور نیک دل۔"

اُدھر ٹیوی نے کسی کو فون پر مخاطب کیا تھا۔ مگر پھر یک بیک اُس کے ہاتھ سے ریسیور وٹ گیا اور اس طرح پیچھے ہٹ آیا جیسے فون نے کاٹ کھایا ہو۔ اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ئی تھیں اور اجنبی اور اُس کے ساتھیوں کو گھور رہا تھا۔

اور بلنگر خود اُسے گھور رہا تھا۔

"کیوں.....؟ کیا ہوا.....؟" بلنگر نے اُس سے پوچھا اور ٹیوی اس طرح چونک پڑا جیسے وہیں ڑے کھڑے اونگھ گیا ہو۔ اُس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور لاپروائی سے شانوں کو بش دے کر بولا۔ "میری بلا سے میرے ہاتھ صاف ہیں۔ میں مطمئن ہوں۔"

"کیا بک رہے ہو.....؟" بلنگر نے پھر اُسے ٹوکا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔" ٹیوی مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر بولا۔ "تم سب جہنم میں جاؤ۔"

"ہاں جہنم ایسے ہی لوگوں کے لئے بنائی گئی ہے۔" اجنبی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ُر تم اُدھر بیٹھ جاؤ اور ہم سب کے جہنم میں جانے کا تماشہ دیکھو۔"

پھر اُس نے بلنگر سے پوچھا۔ "داور کیوں ہار گیا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ بوشن نے صرف ے کے بائیں شانے پر دو تین ہاتھ مارے تھے۔ تم بوشن کو بلاؤ..... وہ میرے بائیں شانے پر دس ں پچیس تیس ہاتھ مارے لیکن اگر میں بے ہوش نہ ہوا تو تمہارا سر ٹھوکروں سے اڑا دوں گا۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"وہی جو کچھ تم نے کیا ہے۔"

"میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ تم کسی بات کا ثبوت نہیں مہیا کر سکتے اور پھر تم ہو کون پوچھنے والے۔ میں جارہا ہوں۔ تم شوق سے مجھ پر فائر کردو۔"

بلنگر بڑی لاپروائی سے دروازے کی طرف مڑ گیا۔ اجنبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اُس نے پستول اپنی جیب میں ڈال لیا۔ سیٹھ عبداللہ بھی اٹھ کر بلنگر کے پیچھے بڑھا لیکن اُسے بھی نہیں روکا گیا۔ البتہ ٹیوی اب بھی وہیں اُسی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

"کیا تم نہیں جاؤ گے؟" اجنبی نے ٹیوی سے پوچھا۔ لیکن ٹیوی کے جواب دینے سے قبل ہی بلنگر دہاڑا۔ "یہ کیا مذاق ہے۔ مجھے باہر جانے سے کیوں روکا جارہا ہے؟"

وہ ایک بار پھر اجنبی کو آنکھیں پھاڑے گھور رہا تھا۔

"کس نے روکا ہے تمہارا راستہ؟" اجنبی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"باہر پولیس کیوں موجود ہے؟" بلنگر کی آواز میں بھر بھراہٹ تھی۔

"میں تو اسی طرح بلیک میل کرتا ہوں۔" اجنبی نے اُس کے قریب آکر آہستہ سے کہا۔ "یا تو سودا کرو یا فارچون ٹریڈرز کے ڈائریکٹر جنرل کو ابھی پولیس کے حوالے کردوں گا۔ سارے ثبوت میرے پاس موجود ہیں۔ ٹیوی کا ڈاکٹر جس نے تم سے لمبی رشوت لی ہے۔ وہ بھی اس وقت میرے ہی آدمیوں کے قبضے میں ہوگا۔ تمہارے تین دلالوں پر بھی قابو پالیا گیا ہے اور یہ بے چارے سیٹھ عبداللہ جس نے داور پر دو لاکھ لگائے تھے.... اور بہر حال کہاں تک گنواؤں....؟"

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"سودا...!"

"بولو....!"

"ڈھائی لاکھ سالانہ....!"

"بہت ہے.... بہت زیادہ۔"

"تو پھر ہتھکڑیاں پہن لو۔"

"کیا بکواس ہے.... جاؤ.... جو کچھ کہنا ہے.... کہہ دو پولیس سے.... میرے خلاف کچھ بھی نہ ثابت ہو سکے گا۔"

"ساگر میرے بیگ میں ہتھکڑیاں ہیں۔"

"کیا مطلب....؟" بلنگر بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا اور ساگر اُس کے بیگ سے ہتھکڑیاں نکالنے

لگا جو قریب ہی زمین پر پڑا ہوا تھا۔

ٹیوی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور اس طرح ہاتھ مل رہا تھا جیسے موجودہ سچویشن کے سسپنس نے سے اختلاج قلب میں مبتلا کردیا ہو۔

دفعتاً بلنگر حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "پولیس کی موجودگی میں سب کچھ ہو رہا ہے ایک بلیک میلر مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔"

"ڈی۔ ایس۔ پی سٹی پلیز۔" اجنبی نے آواز دی اور ایک باوردی پولیس آفیسر اندر داخل ہوا۔ بلنگر نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔ "مسٹر خان آپ کی موجودگی میں مجھ پر ظلم ہو رہا ہے۔ یہ ایک میلر....!"

"بہت زیادہ بکواس نہ کرو۔" ڈی۔ ایس۔ پی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم اچھی طرح روشنی میں آچکے ہو۔"

ساگر نے ہتھکڑیاں ڈی۔ ایس۔ پی کی طرف بڑھا دیں۔

"یہ کیا مسخرہ پن ہے۔" بلنگر نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"مسخرہ پن تو اب شروع ہوگا۔ چپ چاپ ہتھکڑیاں پہن لو۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے خشک لہجے میں کہا۔

"ایک بلیک میلر.... کے کہنے میں آکر....؟"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔ "آپ مرکزی محکمے کے ایک آفیسر کرنل فریدی ہیں۔"

بلنگر بوکھلا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"کک.... کون....!" گریٹا ہکلائی اور اُس نے ساگر کا بازو چھوڑ دیا۔ اب وہ اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔

"میرے ہاتھ صاف ہیں بالکل صاف ہیں۔" ٹیوی ہذیانی انداز میں کہہ رہا تھا۔ "خدا کی پناہ میں کسی فارچون ٹریڈرز کے وجود سے واقف نہیں ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو اور ابھی تک کی تفتیش یہی کہتی ہے کہ تمہارے ہاتھ صاف ہیں۔" کرنل فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "سیٹھ عبداللہ تم بھی حراست میں ہو۔ ٹھہرو.... اس کے بھی ہتھکڑیاں ہی لگیں گی.... نہیں! تم ایک غیر قانونی جوئے میں حصہ لیتے رہے ہو۔ تمہاری پوزیشن صاف نہیں۔ اوہ ٹیوی میں نے تمہیں اس آدمی سے تو ملایا ہی نہیں جو

تمہارا ہمدرد بن کر تم سے بہت بڑے بڑے فائدے اٹھاتا رہا ہے۔ پچھلے سال جب اُس نے عین وقت پر اپنی کسی حرکت سے بلنگر کے کسی پہلوان کو شکست دلوادی تھی تو تم بہت خوش ہوئے تھے اور اُسی پہلوان کی شکست نے تحصیلدار کو خودکشی پر مجبور کردیا تھا۔"

"جی ہاں.... وہ منحوس گھڑی مجھے یاد ہے۔" ٹیوی نے کہا۔

"وہ پُراسرار آدمی یہی بلنگر ہے۔"

ٹیوی اچھل پڑا اور پھر بلنگر کو گھونسہ دکھا کر بولا۔ "وہ رات مجھے اچھی طرح یاد ہے جب تم نے ساگر اور خاور کے لئے مجھے پٹوایا تھا۔"

بلنگر اور سیٹھ عبداللہ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑ چکی تھیں۔

"تت.... تم.... کون ہو؟" گریٹا ساگر کی طرف دیکھ کر ہکلائی۔

"لوگ مجھے کیپٹن حمید کہتے ہیں۔" ساگر مسکرایا۔

"اوہ.... مم.... مجھے معاف کردیجئے جناب.... میں نے کیا کیا ہے۔" گریٹا کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"ارے نہیں.... تم بہت نیک لڑکی ہو۔ میں تمہیں بہت دنوں تک یاد رکھوں گا۔"

وہ تیزی سے دروازے کیطرف مڑگئی اور حمید کے اشارے پر پولیس والوں نے اُسے جانے دیا۔

❁

دوسرے دن کیپٹن حمید کی ساری الجھنیں رفع ہوسکیں۔ پورا کیس طے ہوچکا تھا لیکن نہ جانے کتنے نکتے اُس کے ذہن میں واضح نہیں تھے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ فارچون ٹریڈرز کیا بلا ہے؟ قاسم کیسے ہارا؟ کیا ان دوچار مکّوں نے اُسے بے ہوش کردیا تھا جو بوشن نے اُس کے بائیں شانے پر مارے تھے۔ یہ چیز قطعی ناممکن تھی۔ قاسم کو بے ہوش کرنے کے لئے سر پر پہاڑ دے مارنا پڑتا۔

فریدی دو بجے سے پہلے فرصت نہیں پاسکا تھا کیونکہ بلنگر کے سلسلے میں متعدد گرفتاریاں ہوئی تھیں۔

"ارے بھئی.... بس بلنگر کی ذرا سی حماقت نے مجھے بہت سہارا دیا تھا۔" اُس نے حمید کے سوالات کے جواب میں کہا۔ "یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ ٹیوی اور بلنگر دونوں ہی کی نگرانی ہورہی تھی۔ لیکن میں کسی ایسے تیسرے آدمی کے وجود سے واقف نہیں تھا جس کے لئے ٹیوی بھی الجھن میں مبتلا رہا ہو۔ بلنگر سے حماقت یہ سرزد ہوئی کہ اُس نے ٹیوی کو پٹوادیا۔ ورنہ ٹیوی بھی تمہیں اُس پُراسرار آدمی کے متعلق کچھ نہ بتاتا۔ کیونکہ اُس کی دانست میں وہ اُسے اکثر فائدہ پہنچا

بتاتا تھا چونکہ بلنگر اور ٹیوی کی ہر وقت نگرانی کی جاتی تھی۔ اس لئے تم سے اس پُراسرار آدمی کے متعلق سن کر مجھے معلوم ہوگیا کہ وہ پُراسرار آدمی کون ہوسکتا ہے۔ کیونکہ مجھے پہلے ہی رپورٹ مل چکی تھی کہ بلنگر اُس گندی گلی کے اُس مکان میں داخل ہوا ہے غالباً اندر پہنچ کر اُس نے میک اپ کرلیا تھا اور ٹیوی نے اُسے میک اپ ہی میں دیکھا تھا اور پھر ٹیوی یہ سوچ بھی تو نہیں سکتا تھا کہ وہ پُراسرار آدمی اُس کا کاروباری حریف بلنگر ہی ہوگا۔ اگر اُس کے تخیل کی اڑان اتنی ہی اونچی ہوتی تو وہ اُسے اپنے کاروباری راز کیسے بتاتا رہتا۔ بس پھر یہ معلوم ہوجانے کے بعد کہ بلنگر ڈبل رول ادا کررہا ہے اُس کی نگرانی اور زیادہ احتیاط سے کی جانے لگی۔ نہ صرف اُس کی بلکہ اُس کے ملنے جلنے والوں کی بھی نگرانی کرنی پڑی۔ اس طرح میں فارچون ٹریڈرز نام کے بزنس تک پہنچ سکا۔ یہ دلالوں کے ذریعہ ہوتا تھا۔ لمبا جوا.... چائنا بینک میں بلنگر نے فارچون ٹریڈرز کے نام سے ایک اکاؤنٹ کھول رکھا تھا۔ دلال جواریوں سے روپے اُسی اکاؤنٹ میں جمع کرا کے ٹکٹ دے دیا کرتے تھے۔ پہلے بلنگر خسارہ اٹھا کر انہیں جیت میں رکھتا تھا پھر جب وہ فتح کے نشہ میں دوسرے پہلوانوں پر بہت بڑی رقمیں لگا بیٹھتے تھے تو وہ انہیں لوٹ لیتا تھا۔ یعنی غیر متوقع طور پر وہ پہلوان ہارنے لگتے تھے۔ دلالوں نے بتایا ہے کہ خودکشی کرنے والا تحصیلدار تین بار جیت میں رہا تھا لیکن چوتھی بار اُسے خودکشی کرنی پڑی کیونکہ وہ سرکاری تحویل کا سارا روپیہ ہار گیا تھا اور اتنی بڑی رقم فراہم کرنا اُس کے بس سے باہر تھا۔ اس لئے ذہنی ہیجان کے دوران اُسے خودکشی ہی سوجھی۔"

"اچھا تو یہ جواری یہ بھی جانتے تھے کہ فارچون ٹریڈرز کا مالک بلنگر ہی ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... وہ صرف اُن دلالوں ہی کو جانتے تھے مگر چونکہ چھوٹی اور بڑی ہر طرح کی رقومات میں اُن کی جیت بھی ہوتی رہتی تھی اس لئے انہیں اس کی پرواہ نہیں تھی کہ مالک کون ہے... اور چونکہ انہیں اس کا بھی احساس تھا کہ وہ غیر قانونی قسم کا جوا ہے اس لئے وہ کبھی کسی سے اس کا تذکرہ بھی نہیں کرتے تھے۔"

"اوہو.... تو یہ ٹیوی بالکل گدھا تھا کہ دوہی روپے کے ٹکٹوں میں مگن رہ جاتا تھا اور بڑے... !"

"بلنگر کے لئے وہ ایک مہرے سے زیادہ نہیں تھا۔ اُس کے فرشتوں کو بھی کبھی علم نہ ہوسکا کہ بلنگر حقیقتاً کیا کررہا ہے۔ دوسرے قسم کے جواری بھی اُن دونوں کو حریف ہی سمجھتے تھے اور اُن کا خیال تھا کہ شاید فارچون ٹریڈرز والا جوا مقابلہ کرانے والی کارپوریشن کراتی ہے۔"

"کیا اس مقابلے کے جوئے میں صرف سیٹھ عبداللہ ہی نے حصہ لیا تھا..؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں.... صرف وہی بے ہوش ہوا تھا اور کلیجہ تھام کر رہ جانے والے تو کئی تھے۔ جانتے ہو

کل رات بلنگر نے کتنے کا بزنس کیا تھا۔ بارہ لاکھ کا۔"

"اوہ....!" حمید متحیر رہ گیا پھر پوچھا۔ "اچھا قاسم ہارا کیسے تھا....؟"

"بڑی عجیب چیز ہے حمید صاحب۔ پچھلی رات تو وہ محض عقلی گدا تھا کہ ٹیوی کے ڈاکٹر نے بلنگر سے رشوت لے کر اُسے کوئی نشہ آور دوا دے دی ہو گی.... مگر آج حقیقت کھل کر سامنے آئی ہے۔ ذریعہ ٹیوی کا ڈاکٹر ہی تھا.... جسے زیادہ بڑی آمدنیاں بلنگر سے ہوتی تھیں مگر اُس نے قاسم کو نہ کوئی چیز پلائی تھی اور نہ انجکٹ کی تھی.... بلکہ وہ ایک حیرت انگیز عرق تھا جس کی مالش قاسم کے بائیں شانے پر کی گئی تھی۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ جسم کے کسی حصے پر اُس کی مالش کر دو پھر اُسی جگہ ایک ہلکی سی ضرب لگاؤ.... آدمی فوراً بے ہوش ہو جائے گا۔ قاسم تو اعصاب کی مضبوطی کے اعتبار سے ہاتھی ہے۔ اس لئے بوشن کو اُس کے شانے پر کئی ہاتھ مارنے پڑے تھے۔ خود بوشن ایک ہی گھونسے میں بے ہوش ہو جاتا.... بہر حال قاسم ابھی ہسپتال ہی میں ہے۔ اُس بیہوشی کی وجہ سے جو نقاہت پیدا ہوئی ہے اُس کے دور ہونے میں وقت لگے گا۔"

❁

گریٹا بہت اداس تھی۔ اس اُداسی کی وجہ خود اُس کی سمجھ میں بھی نہ آسکی۔ آٹھ ہزار روپے نہ تو ٹیوی ہی نے واپس مانگے اور نہ اُس کا مطالبہ اُن دونوں پولیس آفیسروں ہی کی طرف سے ہوا.... شارٹی تو اس پر بہت خوش تھا.... لیکن گریٹا محسوس کر رہی تھی جیسے وہ رقم زندگی بھر اُس کے ذہن میں چبھتی رہے گی۔

وہ اب بھی اکثر سوچتی ہے۔ کاش ساگر صرف ایک لفنگا ہوتا۔

ختم شد